زیڈ اے سلیری

# مسئلہ افغانستان

جنگ پبلشرز
لاہور

زیڈ اے سلیری اور شہید جنرل ضیاء الحق

Marfat.com

# مسئلۂ افغانستان

زیڈ اے سلہری

جنگ پبلشرز

Marfat.com

58887

جملہ حقوق محفوظ


| | |
|---|---|
| اشاعت اول | نومبر 1988ء |
| قیمت | 120 روپے |
| مطبع | جنگ پبلشرز پریس<br>13- سر آغا خان روڈ لاہور |


Marfat.com

# انتساب

شہید جہاد افغانستان
شہید صدر محمد ضیاء الحق کے نام

Marfat.com

اس کتاب کی تدوین شہید صدر ضیاء الحق کی ایماء پر کی گئی تھی اور ان کی زندگی میں میرا ارادہ تھا کہ اسے افغان مجاہدین کے اسلامی اتحاد جس نے شہید صدر کو "شہید جہاد افغانستان" کا خطاب دیا تو مجھے یہی مناسب و مستحسن نظر آیا کہ اس کتاب کو اسی خطاب سے منسوب کر دوں جس کے وہ بدرجہ اتم مستحق و سزاوار ہیں۔

یہاں پر میں ان لوگوں کی خدمت میں اظہار تشکر کرنا چاہتا ہوں، جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں میری مدد کی سب سے پہلے اپنی بیٹی شاہدہ رزمی سلہری کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت سے بکھرے ہوئے مضمونوں کو جمع کیا اور انہیں تاریخ وار ترتیب دی۔ پھر جناب ضیاء شاہد ڈپٹی ریذیڈنٹ ایڈیٹر جنگ لاہور کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے اس کی طباعت واشاعت کا حسن انتظام کیا۔ کلیم اختر اور محمد الیاس فارانی صاحبان کا تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے پروف ریڈنگ کی زحمت گوارا فرمائی اور آخر میں سب سے بڑھ کر جنگ لاہور کے نوجوان قابل اور انتھک ریذیڈنٹ ایڈیٹر میر شکیل الرحمان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے شہید صدر کی تحریک کو دل وجان سے عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

زیڈ۔ اے سلہری

Marfat.com

# ترتیب


| | |
|---|---|
| پیش لفظ | 9 |
| مقدمہ | 11 |
| خارجہ پالیسی کے ممکنات | 15 |
| مسئلہ سلامتی کا ہے | 19 |
| ضیاء الحق کا چھکا | 23 |
| کامیاب خارجہ پالیسی | 33 |
| تخریب کاری یا کھلی جنگ | 49 |
| اپنی قسمت اپنی حکمت | 59 |
| جنیوا کانفرنس اور وزارت خارجہ | 69 |
| جنیوا کانفرنس کی ناکامی | 79 |
| کہاں کہا اور کہاں نہ کہا | 87 |
| صاحبزادہ یعقوب خاں | 95 |
| خارجہ پالیسی بدلئے؟ | 101 |
| منزل ما دور نیست | 113 |
| سربراہی کانفرنس اور افغانستان | 123 |
| امریکی یقین دہانی کی افادیت | 133 |
| ڈیڈلائن یا ڈیڈلاک | 141 |


Marfat.com

| | |
|---|---|
| کیا پاکستان اکیلا رہ گیا؟ | 153 |
| مہاجرین کی واپسی اور مسئلہ افغانستان | 165 |
| عبوری حکومت پر ضیاء الحق کی سوچیں | 173 |
| مینڈیٹ کیا ہے؟ | 179 |
| پرنالا وہیں گرا | 183 |
| ابھی نہیں | 189 |
| کیا کانٹا بدلا؟ | 193 |
| کابل قریب ہو گیا | 197 |
| دوٹوک بات | 203 |
| سادہ لوحی یا خود فریبی | 211 |
| حل کی راہ | 215 |
| جنیوا کے ناکام مذاکرات | 219 |
| سمٹری پر زور کیوں؟ | 225 |
| کیا مسئلہ افغانستان حل ہو گیا | 229 |
| دستخطوں کے بعد | 235 |
| نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن | 241 |
| کابل میں اسلامی حکومت کی سیاسی اہمیت | 255 |
| پاکستان مجاہدین کی مدد نہیں کرے گا؟ | 269 |
| جونیجو صاحب کا جانا ناگزیر ہو گیا تھا | 273 |
| پس چہ باید کرد | 281 |
| شہید ضیاء الحق کے بعد | 289 |

Marfat.com

# پیش لفظ

جناب زیڈ. اے. سلیری کے خارجہ پالیسی سے متعلق مضامین کا مجموعہ مصنف کی پاکستان کے مختلف النوع مسائل پر گہری نظر' ان کی فکری صلاحیتوں' فہم و فراست اور بین الاقوامی معاملات پر ان کی غیر معمولی دسترس کی عکاسی کرتا ہے جس کا ذاتی طور پر میں عرصہ دراز سے معترف اور مداح رہا ہوں۔ آپ کے مضامین پچھلے دس سال سے زائد تاریخ ساز عرصہ کا احاطہ کرتے ہیں جس دوران پاکستان علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر انتہائی پیچیدہ' نازک اور دشوار حالات سے دوچار رہا۔ افغانستان میں روسی مداخلت' خلیج کی افسوسناک جنگ اور ہماری مشرقی سرحدوں پر مستقل کشیدگی سے پیدا شدہ خطرات کے پیش نظر ایک ایسی پالیسی وضع کرنا اور اس پر ثابت قدمی سے سرگرم عمل رہنا' جو اصولوں پر مبنی ہو اور ملک کے تحفظ اور سلامتی کی ضامن ہو اور اس کے بہترین مفاد میں ہو' جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ بحمد اللہ ہم اس مقصد میں کامیاب رہے ہیں مرحوم (شہید) صدر ضیاء الحق کی مدبرانہ اور جرأت مندانہ پالیسی کیلئے بہترین خراج تحسین اور کیا ہو سکتا ہے کہ آج روس اپنی فوجیں افغانستان سے نکالنے کا پابند ہے اور بھارت کی بالادستی کے عزائم کے باوجود ہماری مشرقی سرحدیں محفوظ رہی ہیں۔

خارجہ پالیسی کی خلا میں تخلیق نہیں ہوتی بلکہ ملک کے اندرونی اور بیرونی حالات اور تقاضوں اور سیاسی اور جغرافیائی گردوپیش کے توازن کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے خدوخال اور مقاصد کا تعین کیا جاتا ہے۔ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اسے اندرون ملک حمایت حاصل ہو۔ اس کا انحصار ایسے مبصرین اور تجزیہ نگاروں پر ہے جن کی تحریریں مقبول عام ہوں اور جو خارجہ پالیسی کے ان حساس پہلوؤں پر روشنی

Marfat.com

ڈال سکیں جن کی وضاحت سفارتی مصلحتوں کے باعث حکومت وقت کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔

جناب سلیری نے جس بے باکی اور مؤثر انداز سے ہماری خارجہ پالیسی کا جائزہ لیا ہے اس کے رموز کو پرکھا اور اجاگر کیا ہے وہ نہ صرف ان کی بصیرت، علمیت اور تحقیق پر دلیل ہے بلکہ اس سے ہماری مشکلات اور محدودات کا احاطہ کیا جاسکتا ہے اور ہماری پالیسی کے مقاصد اور لائحہ عمل کی بھی پرزور تائید ہوتی ہے۔

پچھلے دس سالوں میں مسئلہ افغانستان کو ہمارے امور خارجہ میں ایک مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلیری صاحب کے مضامین بھی اکثر و بیشتر اسی موضوع پر مرتکز رہے ہیں۔ پاکستان نے اس اہم مسئلہ پر جو اصولی مؤقف اختیار کیا اس کی دنیا بھر میں پذیرائی ہوئی۔ اندرون ملک ہر سطح اور ہر اہم موڑ پر حکومت کی پیش کردہ پالیسی کا جائزہ لیا گیا اور اس کی تجاویز اور مقاصد کی حمایت کی گئی لیکن کچھ حلقے ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے مخصوص انداز فکر کے تحت حکومت کے مؤقف کی مسلسل مخالفت کو اپنا وطیرہ بنایا۔ کبھی ببرک کارمل اور نجیب حکومتوں کو تسلیم کرنے کی سفارش کی، کبھی کابل انتظامیہ سے بلاواسطہ مذاکرات کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ ہمارے مؤقف کو غیر حقیقت پسندانہ اور اسے افغانستان کے دگرگوں حالات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اگر پاکستان ایسے حلقوں کے دباؤ کے تحت اپنے اصولی مؤقف سے انحراف کرتا تو شاید آج روس افغانستان پر اپنا تسلط جمانے میں کامیاب ہو جاتا اور روسی افواج کے انخلاء کا مطالبہ شاید شرمندۂ تعبیر نہ ہو پاتا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ ان معاملات پر ہمارے اخبارات اور ابلاغ عامہ میں جو بحث و تمحیص جاری رہی وہ بھی ایک جہاد تھا۔ اس ضمن میں جناب سلیری کے مضامین نہ صرف حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ صورت حال کے نشیب و فراز سمجھنے اور پاکستان کے اصولی مؤقف کی صحیح اور مؤثر ترجمانی میں مدد کرتے ہیں۔ ہمارے امور خارجہ سے متعلق تحریروں میں جناب سلیری کا مجموعہ مضامین ایک گراں قدر اور مفید اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے قلم میں اور زور عطا فرمائے تاکہ وہ اس سے بھی زائد پاکستان کی خدمت کر سکیں۔

صاحبزادہ محمد یعقوب خاں
وزیر خارجہ (پاکستان)

Marfat.com

# مقدمہ

"مسئلہ افغانستان" ان مضامین پر مشتمل ہے جو میں نے اخبار جنگ میں لکھے، اکثر مضامین وسط 87ء سے اس سال کے وسط تک لکھے گئے۔ عام طور پر یہ مضامین ہفتہ وار چھپتے تھے لیکن جنیوا مذاکرات کے دوران کم وبیش روزانہ لکھے گئے اور مذاکرات کے نشیب وفراز پر حاوی تھے، گو یہ مضامین کسی مرکزی کتابی موضوع کے تابع نہ تھے لیکن ان میں شروع سے آخر تک چند بنیادی نکات اس توضیح وتسلسل سے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ ان تحریروں کا نفس مضمون بن گئے ہیں۔ ان میں ایک نکتے کا محور تو کھلی روسی جارحیت کے خلاف افغان مجاہدین اور شہید صدر ضیاءالحق کا وہ کردار ہے جس نے روسی سپر پاور کو افغانستان سے مراجعت پر مجبور کیا۔ شہید صدر افغان مجاہدین کے معرکۃ الآرا اور تاریخ ساز معاہدے کے حق میں بجا طور پر رطب اللسان رہتے تھے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ اگر جنرل ضیاءالحق مسئلہ افغانستان کے حل کا بیڑہ نہ اٹھاتے، مجاہدین کی پشت پناہی نہ کرتے اور تیس لاکھ سے اوپر مہاجرین کی میزبانی کا ذمہ نہ لیتے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پاکستان کی سلامتی اور اپنی جان کو داؤ پر لگاتے (یہ افغانستان ہی ہے جس پر ان کی جان نثار ہوئی!) تو شاید افغان مجاہدین اس بے مثل کارنامے کو سرانجام نہ دے سکتے جس پر دنیا دنگ رہ گئی اور یہ اسی حقیقت کا اعتراف ہے کہ افغان اسلامی اتحاد کی ساتوں پارٹیوں نے بالاتفاق رائے مرحوم صدر کو شہید جہاد افغانستان کا خطاب دیا۔

خطاب مرحوم شہید صدر کو ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان کے شہریوں کو اہل افغانستان کا خراج تحسین ہے۔ فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی کے حوالے سے حزب اسلامی کے قائد جناب حکمت یار نے

Marfat.com

پاکستانیوں کو یہ ہدیہ عقیدت پیش کیا کہ بے چارے فلسطینیوں کے پاس پاکستان نہیں ہے۔ ان مضامین کا دوسرا نکتہ خصوصی طور پر مذاکرات جنیوا کے آخری مرحلے اور فیصلہ کن دور میں ذہین وفطین اور وسیع تجربہ کار وزیر خارجہ صاحب زادہ یعقوب خان جو فیصلہ کُن دور میں موجود نہ تھے کہ انہیں کچھ ہی عرصہ پہلے سابق وزیر اعظم جونیجو نے وزارت خارجہ سے سبک دوش کر دیا تھا۔ ان مذاکرات کی اصل اہمیت یہ نہ تھی کہ روسیوں کو افغانستان سے اپنی افواج کے انخلاء کی ترغیب دی جائے اور انہیں واپس جانے کے لئے دباؤ ڈالا جائے۔ یہ مسئلہ تو حل ہو چکا تھا کہ 8 فروری 88ء کو جنرل سیکرٹری گورباچوف نے یکطرفہ طور پر اپنی افواج کے انخلاء کا اعلان کر دیا تھا اور اس کے لئے 15 مئی کی تاریخ بھی مقرر کر دی تھی۔ صرف شرط یہ لگائی تھی کہ پاکستان 14 مارچ تک معاہدہ جنیوا (جس کے چاروں مسوّدات تیار ہو گئے تھے) پر دستخط کر دے۔
افغان مجاہدین اور پاکستان کے نقطہ نگاہ سے اہم ترین معاملہ عبوری حکومت کے قیام کا تھا اور اس کے قیام کا جواز تیسرے مسودے سے ہوتا تھا۔ جس میں صاف طور پر درج تھا کہ مہاجرین کی باعزت و بحفاظت واپسی کے لئے ساز گار فضا پیدا کی جانی چاہئے۔ اب ایسی ساز گار فضا اسی صورت میں پیدا ہو سکتی تھی کہ جنگ بند ہو اور کابل میں ایسی عبوری حکومت قائم ہو جسے مہاجرین اور عوام کا اعتماد حاصل ہو۔ سوال یہ ہے تو پھر مذاکرات و معاہدہ جنیوا سے اس قسم کی عبوری حکومت کیوں بر آمد نہ ہوئی جو امن و امان قائم کرتی اور موجودہ خون خرابہ نہ ہوتا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ روس ایسی حکومت کا مخالف ہوتا کیونکہ وہ افغانستان میں اثر ورسوخ قائم کرنے کی خاطر جب تک اس کا بس چلے تب تک اپنی کٹھ پتلی کابل حکومت کو قائم رکھنے کی کوشش کریگا۔ لیکن امریکہ نے عبوری حکومت کے قیام میں منفی روّیہ کیوں اختیار کیا؟ اس طرز عمل کا محرّک امریکہ کی مخالفانہ اسلامی عصبیت تھی' وہ اسلام سے الرجک ہے اور وہ ایران کی طرح افغانستان میں بھی ایک اسلامی حکومت قائم ہونے کا روادار نہ تھا یہ تو دو سپر پاورز کا طرز عمل تھا لیکن پاکستان کو کیا ہوا تھا کہ اس کے نمائندے زین نورانی نے عبوری حکومت کے مسئلے کو معاہدہ جنیوا کے مذاکرات سے ڈی لنک (الگ) کر لیا' حالانکہ پاکستان کی مذاکرات میں ایسی مضبوط و مرکزی پوزیشن تھی کہ اگر وہ چاہتا تو وہ امریکہ پر دباؤ ڈال کر روس کو عبوری حکومت کے قیام پر منوا سکتا تھا کہ پاکستان کے دستخطوں کے بغیر معاہدہ بروئے کار نہ آسکتا اور دونوں طاقتیں اپنی اپنی مصلحتوں اور عالمی سیاست کے دباؤ تلے معاہدے کی سخت ضرورت مند تھیں۔ عبوری حکومت کو مذاکرات سے ڈی لنک کر کے پاکستان کے عوام کو حکومت نے اس طرح یہ دھوکا دیا کہ اصل معاملہ سے تو ہٹ گئے اور سمٹری پر اڑ گئے۔ حالانکہ سمٹری کا معاملہ امریکہ اور روس کے درمیان افغان مجاہدین اور کابل کٹھ پتلی حکومت کو فراہمی اسلحہ تھا اور اس کا پاکستان سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ خاص طور پر اس لئے کہ جہاں ماسکو تو کابل کو براہ راست اسلحہ فراہم کر سکتا تھا' پاکستان کے افغان مجاہدین کو اسلحہ فراہم کرنے کے رستے میں معاہدہ جنیوا کی سد سکندری حائل تھی'

Marfat.com

دراصل مسئلہ افغانستان کے حل کی تصویر اسی دن مسخ ہونی شروع ہو گئی تھی جس دن سابق وزیر اعظم جونیجو نے صاحب زادہ یعقوب خان کو ہٹا کر زین نورانی کو وزیر خارجہ مقرر کیا اور خارجی امور اپنے ہاتھ میں لے لئے اور جونہی مسٹر گورباچوف نے انخلاء افواج کا اعلان کیا' وہ پارلیمانی اور غیر پارلیمانی مشاورت میں مصروف ہو گئے جس سے روس پر صاف ترشح ہوا کہ پاکستان معاہدہ جنیوا پر بلا شرط دستخط کرنے کو تیار ہے اور گود کھاوے کے لئے سمٹری کے بہانے معاملے کو طول دیا گیا۔ لیکن بالآخر نتیجہ وہی نکلا جو ماسکو کو جونیجو حکومت کے وطیرے سے متوقع تھا' اسی طرح جونیجو حکومت کی صریح کوتاہ نگاہی' دوں ہمتی اور قومی مفادات سے یکسر بے اعتنائی نے عبوری حکومت کے معاملے کو کھٹائی میں ڈال دیا اور روس تو بہر حال نجیب اللہ حکومت کے توسط سے افغانستان میں اپنے قدم جمانے کا خواہش مند تھا لیکن امریکہ جو اپنے انسانی حقوق کا علمبردار کہلوانا پسند کرتا ہے افغانستان میں خون خرابے کا ذریعہ بن گیا۔ لیکن سب سے عظیم نقصان افغان مجاہدین اور پاکستان کو ہوا کہ جہاں اول الذکر مزید اپنا خون بہانے پر مجبور ہوئے ہیں وہاں پاکستان لکھو کھا مہاجرین کے بوجھ تلے دبا رہا۔

مسئلہ افغانستان نے بے شک عالمی اہمیت اختیار کی لیکن اس کی اصل اہمیت اس خطہ ارض کے جغرافیائی سیاسی نقشے کے لئے مختص ہے۔ جس میں پاکستان واقع ہے۔ اس مسئلے کا پس منظر ہندوستان کا پاکستان کے وجود کی طرف رویہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے پاکستان کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ لیکن جب سے پاکستان دولخت ہوا پاکستان کی طرف سے ہندوستان کے جارحانہ عزائم کو اور تازیانہ لگا تو صورتحال یہ ہو گئی کہ جہاں متحدہ پاکستان کی صورت میں پاکستان ہندوستان کے خلاف مشرقی اور مغربی دو محاذ کھولنے کا اہل تھا وہاں مشرقی پاکستان کی علیحدگی (جس میں ہندوستان نے بڑا حصہ لیا) کے بعد' ہندوستان اس پوزیشن میں آ گیا کہ اپنی تمام فوجی قوت مشرقی محاذ یعنی پاکستان کے خلاف لگا دے۔ پاکستان کو اگر مشرق میں ہندوستان کا سامنا تھا تو مغرب میں ظاہر شاہ کی غیر دوستانہ حکومت کا مقابلہ تھا' گویا کہ پاکستان ہندوستان اور افغانستان کے درمیان محاصرے میں تھا۔ ظاہر شاہ کے بعد بھی یہی صورتحال رہی تا آنکہ ثور انقلاب کے ذریعے ترکئی' حفیظ اللہ امین اور پھر روسی ٹینکوں پر سوار ببرک کارمل کابل پر قابض ہو گئے۔ روسی جارحیت سے افغانستان کی حالت تو تباہ ہوئی اور پاکستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا۔ لیکن افغان مجاہدین کی صورت میں ایک ایسی ناقابل شکست اسلامی طاقت ابھری جسے روسی سپر پاور کے مقابلے کے لئے نہ صرف پاکستان کی ضرورت پڑی بلکہ جس نے پاکستان پر روسی حملے کے خلاف دیوار چین کا کام دیا اور جتنی افغان مجاہدین کی طاقت بڑھی اتنا ہی اسلامی اتحاد کا جذبہ استوار ہوا اور پختونستان جیسے نسلی تصورات برادرانہ محبت کی آگ میں بھسم ہو گئے اور سب سے بڑھ کر مغرب میں پاکستان گھل مل گئے۔ لیکن جب تک کابل میں افغان مجاہدین کی ٹھیٹھ اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جاتی پاکستان اور

Marfat.com

افغانستان کا میل ملاپ ٹھوس جغرافیائی سیاسی نوعیت واہمیت اختیار نہیں کر سکتا۔ باالفاظ دیگر ابھی ہم اس انقلابی پیش رفت کے منتظر ہیں جس سے پاکستان وافغانستان یک جان و دو قالب کا منظر پیش کریں گے اور جب پاکستان اپنی پشت یعنی مغربی محاذ سے بے فکر' ہندوستان کے خلاف مشرقی محاذ پر سینہ سپر ہو سکے گا۔

اس پیش رفت کی اس لئے بھی اشد ضرورت ہے کہ جہاں ہندوستان شروع سے پاکستان کے ساتھ دھونس اور دھاندلی کا کھیل کھیلتا رہا ہے اور اس پر تین جنگیں مسلط کر چکا ہے' وہاں اب اس نے علاقے پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے ایک نئی ٹیکنیک کا اختراع کیا ہے اور نہ صرف اس کا اختراع کیا بلکہ اس کا سری لنکا میں کامیاب استعمال بھی کیا۔ ہندوستان کی توسیع پسندی اور اپنی بالادستی قائم کرنے کی اس اختراع کا نام ہے کہ ارد گرد کے "تمام ملکوں میں ہندی نژاد لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری کے ———— مقدس فریضے" کی ادائیگی 'یعنی اگر ان ہندی نژاد لوگوں کو جو دوسرے ملکوں میں جا بسے ہیں جیسے تامل سری لنکا میں جا بسے تھے' اگر کوئی مفروضہ یا غیر مفروضہ تکلیف یا ایذا پہنچے تو ہندوستان اس ملک پر امن بحال کرنے کے بہانے فوج کشی کر دے جیسا کہ اس نے سری لنکا پر کی اور مہینوں بعد اپنی ساٹھ ستر ہزار فوجوں کو واپس بلانے کا نام نہیں لیتا اور اس طریقے سے اس ملک کی مطلق العنانی اور خود مختاری پامال کر کے اس پر اپنا تحکم جما رہا ہے۔ اسی نئے اصول استعماریت کو وہ پاکستان پر اس الزام پر لاگو کر سکتا ہے کہ سندھ کے ہندوؤں کے ساتھ وہاں کے مسلمانوں کا سلوک اچھا نہیں ہے۔ یوں آہستہ آہستہ ہندوستان فوجی زور اور سیاسی منصوبے کے ساتھ پورے علاقے پر اسی طرح اپنی بڑائی اور عظمت قائم کرنے کے درپے ہے جیسے امریکہ اور روس نے بالترتیب جنوبی امریکہ اور مشرقی یورپ کے ملکوں پر اپنا حلقہ اثر مسلط کر لیا ہے۔ ہندوستان مشرقی اور غیر دوست افغانستان کے مغربی محاذوں کی صورت میں پاکستان بدستور محصور رہتا ہے۔ اس محاصرے کی صورت کو توڑنے کا ایک ہی طریق ہے اور وہ اس طریق پر ہم پہلے ہی گامزن ہی نہیں ہیں بلکہ اس کی مسافت کا بہت بڑا حصہ طے کر چکے ہیں وہ طریق کابل میں افغان مجاہدین کی حکومت کا قیام ہے۔ اسی طرح مسئلہ افغانستان کا حل ہی سرانجام نہیں پاتا بلکہ پاکستان افغانستان کی حمیت سے دفاعی گہرائی و مضبوطی کی ایسی قوت ملتی جس سے ہندوستان کی پیش قدمی بھی روکی جا سکتی اور علاقے میں توازن اور امن بھی قائم کیا جا سکتا اور مسئلہ کشمیر کے حل کی راہیں بھی ہموار کی جا سکتی ہیں۔ پاکستان اور افغانستان کے بلاک میں جس میں ایران اور ترکی فوراً داخل ہو سکتے ہیں ایک ایسی اسلامی طاقت کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے جو مسلم قومیت کی بنیاد پر پورے عالم اسلام کا احاطہ کر سکتی ہے۔ اس تناظر میں افغانستان میں موجودہ دور جنگ حیات و ممات کی اہمیت رکھتا ہے اور پاکستانیوں کو اسے عمیق نگاہ اور دور نظری سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

زیڈ اے سلیری

Marfat.com

# خارجہ پالیسی کے ممکنات

کہنے کو تو سپر پاورز کے ماوراء تیسری دنیا کی تنظیم بھی موجود ہے جو امریکہ اور روس سے آزاد مقاصد اور خارجہ پالیسی کے حامل ہونے کی علم بردار ہے اور جس نے اپنا نام ہی غیر جانبدار تحریک رکھا ہوا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خارجہ پالیسی کا مدار طاقت پر ہے اور طاقت کی اجارہ داری انہی دو ملکوں کے پاس ہے' وہ جو راہ اختیار کرتے ہیں فیصلہ کن ہوتی ہے اور دنیا کے باقی ملکوں کے پاس ایا ہجانہ ردعمل کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا۔ روس نے افغانستان پر فوجی لشکر کشی کی تو اقوام متحدہ سے لے کر غیر جانبدار تحریک اور اسلامی کانفرنس نے زور شور سے احتجاج کیا' لیکن ماسکو ٹس سے مس نہ ہوا اور تین سال کے بعد بھی بدستور اپنی جارحیت پر قائم ہے۔ اسی طرح اب امریکہ نے گرینیڈا جیسے چھوٹے جزیرے پر چڑھائی کی تو دنیا کے احتجاج کے شور کا اس پر کوئی اثر نہیں' فرق پڑا تو یہ کہ جہاں اب تک امریکہ روس کو افغانستان میں غاصب قرار دیتا تھا' اب روس کو بھی امریکہ کو مطعون کرنے کا موقع مل گیا۔ اگر ایک اپنی جارحیت کی یہ وجہ بتاتا تھا کہ اس کی جنوبی سرحدوں کو بیرونی حملے کا خطرہ تھا اس لئے افغانستان پر قبضہ کر کے اسے اپنے آپ کو محفوظ کرنا لازمی تھا تو دوسرا جمہوریت کے نام پر گرینیڈا میں داخل ہوا ہے تاکہ وہاں جمہوریت کو بحال کر سکے۔ تو جہاں تھیوری میں یہ بات معقول نظر آتی ہے کہ چھوٹے ملک بڑی طاقتوں سے الگ تھلگ رہیں وہاں عملاً چھوٹے ملکوں میں الگ تھلگ رہنے کی طاقت نہیں۔

پھر اس لئے صورت حال اور بھی تشویش ناک بن رہی ہے کہ سپر پاورز کی دیکھا دیکھی' دوسری نسبتاً چھوٹی طاقتوں کو بھی جارحیت کا حوصلہ ہو رہا ہے' خود ہمارے علاقے میں ہندوستان کچھ ایسی ڈگر پر چل نکلا

Marfat.com

ہے جس سے جنوب مشرقی ایشیا کے حالات دگرگوں ہونے کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ پاکستان سے تو ہندوستان کو ازلی بیر ہے۔ وہ اس کی پیدائش کا مخالف تھا اور اس نے اب تک مسلم قومیت کو جس کی بنا پر پاکستان معرض ظہور میں آیا تھا' ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ اس پر کئی جنگیں تھوپ چکا ہے اور اس کے علاقے کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکا ہے' وہ ہر وقت پاکستان کے معاملات میں دخل دینے کو تیار ہے' سندھ میں ذرا سی شورش ہوئی تو اس کی رگ جمہوریت پھڑکی اور اپنی مداخلت کے ارادے کا صاف اعلان بھی کر چکا ہے۔ اسی طرح وہ سری لنکا کے معاملات میں دخیل ہوا اور اگر حالات ذرا اور بگڑتے تو جزیرے پر فوج کشی سے نہ رکتا۔ بھوٹان کو تو وہ عرصے سے دبا چکا ہے اور نیپال سے مستقل چھیڑ چھاڑ کر رہا ہے۔ ہندوستان کے دماغ میں اس علاقے کی طاقت عظیم بننے کی ہوا سمائی ہوئی ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ جب تک وہ پاکستان کو زیر نگیں نہیں کرتا' اس کا خواب عظمت تشنۂ تعبیر رہے گا۔ ہندوستان کو اپنی من مانی کرنے کی اس لئے جرأت ہوتی ہے کہ جہاں سپر پاورز خود ایک نہ ایک قسم کی جارحیت کی مرتکب ہو رہی ہیں اور انہیں وہ اخلاقی مرتبہ حاصل نہیں کہ دوسرے پر اپنی طاقت کے وزن کے مطابق اصولی دباؤ بھی ڈال سکیں' وہاں دونوں ہندوستان کی علاقائی سالمیت کا ضامن بنی ہوئی ہیں جس کا مطلب ہے کہ دہلی کے زعماء کو یہ خطرہ نہیں کہ ملک کے اندر کی علیحدگی پسند تحریکیں مثلاً سکھوں کے خالصتان کے مطالبے کو باہر سے کوئی شہ ملے گی اور وہ نشوونما پا سکیں گی عالمی افراتفری کے اس پس منظر میں ہندوستان کو اپنے چھوٹے ہمسائے ملکوں کو دبانے کے لئے خاصی گنجائش ہے ہمیں اس بات کو کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ کچھ ایسے ہی حالات میں' جب کہ ملک میں ایک طرف شوروشر بپا تھا' اور دوسری طرف ماسکو دہلی کو اسلحہ کی امداد دے رہا تھا جب کہ امریکہ منقار زیر پر تھا' ہندوستان کو مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی تھی۔

سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے فرمان کے مطابق فی زمانہ بحروبر میں فساد مچا ہوا ہے اور کسی اصول اور قدر کو توقیر حاصل نہیں' ایسے زمانے میں اس ارض اسلام کو محفوظ و مامون رکھنا آسان کام نہیں۔ پاکستان کی مشکلات واضح ہیں' اسلام سے لگاؤ کی بنا پر وہ نہ مغرب کا چہیتا ہے نہ مشرق یعنی روس کا محبوب ہے۔ ایک کو تاریخی عداوت ہے تو دوسرے کو نظریاتی مغائرت اور سب سے بڑھ کر اسے ہندوستان کی دشمنی لاحق ہے کہ وہ پاکستان پر بھارت ماتا کو دونیم کرنے کا الزام لگاتا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کے قیام کا دارومدار اس کے اپنے انہی جاں نثاروں پر ہے جنہوں نے اسے بنایا تھا۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا نکتہ اولیں یہی ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بچائے رکھو۔ ہمارے لئے نظریاتی مین میخ نکالنے کی گنجائش نہیں۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان کی دشمنی کی وجہ سے ہمیں برصغیر میں عافیت حاصل نہیں' ہم تعلقات کے لئے برصغیر سے باہر دیکھنے پر مجبور ہیں اور ہمارا سب سے بڑا قلبی تعلق اسلامی دنیا اور مشرق وسطیٰ سے ہے۔ لیکن عرب دنیا کا حال اچھا نہیں' بے شک اس کے پاس کچھ عرصے

Marfat.com

سے دولت کی فراوانی ہے لیکن اسے اسرائیل کا ناسور لگا ہے۔ جب تک فلسطینیوں کا مسئلہ حل نہیں ہوتا عرب دنیا کے کسی ملک کو چین نہیں مل سکتا۔ اس مسئلے کی بنا پر عرب دنیا دو کیمپوں میں منقسم ہے' کچھ ملک امریکہ سے حل کی آس لگائے بیٹھے ہیں لیکن امریکہ اسرائیل سے وابستہ ہے وہ کوئی ایسی پالیسی پر عمل کرنے سے قاصر ہے جو اسرائیل کے مفاد کے منافی ہو۔ اس کی یہی وجہ نہیں کہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل امریکہ کا سب سے بڑا حلیف اور مہرہ ہے بلکہ اس لئے بھی کہ یہودیوں کا امریکہ میں بڑا اثر ورسوخ ہے وہ امریکی صدارتی انتخابات میں بہت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں چونکہ امریکہ اسرائیل کا سرپرست ہے اس لئے بعض عرب ممالک روس کی طرف دیکھتے ہیں اور اس سے مدد چاہتے ہیں روس ایسی مدد کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے تاکہ اسے مشرق وسطیٰ میں قدم جمانے کا موقع ملے یعنی روس کا مقصد عربوں کو مدد دینا نہیں بلکہ اپنا الو سیدھا کرنا ہے۔ تو جہاں پاکستان کو برصغیر میں ہندوستان کی استعماریت کا سامنا ہے وہاں اسے مشرق وسطیٰ سے کسی مدد کی توقع نہیں ہو سکتی کہا جا سکتا ہے کہ ان حالات میں ہم نے روس سے کیوں اچھے تعلقات قائم نہیں کئے؟ پاکستان کے شروع کے سالوں میں حکومت پر یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ ہم نے امریکہ سے اچھے تعلقات قائم کر کے غلطی کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ایک وقت امریکہ کی طرف بہت جھکے اور روس کے خلاف بغداد پیکٹ (بعدازاں سنٹو) میں شامل ہوئے۔ وہ پالیسی اس لئے خاص طور پر ناکام رہی کہ یہ پیکٹ یکطرفہ تھا یعنی ہم پر اس کی پابندی لازم ہو گئی لیکن امریکہ اس پابندی سے فارغ رہا اور جب اسے پیکٹ کی ضرورت نہ رہی وہ الگ ہو گیا۔ امریکہ نے وہ پیکٹ روس پر دباؤ ڈالنے کے لئے کیا تھا حالانکہ ہمیں روس پر دباؤ ڈالنے سے کوئی دلچسپی تھی نہ غرض۔ لیکن جب امریکہ کے روس سے تعلقات بحال ہو گئے اور سرد جنگ ختم ہو گئی واشنگٹن کے لئے یہ پیکٹ بے کار ہو گیا۔ دریں اثناء روس سے ہمارے تعلقات ناخوشگوار ہو چکے تھے' لیکن یہ بہت عرصے کی بات ہے۔ تب سے دریا میں بہت پانی گزر چکا ہے۔ 1970-71 میں پاکستان کے امریکہ سے خاصے گہرے تعلقات نہ تھے کہ روس نے ہندوستان سے گٹھ جوڑ کیا اور مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اب تو روس افغانستان پر قابض ہو چکا ہے' ان حالات میں کیا پالیسی مرتب کی جا سکتی ہے؟

بعض مکاتب فکر کا خیال ہے کہ ہمیں اب بھی روس سے تعلقات بہتر کرنے چاہئیں' تعلقات کو بہتر کرنے کی کوشش تو ہر حال میں فرض ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ملک کو بچانے کے تقاضے کس طرح پورے ہوتے ہیں' جیسا کہ میں نے عرض کیا تیسری دنیا بے اثر ہے' وہ صدائے احتجاج تو بلند کر سکتی ہے لیکن نہ کسی صورت حال کو بدلنے کی اہل ہے اور نہ کسی فیصلہ کن طاقت کی حامل ہے۔ اب اگر ہم روس کی طرف رخ کریں تو اس کا سوا اسکے اور کوئی مطلب نہ ہو گا کہ ہم نہ صرف افغانستان میں اس کے قبضے پر صاد کریں بلکہ پاکستان پر بھی اس کی بالادستی قبول کریں۔ نہ صرف اپنے خارجی تعلقات کو اس کی پالیسیوں کے زیر اثر

Marfat.com

لائیں بلکہ داخلی معاملات میں اس کی مرضی کو جگہ دیں مثلاً اسلام کا جو ہم اتنا بڑھ چڑھ کر ذکر کرتے ہیں نہ کریں' پھر معاملہ یہیں ختم نہ ہو گا' ہندوستان روس کا حلیف ہے ہمیں ہندوستان کے ساتھ بھی ہم گام ہونا پڑے گا' اس حکمت عملی سے پاکستان کا وجود بچے گا یا نہ بچے گا' اس کا تو کوئی یقین نہیں لیکن ایک بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر پاکستان روس اور ہندوستان کے زیر اثر آ گیا تو اسلامی دنیا پر گہرا اثر پڑے گا۔ ہمیں اس امر کو ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ پاکستان کے ظہور سے مشرق وسطیٰ کی قسمت پلٹ گئی اس کا رقبہ اور حیطۂ اثر وسیع ہوا اگر پاکستان نہ ہوتا تو ہندوستان کی سرحدیں ایران اور افغانستان کو چھوتیں اور خلیج اس کی آغوش میں ہوتی انگریز نے برصغیر کے پاکستانی علاقے سے مشرق وسطیٰ کو اپنی جکڑ میں لیا ہوا تھا پاکستان نے نہ صرف انگریزی جکڑ کو توڑا بلکہ اس پر قبضے سے ہندوستان کو محروم کیا' پاکستان کے وجود سے مشرق وسطیٰ میں طاقت پیدا ہوئی اور ایران اٹھا تو نہر سویز سے بھی انگریزی فوجوں کو نکلنا پڑا اور اب اگر خدا نخواستہ پاکستان روس اور ہندوستان کے تسلط کے نیچے آتا ہے تو وہی صورت حال دوبارہ پیدا ہو جائے گی جو انگریزوں کے زمانے میں تھی صرف اس بار جو طاقتیں علاقے پر مسلط ہوں گی وہ انگریزوں سے کہیں زیادہ طاقت ور ہوں گی کہ انگریز بہر حال بدیشی تھا اور یہ طاقتیں اسی علاقے سے ابھریں گی۔

صدر محمد ضیاء الحق کا سب سے بڑا کارنامہ ہی یہ ہے کہ انہوں نے ایسی خارجہ حکمت عملی اختیار کی جس کا براہ راست ملک کی بقا سے تعلق ہے! اس پالیسی کا مقصود ملک کو طاقت ور کرنا ہے۔ اسلحی لحاظ سے نیز سیاسی نقطہ نگاہ سے اس مقصود کو بروئے کار لانے کے لئے اول پاکستان نے افغانستان کے مسئلے پر اصولی مؤقف اختیار کیا ہے اور کل دنیا اس کی ہم نوا ہے۔ دوم اس نے امریکہ کی نظریاتی روس مخالفت کا فائدہ اٹھایا اور ہندوستان کے شور و غوغا کے باوجود اسلحی امداد حاصل کی ہے۔ سوم اس نے روس سے اختلافات کو ایک حد سے تجاوز نہیں ہونے دیا اور مذاکرات کی راہ کھولی۔ چہارم پاکستان نے اسلامی دنیا اور غیر جانبدار ملکوں سے تعلقات کو مضبوط کر کے اپنے لئے عالمی سیاست میں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ میرے خیال میں اس سے پہلے پاکستان کبھی اس قدر طاقت ور پوزیشن میں نہ تھا' بین الاقوامی سیاست میں کبھی حرف آخر نہیں کہا جا سکتا' لیکن اس وقت موجودہ پالیسی کا کوئی متبادل نظر نہیں آتا۔ پاکستان نہ صرف اپنے آپ کو اخلاقی اور اسلحی واقتصادی طور پر مضبوط کئے ہوئے ہے بلکہ وہ اسلامی دنیا کے لئے طاقت کا باعث ہے' لیکن اس طاقت اور پوزیشن کا دارومدار اندرونی حالات پر ہے۔ قومی اتحاد و یکجہتی سے ہی یہ طاقت اور پوزیشن قائم رہ سکتی ہے۔ محبان وطن کو چاہئے کہ وہ اس نکتے پر غور کریں کہ اگر خدانخواستہ ملک میں افراتفری کی فضا پیدا ہو تو ارد گرد کے خطرات میں ملک پر کیا کچھ بیت سکتی ہے۔ اسی لئے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ان نعمتوں کا ذکر کرے جو اسے میسر ہیں۔

Marfat.com

# مسئلہ سلامتی کا ہے

اسلام کی اقداری وتہذیبی افضلیت میں کلام نہیں لیکن مسئلہ مسلمانوں کے بچاؤ کا ہے' اب دور حاضر میں غیر محفوظ ترین علاقہ مسلمانوں کا ہے۔ جہاں ایک طرف مغرب' روس' چین اور ہندوستان کے بلاک کھڑے ہیں وہاں دوسری طرف مشرق وسطیٰ کی کٹی پھٹی مسلم دنیا ہے جس کے عوام ایک دوسرے سے مربوط نہیں اور جس کے جسد سیاست میں اسرائیل کا ناسور بہہ رہا ہے۔ منظم بلاکوں کے اندر ایسے انتشار آفریں علاقے کی موجودگی خطرے سے خالی نہیں کہ ان بلاکوں میں اس علاقے کی کیفیت سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ ایک طرح پہلے ہی امریکہ اور روس نے مسلم دنیا کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اسرائیل کے توسط سے امریکہ مشرق وسطیٰ کے ممالک کے معاملات میں دخیل ہے اور ان پر گہرے طور پر اثرانداز ہو رہا ہے۔ ذرا لبنان کی صورتحال دیکھئے' پہلے اسرائیل سے ملک پر حملہ کروایا کہ وہاں سے فلسطینی مجاہدوں کو نکلوایا جائے پھر اسرائیل کی فوجوں کو لبنان سے نکالنے کے بہانے دونوں ملکوں میں سمجھوتہ کروایا جس سے عرب مؤقف متاثر ہوا۔ دوسری طرف بظاہر روس شام اور لیبیا کے حلیف کا کردار ادا کر رہا ہے۔ ان کی وہ سطحی مدد کر رہا ہے لیکن اس کا اصل مقصد امریکہ کی تدبیروں کی کاٹ کرنا ہے۔ ادھر شام نے جہاں اسرائیل اور لبنان کے سمجھوتے کی مخالفت کی وہاں یاسر عرفات کے خلاف بھی محاذ بنایا کہ وہ شاہ حسین سے مل کر صدر ریگن کے اردن اور دریائے اردن کے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے علاقوں کے وفاق کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کو آمادہ ہے۔ شام کو اس منصوبے پر اصل اعتراض یہ ہے کہ اس میں کہیں جولان کی پہاڑیوں کا ذکر نہیں جو 67ء کی لڑائی میں اسرائیل نے شام سے ہتھیائی تھیں۔ بہرحال عربوں

Marfat.com

کے اندرونی خلفشار اور اسرائیل کی جارحیت سے یہ صورتحال پیدا ہوئی ہے کہ مشرق وسطیٰ تار تار ہے۔ اسرائیل امریکہ کا حلیف ہے اور وہ اسرائیل کو مسلم دنیا میں اپنے عزائم پورے کرنے کے لئے پوری طرح استعمال کر رہا ہے۔

دوسری طرف ایران عراق کی جنگ جاری ہے۔ اب تک اس جنگ میں جس قدر سامان حرب' دولت اور مسلمانوں کا خون بہا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جہاں اس جنگ نے مسلمانوں کے محاذ کو تتر بتر کیا ہے وہاں اس نے اسرائیل کو مضبوط کیا ہے۔ کہاں ایک وقت مغرب میں کہا جاتا تھا کہ چونکہ اسرائیل دشمن ملکوں میں گھرا ہوا ہے اسے تحفظ کی ضرورت ہے کہاں آج یہ عالم ہے کہ اسرائیل کی فوجی قوت کے خلاف عرب ملکوں کو تحفظ کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور کسی ایک عرب ملک میں اکیلے یا اکٹھے ان میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ اسرائیل کا مقابلہ کر سکیں' اسی لئے وہ روس کی طرف مدد کے لئے دیکھتے ہیں۔ عربوں کی کسمپرسی کی یہ حالت ہے کہ جہاں ایک المیہ یہ ہے کہ یاسر عرفات کے طرفدار اور شام کے زیر اثر فلسطینی مجاہد ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں وہاں اس سے بھی بڑا دوسرا المیہ یہ ہے کہ طرابلس میں محصور' یاسر عرفات ماسکو سے کمک کا طالب ہے۔ خدا جانے کہ ایران عراق جنگ کب ختم ہوتی ہے' خدا جانے یاسر عرفات اور شام میں کب صلح صفائی ہوتی ہے لیکن یہی تشتت وافتراق پورے مشرق وسطیٰ میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے جلو میں امریکہ اور روس وہاں اپنے قدم جما رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے نام پر مغربیوں نے تو اپنے بیڑے بھی لنگر انداز کئے ہوئے ہیں۔ روس کو موقع ملا تو وہ بھی بیڑوں سمیت بحیرہ قلزم میں آ گھسے گا۔

اب اس پس منظر میں پاکستان کی پوزیشن کو دیکھئے۔ ایک طرف روس افغانستان پر قابض ہے۔ جس کا پاکستان پر سخت بوجھ پڑ رہا ہے' نہ صرف اس پر دفاع کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے اور 30 لاکھ مہاجرین کا اقتصادی بار پڑ گیا ہے بلکہ اس صورتحال سے ہندوستان کو پاکستان کے خلاف بڑی شہ ملی ہے۔ اور اسی وجہ سے پچھلے چند مہینوں میں ہندوستان نے پاکستان کے خلاف بڑا جارحانہ انداز عمل اختیار کیا ہے۔ سندھ کے بعض علاقوں میں گڑبڑ تو محض بہانہ تھی۔ دراصل ہندوستان نے عملاً پاکستان کو زچ کرنے کا وطیرہ اختیار کیا ہوا ہے اور انکار اور تردید کے باوجود بار بار ایسی باتیں کہتا ہے جس سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو۔ بیشک پاکستان کو امریکی اسلحہ خریدنے کی سہولت حاصل ہے' لیکن یاد رکھئے کہ امریکی دوستی پائیدار شے نہیں۔ امریکہ اپنی غرض کا بندہ ہے' اسے اس وقت خطرہ ہے کہ کہیں روس افغانستان پھلانگ کر پاکستان کے راستے بحیرہ عرب کے گرم پانی تک نہ پہنچ جائے' لیکن اگر ان حالات میں کوئی تبدیلی واقع ہو جائے اور اسے پاکستان کی ضرورت نہ رہے جیسے کہ کچھ سالوں کے بعد سنٹو میں اسے پاکستان کی

Marfat.com

ضرورت نہ رہی تھی تو اسے اپنی حکمتِ عملی بدلنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوگی۔ خصوصاً جب اس عمل سے اسے ہندوستان کی خوشنودی حاصل ہو۔ امریکہ کو پاکستان سے وہ نظریاتی و قلبی لگاؤ نہیں جو اسے ہندوستان سے ہے۔

مسلمانانِ عالم کا مسئلہ یہ ہے کہ جہاں وہ ایک بلاک میں منظم نہیں وہ کسی ایک سپرپاور کے حلیف بننے سے قاصر ہیں۔ مغرب سے ان کی تاریخی دشمنی ہے اور وہ ابھی تک صلیبی جنگوں کو نہیں بھولا' پھر جس طرح وہ اسرائیل کو عرب ملکوں کے خلاف طاقتور بنا رہا ہے اس کے نتائج اچھے نہیں نکل سکتے۔ دوسری طرف خواہ روس امریکہ کے خلاف کچھ عرب ملکوں کو کتنی ہی مدد دے یا وہ ملک اس سے مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہوں' لیکن روس کی اسلام دشمنی ناقابل تغیر ہے اور اس کا بین ثبوت روس کا افغانستان پر قبضہ ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلم دنیا کو اپنی اساس کو استوار کرنا ہوگا۔ مسلم دنیا کی مشکل یہ ہے کہ اس کا اپنا منفرد تشخص ہے۔ نہ صرف وہ اپنے تشخص کا احساس رکھتی ہے بلکہ کل دنیا اس کے تشخص کو پہچانتی ہے اور اس کی اقداری و تاریخی خصوصیات پر اس کے متعلق اپنا طرزِ عمل اختیار کرتی ہے۔ مسلم دنیا کا کوئی ملک مغرب یا روس سے مل تو نہیں سکتا' باوجود ہزار کوشش ترکی یورپی تہذیب میں سمویا نہ جاسکا ہاں اس میں بزور مدغم کیا جاسکتا ہے۔ وسط ایشیا کے ترک ممالک شمشیر کے ذریعے روس کے قبضے میں لئے گئے گو اب تک ان کی شخصیت نہ مٹائی جاسکی۔ اگر مسلم دنیا کی یہ صورت حال جاری رہتی ہے تو پھر اس کا مغرب یا روس کے زیر اثر آنا ناگزیر ہوگا۔ بصورت دیگر وہ ان طاقتوں میں نظریاتی جنگ کا اکھاڑہ بن جائے گی۔ بہر حال وہ اپنے تشخص اور مطمع نگاہ کے تقاضوں کے مطابق اپنا مخصوص کردار ادا کرسکے گی۔

اسلام کی تعلیم ابدی ہے وہ اقصائے عالم میں پھیل کر رہے گی لیکن اس وقت مسلمان ملکوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ وہ گرداب میں گھرے ہوئے ہیں اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ اس کی اولین وجہ ان کا اپنا نفاق ہے۔ کمزور حالت سے تبلیغ اسلام بھی خاطر خواہ اثر نہیں کرتی۔ اس کے خلاف اگر ان میں اتحاد و قوت ہو تو اسلام کی حقیقت مؤثر طور پر از خود مظہر و گویا ہوگی۔ کانفرنسیں ضروری ہیں کہ ان سے اکٹھ کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن جو اصل کام کرنے والا ہے وہ غیر نظری ہے کہ خاموشی سے مشرق وسطی کے ملکوں میں اقتصادی و دفاعی رشتے استوار کئے جائیں۔ یورپین کمیونٹی کا ادارہ تقریروں اور نظریاتی موشگافیوں سے نہیں بنا تھا بلکہ اس کی بنیاد میکانکی تعلقات پر ڈالی گئی تھی۔ جب اس کی اقتصادی دیواریں اٹھا دی گئیں تو یورپین پارلیمینٹ بھی معرض وجود میں آ گئی۔ اس کے خلاف ہمارے ہاں روح افزا اجتماعات تو بہت ہوئے ہیں' لیکن ہم نے مسلمان ملکوں کو ایک اقتصادی و دفاعی نظام میں منضبط کرنے کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی۔

Marfat.com

سلامتی واتحاد ہماری بنیادی ضرورت ہے اور وہ اکٹھے ہوئے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا، ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے تو کسی ایک یا دوسری طاقت سے مل کر عارضی کام نکل جائے لیکن اس سے اسلام کی شایان شان قوت کا بروئے کار آنا ممکن نہیں۔ وہ منظر تو مسلمانوں کے اتحاد سے ہی پیدا ہو سکتا ہے بلاکوں کا توڑ بلاک سے ہی ہو سکتا ہے۔

58887

Marfat.com

# ضیاءالحق کا چھکّا

"پاکستان جس وقت چاہے بم بنا سکتا ہے" بظاہر یہ صدر ضیاءالحق کا بہت شاق انگیز بیان تھا اور اس کا شمار سیاسی کرکٹ کے ان غیر مختتم مقابلوں کے چھکوں میں ہو سکتا ہے (ایک چھکّے کا ذکر تو انہوں نے خود اپنی بھارت یاترا کے بعد کیا تھا) جو وہ گاہ بگاہ لگاتے رہتے ہیں۔ "ٹائم" میگزین کے نمائندے بھی جو دہلی سے اسلام آباد صدر محترم کا انٹرویو لینے آئے تھے، اس بے دھڑک بیان کو سن کر دم بخود رہ گئے ہوں گے۔ وہ غالباً یہ توقع لے کر آئے تھے کہ جو تاثر "پاکستان کے بم" کے متعلق کلدیپ نیر نے "انڈیا" نے دنیا میں پھیلایا ہے اس کی تصحیح اور تنقیص ہوگی لیکن یہاں تو معاملہ الٹا نکلا۔ حقیقت یہ ہے کہ صدر صاحب نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ انہوں نے پاکستان کی نیوکلیئر صلاحیت اور پروگرام کے بارے میں کبھی انکار نہیں کیا بلکہ وہ یہ بات بصد اصرار دہراتے رہے ہیں کہ پاکستان کبھی نیوکلیئر پروگرام کو ترک نہیں کرے گا اور اپنی نیوکلیئر صلاحیت بڑھانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا چھوڑے گا لیکن ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ اس کوشش کا مقصد امن پسندانہ ہے۔ ہمیں بم بنانے میں کوئی دلچسپی نہیں اور ہم "بم" بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

اب صدر کے "ٹائم" کو بیان کے دو لطیف نکات ہیں ایک تو پاکستان کی نیوکلیئر صلاحیت کو شک و شبہے کی آلائش سے پاک صاف کرنا، جب تک یہ کہا جاتا رہا کہ پاکستان نیوکلیئر صلاحیت رکھتا ہے معاملہ گومگو رہتا تھا اور سوال اٹھتے تھے کہ صلاحیت رکھتا ہے تو کتنی؟ سب دارومدار صلاحیت کی ڈگری پر ہے لیکن "جب چاہے بم بنا سکتا ہے" کہنے سے بات کھل گئی اور واقعیت اظہر من الشمس ہو گئی کہ

Marfat.com

پاکستان بدرجہ اتم نیوکلیئر صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس کمال صلاحیت کے باوجود پاکستان اپنے امن پسندانہ رویے پر قائم ہے۔ اس نے "بم" نہیں بنایا اور بلی تھیلے کے اندر ہی ہے جسے باہر نکالنے کا کوئی منصوبہ نہیں۔ اس اقرار و وضاحت سے کلدیپ نیّر کے "انٹرویو" کے جھوٹ کا بھانڈا بھی پھوٹ گیا اور اصلیّت بھی سامنے آ گئی دراصل جس طرح کلدیپ نیّر کے کذب کی عالمی تشہیر کی گئی اور بطور خاص اسے امریکی کانگرس کے حلقوں میں نفوذ دیا گیا' اس کا تدارک اسی طرح ہو سکتا تھا کہ صدر کی سطح پر اصل ماجرہ بیان کر دیا جاتا۔ اس صاف گوئی کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اگر اسلام آباد میں سفیر کیبرڈین ہنٹن کی تبدیلی قلب ہوئی اور انہوں نے کہا کہ اب امداد پر ذہنی تحفظات سے آزاد ہو کر بحث ہو سکے گی تو واشنگٹن میں پاکستان کی نیوکلیئر صلاحیت کے مخالف سنیٹر گلن کا زاویہ نگاہ بھی بدلا۔ بہر طور پاکستان اور امریکہ میں غیر یقینی کی فضا کی تطہیر ہوئی اور اب زیر بحث امداد کا سوال خالصتاً میرٹ پر طے ہو گا۔ اصل بات یہ ہے کہ جتنی قومی مفاد میں ہمیں امریکی امداد لینے کی ضرورت ہے اتنی ہی امریکی مفاد میں واشنگٹن کو ہمیں امداد دینے کی ضرورت ہے۔ ہماری نیوکلیئر صلاحیت کا مسئلہ بالکل الگ ہے اور اس کا مقصد محض اور مجرد افزائش انرجی نہیں' اس کا تعلق ملک و قوم کی آزادی' بقا اور سالمیت سے ہے اور اس کے ہمارے مستقبل پر دور رس مؤثرات ہیں۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی چار عوامل سے متاثر ہے۔ اوّل اسلامی برادری سے تعلقات' دوم سپر پاورز سے تعلقات' سوم غیر جانبدار ملکوں سے اشتراک عمل اور چوتھے ہندوستان سے رشتے کی نوعیت۔ خارجہ پالیسی کا چوتھا پہلو نازک ترین اہمیت کا حامل ہے اور اسی پر دوسرے تعلقات کا انحصار ہے۔ حق یہ ہے کہ ہمیں ہندوستان کے غیر مصالحانہ رویئے کا سامنا ہے۔ اس سے پاکستان کی تین بار عسکری مڈھ بھیڑ ہو چکی ہے۔ اس نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے اسے ملک سے الگ کیا اور ہمارے ملکی و قومی اساس کی یہ کہہ کر (اندرا گاندھی) بیخ کنی کی کوشش کی کہ پاکستان کی شکست و ریخت سے وہ دو قومی نظریہ باطل ٹھہرا جس کی بنا پر برّصغیر کا بٹوارہ ہوا تھا۔ بالالفاظ دیگر ہندوستان پاکستان کے وجود سے ہی انکاری ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہندوستان پاکستان کی حقیقت ثابتہ کو ہی بے بنیاد گردانتا ہے تو وہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد بقیہ ملک کے صوبوں کا تیا پانچہ کرنے کا پلان بھی بنائے گا چنانچہ مغربی پاکستان کے علاقوں میں علیحدگی پسندی کی تحریکیں خالی از علت نہیں۔ غفار خان' ولی خان' جی ایم سید اور بزنجو کے ہندوستان سے گہرے مراسم ہیں' ساتھ ہی ہندوستانی زعماء نے اپنے ملک کیلئے طاقت عظیم کا درجہ حاصل کرنے کیلئے شدّومد سے تحریک چلائی جس کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ برّصغیر میں اردگرد چھوٹے ملکوں کو اپنا تابع اور باجگزار بنایا جائے جیسا کہ ہر بڑی طاقت کے قرب و نواح میں نسبتاً کم طاقتور ملکوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے دوسرے ملکوں سے تعلقات قائم نہیں کر سکتے۔ ریاست ہائے متحدہ نے منرو

Marfat.com

ڈاکٹرین کا نفاذ کیا تھا جس کی رو سے یورپ کی کوئی طاقت شمالی اور جنوبی کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ اس قسم کی پابندی کے تحت مشرقی یورپ کے ممالک روس کے زیر اثر زندگی گزار رہے ہیں۔ اب اگر ہندوستان کو برصغیر میں طاقت عظیم تسلیم کر لیا جائے تو اسلام آباد پر دہلی کی حکمت عملی کی پیروی کی قید لگ جائے گی اور وہ انہی ملکوں سے تعلقات قائم کر سکے گا جسے دہلی چاہے۔ پاکستان کیلئے اسلامی برادری میں شرکت ہندوستان کی اجازت سے مشروط ہو گی۔گویا کہ ہم الگ قومی تشخص رکھنے کے باوجود اپنا حق خود اختیاری کھو بیٹھیں گے لیکن کوئی ملک طاقت عظیم کا درجہ محض اپنے دعوے کے زور پر نہیں منوا سکتا۔ اس کیلئے دوسری بڑی طاقتوں کی رضامندی اور اشیرباد کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً روس نے مشرقی یورپ میں امریکہ سے اپنا اعلیٰ درجہ منوایا کہ اس نے جنگ عظیم میں ان ملکوں کو بزور شمشیر فتح کیا تھا۔ اب وہاں کچھ بھی ہو امریکہ روسی حلقہ اثر میں مداخلت کا مجاز نہیں۔ ہنگری، چیکوسلواکیہ، پولینڈ میں بڑے پیمانے پر خون خرابہ ہوا اور روسی ٹینکوں نے ہزاروں کی تعداد میں مخالفین حکومت کو کچل ڈالا لیکن نزدیک ہی جرمنی میں پڑاؤ ڈالی ہوئی امریکی افواج ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ اس تلخ صورتحال کو دو سپر پاورز کے درمیان بقائے باہمی کے اصول کا نام دیا جاتا ہے۔

ہندوستان کی بھی سوچی سمجھی پالیسی یہ ہے کہ اگر پاکستان کو نیست و نابود نہیں کیا جا سکتا تو اسے کم از کم اپنا تابع، باجگزار اور سیٹلائٹ ریاست تو بنایا جا سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کا عمل اس جہت میں پہلا اقدام تھا کہ پاکستان کا سائز چھوٹا اور وزن کم ہو۔ بالادستی کے مقصد کا حصول ہندوستان کو اس لئے ہی اہم نہیں کہ پھر وہ پاکستان سے بلا مداخلت غیرے نمٹ سکے بلکہ اس لئے بھی کہ پاکستان کی آزادروی کی مثال سے برصغیر کے دوسرے چھوٹے ملکوں کو بھی ہندوستان کے خلاف سر اٹھانے کی شہ ملتی ہے لیکن طاقت عظیم کا درجہ پایا کیسے جائے؟ بے شک ہندوستان کو پاکستان پر اقتصادی، ٹیکنیکی اور فوجی فوقیت حاصل ہے لیکن اسے اپنا مقصود بروئے کار لانے کیلئے ضروری ہے کہ روس، امریکہ اور چین بھی اسے برصغیر میں "شہنشاہ عالم پناہ" کے روپ میں پہچانیں اور اس لقب سے پکاریں۔ اپنے آپ بڑا بننا تو آسان ہے لیکن دوسروں سے خراج وصول کرنا ٹیڑھی کھیر ہے۔ جہاں تک روس کا تعلق ہے اس نے ہندوستان سے بڑی دوستی نبھائی، سستا اور وافر اسلحہ بہم پہنچایا، مشرقی پاکستان کو الگ کرنے میں مدد کی، بین الاقوامی حلقوں میں اس کی واہ واہ کی اور ایک بار یو ٹو (U - 2) کی پروازوں کے زمانے میں پاکستان سے غصے میں آ کر خروشیف نے ہندوستان کو طاقت عظیم بھی کہا لیکن خواب اور حقیقت میں پاکستان کی بڈی اڑی رہی۔ کٹے پھٹے پاکستان کی بھی کمر نہ جھکی بلکہ اس نے افغان مجاہدین کی پشت و پناہ بن کر ثابت کر دکھایا کہ ہندوستان تو کیا وہ روس کے سامنے بھی کھڑے ہونے کی سکت رکھتا ہے۔ جو مؤقف پاکستان نے افغانستان کے معاملے میں اختیار کیا اس کی نظیر نہیں۔ مغرب میں انسانی حقوق کے علمبرداروں کے کس ملک نے

Marfat.com

مہاجرین کا عشر عشیر بھی اپنے ہاں بسایا جن کی پاکستان نے اسلامی اخوت کی بنا پر مہمانداری کی۔

چین ہندوستان سے کہیں زیادہ عظیم طاقت ہے وہ بھلا برصغیر میں اسے دوسرے ملکوں پر کیوں ترجیح دینے لگا پھر اس کا ہندوستان سے علاقائی تنازعہ ہی نہیں وہ بڑی طاقتوں کی اجارہ داری کا اصولاً مخالف ہے۔ وہ چھوٹے بڑے ملکوں سب میں برابری کا مبلغ ہے البتہ روس اور چین کے درمیان امریکہ نے اپنی عالمی جغرافیائی سیاسی مقاصد کے تعاقب میں دوغلے پن کی حکمت عملی اپنائی ہوئی ہے۔ شروع میں وہ ایک طرف چین کی مخالفت میں ہندوستان کی پیٹھ ٹھونکتا تھا۔ جب نیفا میں چین اور ہندوستان میں لڑائی ہوئی (جس میں ہندوستان بری طرح پٹا) تو جہاں امریکہ نے غیر جانبدار ہندوستان کو فوری اور پوری اسلحی مدد دی وہاں غیر جانبدار ہندوستان نے " امپیریلسٹ " امریکہ سے زیادہ سے زیادہ مدد لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ اس چینی ہندوستانی چپقلش کے موقع پر واشنگٹن نے اسلام آباد میں اپنے اثر و رسوخ کا ناجائز طور پر استعمال کیا اور پاکستان کو نہرو کے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے وعدے کے عوض وادیٔ کشمیر میں عین اس لمحے پاکستان کو فوجی حرکت کرنے سے باز رکھا، جب ہندوستان وہاں سے اپنی تمام افواج بھیجنے پر مجبور تھا اور میدان خالی تھا۔ اس طرح پاکستان کو مسئلہ کشمیر چکانے کا واحد موقع ضائع ہو گیا۔ میں ان دنوں (1962ء) میں پاکستان ٹائمز کا چیف ایڈیٹر تھا اور مجھ سے اس نازک صورتحال پر تبصرہ کیے بن نہ رہا گیا اور میں نے شیکسپیئر کی مشہور لائنوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہ کبھی ناگاہ قوموں کی زندگی کے معاملات میں ایک لہر اٹھتی ہے، جس پر سوار ہو کر بیڑا پار ہو جاتا ہے' ایک اداریہ لکھا جس میں لکھا کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کا آج وقت ہے' اسے نہ گنوایا جائے۔ اس اداریے پر صدر ایوب بہت ناراض ہوئے۔ وہ اپنی سادہ لوحی میں نہرو کے اخلاص سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی لاہور ائرپورٹ کی پریس کانفرنس میں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ہندوستانی وزیر اعظم نے امریکی دلال کے ذریعے بھیجے ہوئے وعدے کے کاغذ پر تاریخ کے ساتھ وقت کا بھی اندراج کر دیا۔ اس کے بعد میرا اخبار میں رہنا مشکل ہو گیا اور میں نے استعفیٰ دیدیا۔

62ء میں کشمیر میں مداخلت کرنے کے سنہری موقع کو کھو کے 65ء میں ہم نے کشمیریوں کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کا فیصلہ کیا دراصل یہ صدر ایوب کا فیصلہ نہ تھا' اس تحریک میں پیش قدمی وزیر خارجہ بھٹو اور میجر جنرل اختر حسین کی تھی۔ بھٹو سیاسی و سفارتی محاذ کے انچارج تھے تو اختر حسین ان مجاہدین کی ٹریننگ کے ذمہ دار تھے جنہوں نے وادی میں داخل ہو کر انقلاب حریّت بپا کرنا تھا۔ یہاں یہ امر واضح کرنا ضروری ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ جنگ ڈپلومیسی کی ہی شکل جاریہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی جنگ ڈپلومیسی کی مدد کے بغیر نہیں جیتی جا سکتی۔ اب ہمارے ہاں حالت یہ رہی کہ جہاں 62ء میں جب ہندوستان نیفا میں چین کے ساتھ مصروف پیکار تھا اور وادی کشمیر کا دروازہ کھلا تھا ہم نے اس صورتحال سے کوئی فائدہ نہیں

Marfat.com

اٹھایا،لیکن جب 65ء میں ہندوستان کو کوئی خارجی مسئلہ درپیش نہ تھااور ہندوستانی فوج پوری طرح وادی کشمیر پر قابض تھی ہم نے فوجی مداخلت کا ہی اقدام نہ اٹھایا بلکہ ڈپلومیٹک فیلڈ میں اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا رکھا کہ اگر ہم وادیٔ کشمیر کا رخ کریں گے تو ایک متنازعہ میدان میں ہی جوہر جوانمردی دکھائیں گے اور ہندوستان کو پاکستان پر حملہ کرنے کا کوئی قانونی جواز نہ ہو گا۔ وزارت خارجہ کو اپنے معاملات کی تشخیص پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس کی طرف سے اس مضمون کا ایک نوٹ بھی صدر ایوب کی خدمت میں بھیجا گیا۔ مستزاد اس میں درج تھا کہ امریکہ کی طرف سے پاکستان کو یقین دلایا گیا ہے کہ ہندوستان بین الاقوامی سرحدوں کو پار نہیں کرے گا یعنی ہم تو وادی کشمیر میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن ہندوستان پاکستان میں داخل نہ ہو گا جس مہم کے منصوبے ایسے خام مفروضات پر بنائے گئے ہوں ان کا نتیجہ معلوم! بالآخر صدر ایوب اس فوجی کھلنڈرے پن پر بہت پشیمان ہوئے اور اسی لئے انہوں نے جنگ کو بند کرنے کی پوری سعی کی لیکن سوال یہ ہے کہ وہ اس مہم پر راضی ہی کیوں ہوئے؟ دراصل صدر ایوب کو بلا شرکت غیرے حکومت کرتے ہوئے سات سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا اور ان کے اردگرد خوشامدی انہیں اس بات کی ترغیب دے رہے تھے کہ جب تک کشمیر فتح نہیں ہوتا عوام میں صدر کی پوزیشن ناقابل تسخیر نہ بنے گی۔ جنرل اختر حسین کی اپنی چال تھی، مسٹر بھٹو کے سیاسی عزائم تھے، کہاں ایک وقت تھا کہ وہ اپنے آپ کو صدر ایوب کا "بیٹا" کہلانے پر فخر محسوس کرتے تھے اور کہاں وہ اب اپنے "باپ" کے تخت و تاج کو ہتھیانا چاہتے تھے۔ "بیٹا" "باپ" کو اسی طرح بے دست و پا کر سکتا تھا کہ جہاں اسے ایک طرف سفارتی میدان میں دھوکے میں رکھے جیسا کہ وزارت خارجہ کے امریکہ کی یقین دہانی کے نوٹ کے ذریعے کیا گیا وہاں دوسری طرف اسے میدان جنگ میں شکست دلوائی جائے۔

65ء کی جنگ سے پاکستان کو سخت نقصان پہنچا۔ نہ صرف دنیا پر یہ منکشف ہوا کہ مشرقی پاکستان دفاعی طور پر "ننگا" ہے اور علیحدگی پسندوں کو یقین ہو گیا کہ ان کے صوبے کا مغربی پاکستان سے دفاع کا نظریہ جس پر اب تک عمل ہوا تھا قطعی غلط ہے اور کہا جاتا ہے کہ مجیب الرحمٰن نے جبھی گورنر منعم خان کو مشرقی پاکستان کی یوڈی آئی (یعنی یکطرفہ آزادی کے اعلان) کا مشورہ دیا تھا۔ اس جنگ کے اختتام پر صدر ایوب کی اتھارٹی بہت کمزور ہو گئی اور انہیں روس کی سرپرستی میں معاہدہ تاشقند کی شرائط ماننا پڑیں۔ ادھر ہمارا جنگی پراپیگنڈہ کچھ اس نہج پر چلایا گیا تھا کہ لوگوں کی نظروں میں پاکستان صریح طور پر فاتح نظر آتا تھا۔ اب یہ کہا جانے لگا کہ میدان جنگ میں جیتی ہوئی لڑائی تاشقند مذاکرات کی میز پر ہار دی گئی اور یہی نفسیاتی موقع بھٹو نے ایوبی حکومت سے خلاصی پانے اور سیاسی چیلنج دینے کیلئے استعمال کیا اور تاشقند کے رازوں کو بے نقاب کرنے کا ذکر شروع ہو گیا۔ بھٹو کے نقطہ نگاہ سے آزاد کشمیر کی جنگ کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ حکومت کی کشتی ڈانواں ڈول ہو چکی تھی اور مشرقی پاکستان بغاوت پر مائل تھا اگر بھٹو واقعی جمہوریت

Marfat.com

کا دلدادہ ہوتا تو وہ گول میز کانفرنس کے مذاکرات میں ضرور حصہ لیتا اور فوراً 56ء کے دستور کے تحت جس کا ایوب احیاء کرنے کو تیار تھا' انتخابات کی راہ اختیار کر لیتا لیکن بھٹو نے گول میز کانفرنس کا بائیکاٹ کر کے ایوب کے انتقال اقتدار کی سکیم کو ناکام بنا دیا۔ اس سکیم کو ناکام بنانے میں مجیب اور دولتانہ نے بھی کچھ کم مؤثر رول ادا نہ کیا جو ایک وقت گول میز کانفرنس میں حصہ لینے کیلئے ڈھاکہ جیل سے پیرول پر آنے کو تیار تھا دولتانہ کی انگیخت پر اپنی شرکت کی قیمت بڑھاتا رہا تا آنکہ وہ مطلقاً آزاد ہو گیا اور اگر بھٹو نے مذاکرات کو باہر سے سبوتاژ کیا تو مجیب نے اسے چھ نکاتی مطالبات کے ذریعے اندر سے کھوکھلا کیا۔

بھٹو اور مجیب کے تو محرکات ظاہر تھے۔ ایک ایوب کو غیر فعّال کر کے ایک کمزور کردار جنرل (یحییٰ) کے ذریعے کلی طاقت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تو دوسرا اپنی مملکت کی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانا چاہتا تھا لیکن میاں ممتاز دولتانہ کو کیا پڑی تھی کہ مجیب کے بھٹے میں اپنی ٹانگ اڑائیں۔ وہ مستقبل کے انتخابات میں مجیب سے انتخابی گٹھ جوڑ کا سوچ رہے تھے اور بزعم خویش اسے اپنے دام میں لا کر از سر نو اقتدار میں آنا چاہتے تھے اور انہیں معروضی حالات کے انقلابی رجحان کا کوئی درک نہ تھا ورنہ اگر وہ ایک مثبت رول ادا کرنا چاہتے تو مجیب سے اپنے لگاؤ کو مثبت خطوط پر چلانے کیلئے بھی استعمال کر سکتے۔ اس خلاف عادت سے مجبور انہوں نے منفی سیاست کھیلی اور طاقت کے حصول کے خواب میں مجیب کو اپنے مؤقف کو سنگین تر بنانے کیلئے بھڑکایا۔ ہماری تاریخ کے اس المناک باب کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں مجیب نے متحدہ پاکستان کی سالمیّت کے کھنڈر پر بنگلہ دیش کی نیو رکھی اور بھٹو نے بقیہ پاکستان میں اپنی مطلق العنانی کا جھنڈا گاڑا' وہاں ملک کے مستقبل سے مایوس دولتانہ صاحب لندن میں سفارتی فرصت کے دن گزارنے لگے۔ قومی سیاست میں جو کچھ بحران ہوا ان کی بلا سے' وہ کچھ نہ کچھ ضرور لے مرے۔

65ء کی جنگ کے بعد امریکہ نے پاکستان کی اسلحی امداد سے ہاتھ اٹھا لیا پاکستان کے چین سے قریبی تعلقات نے امریکہ سے تعطّل خاطر اور بڑھایا اور وہی پاکستان جسے ایشیا میں امریکہ کا سب سے بڑا اتحادی بتایا جاتا تھا اب کسی توجہ کے لائق نہ رہا۔ اب تمام تر توجہ ہندوستان پر مرکوز ہو گئی۔ کہنے کو تو دونوں ملکوں کو ہتھیاروں کی فراہمی سے محروم کیا گیا لیکن یہ امر سب پر عیاں تھا کہ ہندوستان کا انحصار امریکی اسلحہ پر نہ تھا۔ اس کا تمام اسلحہ روس سے آتا تھا جو بدستور جاری تھا۔ اس طرح امریکہ نے پاکستان اور ہندوستان میں اسلحی توازن بگاڑنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ مشرقی پاکستان کے حالات کی دگرگونی کے ساتھ جب روس نے ہندوستان سے معاہدہ دوستی کیا جس کا صاف مطلب تھا کہ پاکستان اور ہندوستان میں کسی نزاع کی صورت میں روس کی سیاسی و اسلحی مدد کا پورا وزن دہلی کے پلڑے میں پڑے گا' تب بھی امریکہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس دور میں اگر مغرب اور امریکہ نے کوئی کام کیا تو یہ کہ ان کے پراپیگنڈے کی پوری مشینری پاکستان کے خلاف حرکت میں آئی اور اس نے دنیا میں ملک کا منہ کالا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی پھر جب ہندوستان نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا تو پاکستان کی مدد کیلئے اپنی چھنگلیا تک نہ اٹھائی۔ ساتویں بیڑے کے ہلنے کی خبریں آتی رہیں اس سے بھی آگے جب بنگلہ دیش کی تشکیل ہو گئی تو اسے مضبوط

Marfat.com

بنیادوں پر کھڑا کرنے کیلئے ہندوستان کے ساتھ مل کر امریکہ نے حکومت پاکستان پر زور ڈالا کہ وہ مجیب الرحمٰن کو نئے ملک کی حکومت کی داغ بیل ڈالنے اور قیادت سنبھالنے کیلئے رہا کر دے۔ کم از کم بھٹو صاحب نے مجیب کی فوری رہائی کی یہی توجیہ دی گو ان سے پوچھا جا سکتا تھا ــــــ جیسا کہ میں نے متعدد بار اپنے کالموں میں سوال کیا کہ اس رہائی کے بدلے انہوں نے اپنے ملک کیلئے کیا رعایت حاصل کی۔ کیا وہ اپنی بنگلہ دیش میں گھری ہوئی فوجوں کے انخلاء کا مطالبہ نہ کر سکتے تھے؟ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان' بنگلہ دیش اور امریکہ کو ڈھاکہ میں مجیب الرحمٰن کی موجودگی کی اتنی اشد ضرورت تھی کہ وہ ہمیں یہ قیمت دینے میں قطعی کوئی پس و پیش نہ کرتے لیکن بھٹو صاحب کے اپنے منصوبے تھے اور وہ مختار کل تھے اور ان کے فیصلوں میں ان کی حکومت کے ابن الوقت بونے مداح کوئی دخل نہ دے سکتے تھے۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے ہندوستان کی گڈی چڑھنی ہی تھی اور مغربی پریس میں اندرا گاندھی برصغیر کی ملکہ معظمہ کے خطاب سے نوازی گئیں۔ امریکہ اور یورپ کو بھی اس پیش رفت سے یک گونہ سکون ہوا۔ مغربی سیاسی دانشور شروع سے کہہ رہے تھے کہ پاکستان میں ایک ہزار میل کے فاصلے پر مشرق و مغرب کا کوئی جوڑ نہیں اور باقاعدہ منصوبوں کے تحت امریکی ایجنٹس ہندوستانی عناصر سے مل کر مشرقی پاکستان کے لوگوں' خاص طور پر یونیورسٹیوں کی جواں نسل کی یہ تدریس کرتے تھے کہ ان کا مغرب کے لوگوں سے کوئی علاقہ نہیں اور پنجاب ان کے صوبے کے ذرائع آمدنی مثلاً جوٹ جسے سنہری پتہ کہا جاتا تھا' ہضم کر جاتا ہے اور اس نے یہاں نو آبادیاتی اقتصادیات کا نظام چالو کیا ہوا ہے۔ دراصل امریکہ پاکستان کے اسلامی رول کو جس کی زد براہ راست اسرائیل پر پڑتی تھی غیر مؤثر بنانا چاہتا تھا تاکہ اس کی بساط گم ہو اور وہ ہندوستان کے لق و دق حجم اور برتری تلے دب جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ گو ہندوستان کی روسی دوستی کی وجہ سے وہ پاکستان کی طرف ہاتھ بڑھانے کو مجبور ہو گیا تھا' اس کی دلی خواہش یہی رہی اور ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ ہندوستان کو روس سے الگ کر کے اسے اپنا حلیف بنا لے۔ اسی لئے باوجود اس امر کے کہ دہلی ماسکو کے قریب تر ہے' واشنگٹن ہمہ وقت ہندوستان کو امداد دیتا رہتا۔ یہاں تک کہ نہ صرف اس نے ہندوستان کے 1974ء کے ایٹمی دھماکے پر کوئی شور نہیں مچایا بلکہ اسے نیوکلیئرائی ساز و سامان (ہیوی واٹر وغیرہ) فراہم کرتا ہے۔ امریکہ کی ہندوستان سے دوستی کی خواہش کثیر المقاصد ہے ایک تو یہ بہت بڑا خطہ زمین ہے جس کی گراں سیاسی' عسکری اور جغرافیائی اہمیت ظاہر ہے یہیں سے انگریزوں نے مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید پر اپنا تسلط جمایا تھا۔ دوسرے یہاں کے باشندے مغربی تہذیب کی بالادستی کے قائل ہیں اور اس کی تقلید پر جان دیتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور انگریزی مصنف نراد چودھری کا کہنا ہے کہ ہندوستانیوں نے جو کچھ علم و ہنر سیکھا ہے اور جو کچھ ترقی کی ہے وہ مغرب ہی کے طفیل ہے۔ (ہندوؤں کو ہندوستان میں اقتدار اعلیٰ یقیناً انگریزوں کے نافذ کردہ اکثریتی راج کے سیاسی اصول کی بدولت حاصل ہوا۔ اسی اصول کی بناء پر آناً فاناً اکثریتی ہندو حکمران اور اقلیتی مسلمان محکوم قرار پائے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے ایک صدی کی حکمرانی کے متعلق پانچ سو سال بعد کا مورخ یہی لکھے گا کہ یہ یورپی قلیوں کی ایک قوم تھی

Marfat.com

جس نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنت کا بوجھ چھین کر ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھما دیا)

نراد چودھری تو مغربیت کے جذبے میں اس قدر غرق ہے کہ اس نے ایک کتاب ہی یہ ثابت کرنے کو لکھی ہے کہ ہندو دراصل یورپی نژاد ہیں اور یورپ سے آ کر ہندوستان میں آباد ہوئے۔ ہندوؤں کا یہ احساس مرعوبیت ہی ہے جو ایک طرف مغرب کو خوش کرنے کیلئے ہندو سماج کے لاینفک اداروں' چھوت چھات اور ذات پات وغیرہ کو تیاگ دینے کا پرزور اعلان کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف دس کروڑ اچھوتوں کی موجودگی کے باوجود اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت قرار دیتا ہے۔ کہاں ہندوؤں کی یہ نیاز مندی اور کہاں مسلمانوں کے تفوق کے اسلامی ادعا' یوروپینیوں نے ہزارہا میل چل کر ہندوستان میں ہندوؤں کی مدد سے حکومت قائم کی تو مسلمانوں نے صدیوں تک قوت کے بل اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔ مسلمانوں اور مغربیوں میں مذہبی جنگوں کا لمبا سلسلہ جاری رہا۔ جبکہ مغربیوں اور ہندوستانیوں کی تاریخ معرکہ آرائی سے خالی ہے۔ مسلمان مغربی تہذیب کے اقدار کو ہی چیلنج ———

نہیں کرتے بلکہ اسلامی اقدار کو عملی جامہ پہنانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں ہر طرف اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی تحریکیں رائج ہیں جنہیں خوف سے مغربی دانشور بنیاد پرستی اور انتہا پسندی سے تعبیر کرتے ہیں۔ غرضیکہ جہاں ہندو مغرب کے پیروکار بننے پر تیار ہیں مسلمانان عالم اور خاص طور پر مسلمانان پاکستان اپنی اسلامی روش پر چلنے پر مصر ہیں اور قائداعظمؒ نے اسے مسلم اتحاد کی کنجی قرار دیا۔ مغرب کا بس چلتا تو وہ مسلمانوں کو اپنے تصرّف میں نہیں تو دوسرے غیر مسلموں کا دست نگر بنا دیتا۔ اسے وسط ایشیا کے مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں کہ وہ روس کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں 'ان کی غلامی سے اسلام کی آواز کمزور پڑی' انگریز یہی حشر برّصغیر کے مسلمانوں کا کرنا چاہتے تھے اور انہیں ایک اقلیت کا نام اور درجہ دے کر ہندوؤں کی تحویل میں مقبوض کرنا چاہتے تھے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں ایسا قائدؒ عطا فرمایا جس نے انگریزوں کے منصوبوں اور ہندوؤں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا' لیکن مغربیوں اور ہندوستانیوں کی تدبیریں ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ وہ اب بھی کسی نہ کسی بہانے پاکستان کو ہندوستان کے زیر نگیں کرنا چاہتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے متحدہ پاکستان کا نقشہ بدل گیا ہے اور اب سکیم یہ ہے کہ ہندوستان کو برّصغیر کی سپر پاور کا مرتبہ دیا جائے۔ امریکہ کے صدور کئی بار ہندوستان کی اولیت کا ذکر کر چکے ہیں۔ اسے ہر قسم کی ٹیکنالوجی فراہم ہو رہی ہے اور جہاں امریکہ کو ہندوستان کے نیوکلیئر پروگرام پر کوئی اعتراض نہیں ہوا وہاں پاکستان کو اس کلیدی طاقت سے محروم کرنے کیلئے ہر حربہ استعمال کرنے کو تیار ہے دراصل نیوکلیئر پاور بڑی طاقتوں کی عظمت کا نشان بن گئی ہے اور اس کلب میں وہی داخل ہو سکتا ہے جسے سپر پاور زا جازت دیں۔ انہیں ہندوستان 'اسرائیل' جنوبی افریقہ کی نیوکلیئر صلاحیت سے کوئی غرض نہیں' وہ الرجک ہیں تو "اسلامی بم" سے اور وہ پاکستان کی ہندوستان سے ہمسری کے روادار نہیں ہو سکتے کہ اگر پاکستان ہندوستان کے رتبے تک پہنچ گیا تو برّصغیر میں ہندوستان کی طاقت عظمیٰ کا سکہ نہیں

Marfat.com

چل سکتااور اسی لئے جہاں امریکہ ہندوستان کے نیوکلیئر درجے کو تسلیم کرنے کو راضی ہے وہ پاکستان پر نیوکلیئر خطرات کے پھیلاؤ کی مخالفت کے بہانے اس پر این پی ٹی کی یکطرفہ پابندیاں عائد کرنے پر تلا ہوا ہے جس کیلئے وہ سمنگٹن قانون کے استعمال کی دھمکی دیتا رہتا ہے۔ جس کے مطابق نیوکلیئر ملکوں کی امداد کی بندش ہے۔ پاکستان کا مؤقف صاف ہے جہاں وہ "بم" بنانے کی خواہش نہیں رکھتا وہاں وہ نیوکلیئر پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم رکھتا ہے کہ وہ ملکی ترقی کیلئے اپنی انرجی کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ مزید بر آں وہ اپنے اوپر کوئی ایسی قدغن لگانے کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے اس کی خود مختاری اور مطلق العنانی پر آنچ آئے۔ اگر ہندوستان' اسرائیل اور جنوبی افریقہ نیوکلیئر طاقت سے لیس ہو سکتے ہیں تو ان کے مقابلے میں وہ بھی برابری کے درجے پر اپنی آزادروی کو قائم رکھنے کا حوصلہ رکھتا ہے خصوصاً جب برصغیر میں ہمسایہ ملک کی نیوکلیئر طاقت کا مدعا ہی پاکستان پر اپنی برتری مسلّط کرنا ہے۔

اس ضمن میں بفضل تعالیٰ اب تک پاکستان کی کوشش کامیاب رہی اور حق تو یہ ہے کہ اس کامیابی کا سہرا صدر ضیاء الحق کے سر ہے۔ بھٹو کو خارجہ معاملات میں مہارت پر بہت گھمنڈ تھا لیکن انہوں نے اپنی حکمرانی کے دور میں ملک کو ذلیل ہی کیا۔ وہ تبلیس کو خارجہ پالیسی کا جزو اعظم سمجھتے تھے اس لئے جہاں وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کہ قوم بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے پر راضی ہو جائے اور اسی لئے لاہور میں اسلامی کانفرنس کے انعقاد سے جذباتی فضا پیدا کی تھی وہاں اسی سمت میں برطانیہ کے اقدام پر کامن ویلتھ سے قطع تعلق کر لیا اور بین الاقوامی تعلقات کا ایک زرخیز میدان پاکستان کے خلاف ریشہ دوانی کیلئے ہندوستان کیلئے چھوڑ دیا۔ انہوں نے امریکہ سے تعلقات اس قدر مکدّر کئے کہ وہ طاقت کھلے طور پر ہمارے خلاف صف آراء ہو گئی۔ ہندوستان سے شملہ معاہدے نے ہمارے اقوام متحدہ کی طرف رجوع کرنے کی راہ میں کانٹے بوئے کہ خارجی مداخلت اور ثالثی کو اس شرط سے مشروط کر دیا کہ اس قسم کی پہل سے پہلے دوسری پارٹی کی اجازت ضروری ہوگی۔ اب کیا ہندوستان جو کسی بین الاقوامی پلیٹ فارم سے کشمیر کا نام سن کر تلملا اٹھتا ہے' ہمیں سلامتی کونسل میں اس تنازعے کو اٹھانے کی اجازت دے گا؟ ملک کے وقار کے زوال کے اس پس منظر میں صدر ضیاء الحق نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی باگ ڈور سنبھالی۔ مصلحت کا تقاضہ تھا کہ وہ ملک کی بین الاقوامی پوزیشن کو سدھارنے کیلئے ست روی اور سوت بیانی سے کام لیتے لیکن انہوں نے مداہنت کو تیاگ کر علی الاعلان نیوکلیئر پروگرام کو پورا کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس میں رکنیت کا فیصلہ کیا اور جب روس نے افغانستان پر فوج کشی کی تو لاکھوں افغان مہاجرین کو گلے ہی نہ لگایا بلکہ مجاہدین کی دامے درمے سخنے مدد پر کمربستہ ہو گئے اور پھر سب سے بڑھ کر اولوالعزمی کا یہ ثبوت دیا کہ صدر کارٹر کی امداد کو (پی نٹ) (مونگ پھلی) کا نعرہ مستانہ لگا کر مسترد کر دیا (پی نٹ کا مطلب بے وقعت امداد تھی جس کی صورتحال کی ضروریات سے کوئی نسبت نہ تھی لیکن چونکہ صدر کارٹر عام زندگی میں مونگ پھلی اگاتے اور اس کا کاروبار کرتے تھے' صدر ضیاء الحق کی پھبتی کو امریکہ میں بھی سراہا گیا کہ (پی نٹ) کے باموقع استعمال نے افغانستان کے معاملات کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا) اس

Marfat.com

کے بعد صدر ریگن نے حالات کی سنگینی کو سمجھا اور امریکہ نے پاکستان کی وسیع پیمانے پر مدد شروع کر دی لیکن کانگریس میں ہنود اور یہود کی لابیوں کی مخالفت کے باوجود صدر ضیاء الحق نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں متزلزل نہ ہوئے اور امریکی حکومت کو خود ہی پاکستان کو سمنگٹن قانون کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دلوانا پڑا اور اب بھی جبکہ کانگرس آئندہ چھ سالہ امدادی منصوبے پر غور کر رہی ہے پاکستان کا وہی قلندرانہ طرز عمل ہے بلکہ اس میں پیش رفت ہوئی ہے کیونکہ جہاں ہم پہلے یہ کہتے تھے کہ پاکستان نیوکلیئر صلاحیت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہاں آج صدر موصوف نے واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ "ہم جب چاہیں بم بنا سکتے ہیں" ۔ یہ ان ہندوستانی اور اسرائیلی لابیوں کا جواب ہے جو کلدیپ نیّر کے "انٹرویو" کے جھوٹ کو چہار دانگ عالم ہوا دے رہے تھے کہ پاکستان نے "بم" بنالیا ہے اور اب اس کی مدد بند ہو جانی چاہئے۔

یہ صدر ضیاء الحق کی ژرف نگہی ہے کہ دوٹوک بات کریں اور ہراساں نہ ہوں جیسا کہ "ٹائم" کے نمائندوں نے اپنی رپورٹ میں نوٹ کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے لکھا کہ بم ہو یا نہ ہو' پروفیسر تھامس تھارنٹن کے قول کے مطابق کانگرس میں یہ حوصلہ نہ ہو گا کہ پاکستان سے اپنی پیٹھ موڑ لے۔ میرے خیال میں صدر ضیاء الحق نے اپنے آٹھ سالہ دور مطلق العنانی میں (جب صدر ذیل سنگھ نے صدر ضیاء الحق کو ان کی دس سالہ دور حکومت کے متعلق کچھ کہنا چاہا تو پاکستانی صدر نے ہندوستانی صدر کی پنجابی میں یہ کہہ کر فوراً تصحیح کی "نہیں آٹھ سال' ہن تے تہاڈے ورگہ ہاں" ......... یعنی "نہیں آٹھ سال' اب میں آپ ہی کی طرح (بے بس) ہوں" انہوں نے اور کوئی کام کیا ہو یا نہ کیا ہو پاکستان کی خارجہ پالیسی کو صراط مستقیم پر لگا دیا ہے۔ آج پاکستان ہر جہت میں باعزت اور معزز ہے بین الاقوامی سیاست میں اپنی فراست اور خلوص سے صدر ضیاء الحق نے ایک ایسا مقام حاصل کر لیا ہے جو بہت کم سربراہان مملکت کو حاصل ہے۔ ان کی رائے سنی جاتی ہے اور ان سے مشورے مانگے جاتے ہیں اور یہ ہمارے ملک کیلئے ان کا یہ مقام بہت بڑا اعزاز اور اثاثہ ہے۔ جس خود اعتمادی اور خالصتاً ملی طور پر انہوں نے افغانستان کی جدوجہد آزادی کا ایک سپر پاورز کے خلاف ساتھ دیا ہے اور بالآخر اسے مذاکرات پر مجبور کر دیا اس حقیقت کا اثر پذیر ہونا لازمی ہے۔ نہ امریکہ کے مخالف حلقے اس کے آڑے آ سکتے ہیں اور نہ ہندوستان کے دروغ گو ذرائع ابلاغ! خارجہ پالیسی میں توازن کے چھکے ہمیشہ مشہور رہیں گے۔ کاش کہ وہ ایک چھکا مسلم قومیت کے حق میں بھی لگا دیں کہ اسے ہمارے کوتاہ بیں سیاستدانوں نے ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ بے شک وہ سربراہ حکومت نہیں لیکن وہ اب بھی سربراہ مملکت ہیں جس کا قوم سے براہ راست تعلق ہوتا ہے۔ وہ کبھی کبھی اس قوم کو بھی آواز دیں' اسے اس کے نام سے پکاریں تاکہ وہ اپنے تشخص سے آشنا ہو۔ مسلمان کے دم سے ہی نظام اسلام کا مستقبل وابستہ ہے۔

Marfat.com

# کامیاب خارجہ پالیسی

ڈیڑھ دو سال پہلے تک ماسکو اور کابل کی طرف سے مجاہدین کو قلع قمع کرنے کی باتیں ہی سننے میں آتی تھیں۔ آج نہ صرف روسی فوجوں کی واپسی کے مہینوں میں نظام الاوقات کا موضوع زیر بحث ہے بلکہ سب سے بڑا مسئلہ آزاد افغانستان میں اگلی حکومت کی ترتیب و تشکیل کا بنا ہوا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسی مسئلے کے حل پر "ٹائم فریم" کا دارومدار معلوم ہوتا ہے۔ کلّی روسی افواج کی واپسی سے پہلے ہر متعلقہ پارٹی یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کابل میں کس قسم کا انتظامی نقشہ مرتب ہوگا۔ یہ بہت کڑی اور لمبی مسافت ہے جو دسمبر 79ء میں روسی حملے سے لے کر آج تک طے ہوئی ہے۔ کہاں یہ کہا جاتا تھا کہ روس جس علاقے میں قدم جما دیتا ہے وہاں سے نکلنے کا نام نہیں لیتا اور وہاں سے نکالا نہیں جا سکتا اور کہاں یہ عالم ہے کہ سوویت یونین کے سربراہ مسٹر گورباچوف از خود افغانستان کی لڑائی کو اپنے عظیم ملک کے لئے ایک "رستے ہوئے زخم" سے تعبیر کر رہے ہیں۔ جس کے علاج کے وہ اتنے ہی خواہاں ہیں جتنے ہم اور دوسری آزاد اقوام۔ سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا معرکہ کیوں کر سر ہوا؟ یہ معجزہ کس طرح واقع ہوا۔ ان سوالوں کا جواب اس طے کردہ مسافت کی طرح طویل بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کا دو حرفی جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ افغان مجاہدین کی قربانی اور پاکستان کی پامردی اگر مجاہدین اور پاکستان روسی افواج کی جانکاہ مزاحمت اختیار نہ کرتے تو نہ عالمی طاقتیں اس جنگ آزادی کی تصویر میں نظر آتیں اور نہ اقوام متحدہ اسے عالمی کاز بنانے میں پیش پیش دکھائی دیتی۔ کیا یہ اطمینان بخش صورت حال کسی ناکام خارجہ پالیسی کا نتیجہ ہو سکتی ہے؟

صدر جنرل ضیاءالحق نے اس وقت افغانستان پر روسی حملے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جب پاکستان تن تنہا کھڑا تھا۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں مہاجرین ملک میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے

Marfat.com

اور اسے کہیں سے کوئی خارجی مدد حاصل نہ تھی۔ دو ماہ بعد اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس ہوئی اور آہستہ آہستہ اقوام متحدہ میں بھی ہلچل پیدا ہوئی اور پھر امداد بھی آئی لیکن پاکستان نے امداد کی بھیک نہ مانگی۔ جب صدر کارٹر کی انتظامیہ کے سلامتی کونسل کے سربراہ برازنسکی اسلام اور عیسائیت کے تاریخی لمحہ وجود واتحاد کا نعرہ لگاتے ہوئے اسلام آباد آئے اور صدر کارٹر کی طرف سے پاکستان کو چند ملین ڈالرز کی مدد کی پیشکش کی تو صدر ضیاء الحق نے اسے قلندرانہ جرأت سے ''پی نٹ'' یعنی بے مصرف کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امریکہ سے پاکستان کو معنی خیز مدد تب تک نہ ملی جب تک مسٹر ریگن نے امریکی صدارت کا عہدہ نہیں سنبھالا۔ پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ 81ء کے چھ سالہ امدادی معاہدہ کے دوران سمنگٹن قانون کے اطلاق کو معطل کر دیا گیا لیکن پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام پر کوئی یقین دہانی نہیں دی گئی۔ اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہونا چاہئے کہ امریکی اور دوسرے اسلامی ملکوں کی خاص طور پر سعودی عرب کی مدد سے پاکستان اور مجاہدین کی قوت مزاحمت کو بڑی تقویت ملی لیکن اس داستان جانبازی کا اصل نکتہ یہی ہے کہ اگر وقت پر پاکستان اٹل مؤقف اختیار نہ کرتا تو دنیا کے کانوں پر جوں تک نہ رینگتی۔ دور کے ممالک کو تو چھوڑیئے ہمارے نزدیکی شرقی ہمسائے کو آج تک روس کی جوع الارض میں توسیع پسند حکمت عملی کا درک حاصل نہیں ہوا کہ اس کی لپیٹ میں صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھی آئے گا۔ تاریخ کا یہی سبق ہے کہ جب شمال سے حملہ ہوتا ہے تو وہ سندھ، جہلم یا راوی پر نہیں رکتا اس کا دھارا گنگا، جمنا اور برہم پتر کے پانیوں کو بھی بہا لے جاتا ہے۔

ابھی افغانستان پر حرف آخر کہنا باقی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس مرحلے تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا لیکن ایک چیز واضح ہے کہ روسی فوجوں کی واپسی کے نظام الاوقات کا دارومدار کابل میں آئندہ حکومت کی شکل وصورت کے خدوخال کے بارے میں افہام وتفہیم پر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ماسکو افغانستان میں کسی ایسی حکومت کو برداشت نہیں کرے گا جو روس کی معاند ہو۔ ماسکو اپنی سلطنت کے اس علاقے سے ملحقہ حصے اپنے ''نرم پیٹ'' کا نام دیتا ہے یعنی اس میں بآسانی عسکری اور نظریاتی طور پر شگاف ڈالا جاسکتا ہے اور وہ یقیناً اس کی حفاظت کی ضمانت چاہے گا۔ امریکہ کو بھی افغانستان میں گہری دلچسپی ہے اور وہ اسے از سرنو روسی حلقۂ اثر میں جانے کے سدباب کی کوشش کرے گا۔ ان دونوں سپر طاقتوں کے خدشات کا علاج تو افغانستان کا غیر جانبدار کریکٹر ہے اور وہ غیر جانبدار ملکوں کی تنظیم کا بنیادی رکن ہے لیکن مجاہدین کے نقطہ نظر کو جنھوں نے جان کی بازی لگا کر آزادی حاصل کی ہوگی، کیونکر نظرانداز کیا جاسکتا ہے؟ انہیں تو اوّلیت حاصل ہوگی اور انہیں حق خود اختیاری کے استعمال سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ پھر اس معاملے میں پاکستان کی دلچسپی کو بھی غیر فطری نہیں قرار دیا جاسکتا ہے جس طرح افغان مجاہدین نے بقا و استحکام پاکستان کی لڑائی لڑی ہے اسی طرح اگر پاکستان نہ ہوتا تو ان کی جنگ آزادی کی نوبت نہ آتی کہ ہندو

Marfat.com

برصغیر کو ایک آزاد مسلمان افغانستان سے کوئی رغبت و ہمدردی نہ ہوتی۔ جہاں ہندوستان کروڑوں مسلمانوں کو اپنے ہاں غلام بنائے ہوئے ہے وہاں اور چند ملین مسلمانوں کو وسط ایشیا کے مسلمانوں کی طرح روس کی غلامی میں پڑنے پر ہرگز ٹس سے مس نہ ہوتا۔

پاکستان کو افغانستان میں حکومت کی نوعیت میں اس لئے بھی حد درجہ شغف ہے کہ پاکستان نے کابل کے حکمرانوں کے ہاتھوں بہت اذیت اٹھائی ہے۔ یہ سعادت کابل کے حکمرانوں کے حصے میں ہی آئی تھی کہ انہوں نے نوزائیدہ پاکستان کو تسلیم نہ کیا اور افغانستان واحد ملک ہے جس نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کے خلاف ووٹ دیا اور پھر اس کی حکومتیں مسلسل و متواتر پختونستان کے پراپیگنڈے کا زہر دو ہمسایہ اسلامی ملکوں کے تعلقات میں گھولتی رہیں تو یہ کہنا کافی نہیں کہ حکومت کی تشکیل کا مسئلہ کُلیتاً افغانستان کے عوام پر ہے۔ افغانستان کے عوام ضرور اپنی حکومت کے کردار کا فیصلہ کریں گے لیکن اگر اس موڑ پر پہنچنے تک روس کا نقطہ نظر پیش نظر رہے گا' امریکہ کا نقطہ نظر پیش نظر رہے گا تو پاکستان کا نقطہ نظر بھی پیش نظر رہنا چاہیے' وہ ہرگز پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ پاکستان نے افغانستان کی آزادی کے حصول کے لئے بیش بہا اور بے مثل قربانیاں دی ہیں۔ اس کے بدلے اب ڈیورنڈ لائن کو ہمیشہ کے لئے تسلیم کرنا ہو گا۔ اب پختونستان کا ذکر حرف غلط کی طرح ختم کر دینا ہو گا۔ اس سے ماوراء پاکستان و افغانستان اسلامی ملکوں کے رنگ میں رنگین و بغلگیر ہو کر عالمی اسلامی اتحاد کے قابل عمل تنظیمی ڈھانچے کی خشت اول بنیں گے کہ دونوں نے اسلام کے حوالے اپنی آزادی حاصل کی ہے۔

اگرچہ معمولاً ہماری خارجہ پالیسی کی اولین ترجیح ہندوستان سے تعلقات پر بحث ہوتی ہے لیکن چونکہ پچھلے سالوں میں ہماری زیادہ تر نظریں افغانستان پر مرکوز رہیں' میں نے اس کا پہلے ذکر کیا ورنہ ہندوستان کے جارحانہ انداز نے ہمیشہ ہمیں اپنے دفاع پر مجبور رکھا ہے بلکہ ہماری دور دراز کی دوستیاں (مثلاً امریکہ سے) اسی بنا پر قائم ہوئیں کہ ہم نے پاکستان کو اسلحی اور اقتصادی طور پر مضبوط کر کے ہندوستان کے مقابلے کے لائق بنانا اپنا فرض سمجھا۔ لیکن ہماری خواہش یہی رہی ہے کہ اس سے ہمارے نزدیکی اور خوشگوار تعلقات قائم ہوں جیسے کہ دو ہمسایہ ملکوں میں ہونے چاہئیں۔ قائداعظم امن کے علمبردار تھے۔ ان کا مطمع نگاہ دو نکات سے عبارت تھا۔ "اندرونی امن' بیرونی امن"۔ اور انہیں اس بات کا سخت رنج تھا کہ پاکستان کی تخلیق کے معاً بعد ہندوؤں کا مسلمانوں کے لئے ازلی عناد بے تحاشا کروڑوں انسانوں کی نقل مکانی کی صورت اور کشمیر میں جنگ آرائی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اگر سطحی نظر سے بھی دیکھا جائے تو دو ملکوں کے اچھے تعلقات ان کی بہبود کا باعث ہی نہیں بلکہ ان کی دنیا میں توقیر اور اثر رسوخ کا بھی ضامن بن سکتے ہیں۔ جغرافیہ اور تاریخی اعتبار سے پاکستان برصغیر کی سیاسی جغرافیائی جکڑ سے نہیں نکل سکتا تھا۔ دوستی کی صورت میں وہ امریکہ اور کینیڈا کی طرح ایک دوسرے کی قربت سے متمتع ہو سکتے تھے۔ اس میں زیادہ فائدہ

Marfat.com

ہندوستان کا ہی تھا کہ جہاں اس کی صنعتی پیداوار کو پاکستان کی نزدیک منڈی ملتی وہاں پاکستان کے ذریعے ہندوستان کی اسلامی دنیا میں رسائی ہوتی اور عزت کا مقام ملتا لیکن کسی قوم کی ذہنیت کا کیا کیا جائے۔

قائداعظمؒ نے قریب ربع صدی کے تعلق کے بعد کانگریس کو چھوڑنے کی واحد وجہ یہ بتائی تھی کہ ہندو ذہنیت نے انہیں متبادل راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے اپنے تلخ تجربے کا یوں تجزیہ کیا کہ جب بھی اور جہاں کہیں ہندو مفاد کا سوال اٹھا' ہندو ذہنیت کا ہر جہت سے وہ لبرل ہو یا مہاسبھائی' کانگریسی ہو یا سنگھٹنی ایسا زوردار مظاہرہ ہوتا کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم ہندو اشتراک عمل ناممکن ہے۔ اس ذہنیت کا بدترین مظاہرہ پاکستان کے ظہور کے بعد ہوا کہ جس سہ فریقی ہندو' مسلم اور انگریز سمجھوتے کی بنا پر برّصغیر کی تقسیم ہوئی ہندوؤں نے اسی سمجھوتے کی پابندی سے انکار کر دیا اور پاکستان کے وجود کو دل سے کبھی تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ اندرا گاندھی نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو پاکستان کے اختتام کی طرف سے یہ کہہ کر پہلا قدم قرار دیا کہ اس سے دو قومی نظریئے کی تنسیخ ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو الگ قوم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ نہیں کہ عرصہ دراز سے مسلمان اور ہندو ایسے شیروشکر بن کر رہے تھے کہ ان کی ایک دوسرے سے علیحدگی ناقابل تصوّر تھی' ہرگز نہیں۔ انگریزوں کے آنے سے کہیں پہلے وہ عملاً دو اقوام کی صورت میں رہتے تھے۔ معاشرتی اور تہذیبی طور پر تو ان میں کوئی میل جول نہ تھا۔ ہندو مسلمانوں سے اس لئے الگ تھلگ نہ تھے کہ وہ مسلم حکمرانی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے بلکہ ان کے منفرد قومی تشخص کی جڑان کی ذات پات کے نظام میں جاگزیں تھی' کوئی مسلمان خواہ وہ اکبر جیسا وسیع الخیال حاکم ہی کیوں نہ ہو جس نے بقول میر

قشقہ کھینچا' دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا ع

کا کیش اپنایا اور دین الٰہی ایجاد کیا۔ وہ بھی ان کی ذات پات کے مقفل قلعے میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ انہی خطوط پر صدیوں دو قوموں کی زندگیاں گزریں تا آنکہ وہ دونوں ایک تیسری قوم کے تابع ہو گئے۔ اور اسی نقطہ تاریخ سے ایک مشترکہ ہندوستانی قومیت کا تصوّر ابھرا۔

اس تصوّر کے بانی انگریز تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کے کان میں اکثریتی حکومت کے اصول کے نفاذ کا منتر پھونکا جس کا صاف مطلب تھا کہ جب بھی انگریز ہندوستان کی سرزمین چھوڑے گا اقتدار کا تحفہ بلاشرکت غیر ہندوؤں کی جھولی میں پڑے گا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت بڑی اکثریت میں تھے۔ اس طرح اکھنڈ بھارت اور ایک ہندوستانی قومیت انگریزوں اور ہندوؤں کی پالیسی اور انداز عمل کا آہنی قانون بن گیا۔ انگریزوں کے لئے یہ مؤقف اختیار کرنا فطری تھا۔ یورپی اقوام صلیبی جنگوں کے زمانے سے مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات سے سرشار تھیں۔ اس لئے جب انہیں عروج حاصل ہوا اور وہ مشرق وسطیٰ اور ایشیا و افریقہ کی طرف بڑھیں تو یہ ایک سوچا سمجھا وطیرہ بن گیا کہ جہاں جہاں ان کی

Marfat.com

مسلمانوں اور غیر مسلموں سے مڈبھیڑ ہوئی انہوں نے غیر مسلموں کا ساتھ دیا۔ انگلستان اور فرانس نے عربوں کو زیر کیا اور یہودیوں کو پناہ دی۔ پہلے فلسطین میں یہودیوں کے "نیشنل ہوم" کی تجویز پر باہر سے یہودیوں کو بسایا پھر ہٹلر کی کرتوتوں کی سزا عربوں کو اس طرح دی کہ وہاں لاکھوں کی تعداد میں لایا گیا اور "نیشنل ہوم" کی جگہ مملکت کا تصور اجاگر کیا جس نے بالآخر اسرائیل کی شکل اختیار کر لی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی دشمنی کی وجوہ دو گونہ تھیں۔ —— ایک تو وہی عصبیت کارفرما تھی کہ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مسلموں کو اٹھایا جائے دوسرے چونکہ انہوں نے حکومت مسلمانوں سے ہتھیائی تھی یہ ضروری تھا کہ سابقہ حکمران قوم کی طاقت اور زور کو توڑا جائے جس کے لئے انہوں نے کئی حربے اختیار کیے۔ فارسی کو دیس سے نکالا' مسلمانوں کی جائیدادیں ضبط کیں' ان کے تعلیمی اداروں کو تباہ کیا' 57ء کے انقلاب کی تمام تر سزا مسلمانوں کو دی لیکن سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے مخالفوں ہندوؤں سے قریبی رشتہ قائم کیا۔ (یورپ کی جارحیت کے متوازی خطوط پر روس بھی وسطی ایشیائی مسلمان مملکتوں کو عیسائیوں کے تغلب میں لا رہا تھا) اس دوگونہ پالیسی کی کھونٹے پر مشترکہ ہندوستانی قومیت کے تصور کی بنیاد ڈالی گئی اور اسے سیاسی عملی جامہ پہنانے میں انگریزوں اور ہندوؤں نے ایک انگریز مسٹر ہیوم کی سرپرستی میں آل انڈیا نیشنل کانگرس کا پلیٹ فارم اٹھایا تاکہ اسے انتقال اقتدار کے لئے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا جائے چنانچہ آخر ش یوں ہی ہوا۔

گو سرسید اور ان کے رفقائے کار نے مشترکہ قومیت کے تصور کی کھلی مخالفت کی کہ اس میں سراسر مسلمانوں کو نقصان تھا لیکن بعد ازاں انگریز نے جتنی بھی قسط وار دستوری اصلاحات نافذ کیں اس میں مسلمان قوم کو ایک اقلیت گردانا گیا۔ ہر میدان میں ان کے حقوق کا تعین کم و بیش زیادہ اقلیتی تناسب سے کیا گیا۔ اگر مرکزی اسمبلی میں 33 فیصدی نیابت ملی تو ملازمتوں میں 25 فیصدی کوٹہ مقرر ہوا۔ علی ہذا القیاس برتری اور بالا دستی ہر نوع ہندو کو حاصل ہوئی جہاں اقلیت ہونے کے اعتبار سے مسلمانوں کی قسمت میں ایک مقید قوم کے تحفظات آئے وہاں اکثریت ہونے کے اعتبار سے ہندوؤں کو قومی فوقیت سے حکومتی اختیارات تفویض ہوئے اسی لئے ہندوؤں نے قرنہا قرن کی عمل کردہ علیحدگی پسندی کو تیاگ کر مسلمانوں کے ساتھ مشترکہ قومیت کا لبادہ پہنا تاکہ مسلمانوں پر ابد الاباد تک اپنا تسلط قائم رکھ سکیں اور ان سے ان کی ہزار سالہ خارجی حکمرانی کا بدلہ لیں۔ وہ ہندوستان کو کسی صورت تقسیم کرنے کے روادار نہ ہو سکتے تھے۔ اس مقصد میں ہندوؤں کو انگریزوں کا پورا تعاون حاصل تھا۔ ان کا منصوبہ تھا کہ بظاہر ہندوستان کو آزادی دے کر (گاندھی بھی ڈومینین سٹیٹس سے زیادہ کچھ نہ مانگتا تھا) وہ ہندوؤں کے توسط سے اس علاقے میں اپنے پاؤں جمائے رکھیں اور مشرق وسطی پر اپنی سلطانی قائم رکھ سکیں۔ پاکستان کی سکیم سے ہندوؤں اور

Marfat.com

انگریزوں دونوں کے مفادات پر ضرب پڑتی تھی جہاں ہندوؤں کے ہاتھوں پورا برّصغیر نہ آتا تھا وہاں انگریزوں کی مشرق وسطیٰ میں پوزیشن ماؤف ہوتی تھی چنانچہ دونوں اقوام نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی لیکن قائداعظمؒ کی قیادت عظمیٰ اور مسلمانوں کے عزم واتحاد کے خلاف کسی کی پیش نہ گئی اور ہندوؤں اور انگریزوں کو مسلم مملکت کی سکیم صادر کرنا پڑی۔ اب مطالبے سے حقیقت بن کر پاکستان منصۂ شہود پر ابھرا لیکن جہاں انگریز نے پاکستان کی آزاد اور مطلق العنان حیثیت کو مشتبہ بنانے کے خیال کو آخر تک نہ چھوڑا اور پاکستان اور ہندوستان کے لئے جسے قائداعظمؒ نے مسترد کر دیا وہاں ہندوؤں نے تقسیم ہند منظور کرنے کے باوجود دو قومی حقیقت یعنی منفرد مسلم قومیّت کے نظریئے کو جس کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا، کبھی قبول نہ کیا۔ وہ ابھی تک برّصغیر میں ایک قومیّت کا راگ الاپ رہے ہیں اور ان کے لئے پاکستان کے الگ وجود کو ماننا دشوار ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ اسے پھلتا پھولتا دیکھ سکتے ہیں اور اس سے صحیح طور پر تعلقات قائم کرنے کے اہل ہیں بلکہ اب ان کی پالیسی یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان کو برّصغیر کی طاقت منوا کر پاکستان کو اپنا ذیلی ملک بنالیں تو پھر اس پر کیا تعجب ہے کہ پاکستان کو شروع سے ہندوستان کی طرف سے خطرہ لاحق ہے تین جنگیں پہلے ہو چکی ہیں اور چوتھی کی تیاری کو بمشکل بے اثر بنایا گیا۔

اس خار دار پس منظر کے باوجود پاکستان نے ہندوستان کے متعلق متوازن ومتناسب پالیسی پر عمل کیا ہے اور خاص طور پر پچھلے دس سالوں میں حکومت نے ایسی راہ (جسے صدر ضیاء الحق "پرامن جارحیت" کہتے ہیں) اختیار کی ہوئی ہے جو اپنے بڑے ہمسائے سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر منتج ہو۔ پچھلی سردیوں میں جب ہندوستانی افواج کے پاکستانی سرحدوں پر گھیراؤ نے جنگی فضا پیدا کی تو وزیراعظم جونیجو نے وزیراعظم راجیو گاندھی سے براہ راست بنگلور میں بات چیت کی۔ پھر جیسا کہ ہندوستان کے وزیر خارجہ نرائن دت تیواڑی نے 23 اپریل کو لوک سبھا میں کہا کہ صدر ضیاء الحق اور وزیراعظم گاندھی کی گفتگو کے نتیجے میں دونوں ملکوں میں دوستی کا ماحول پیدا ہوا ہے اور پاکستان وہندوستان کے جائنٹ کمیشن کا جلد ہی اجلاس ہوگا۔ باہمی تعاون اور تجارت کے معاملات کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر تیواڑی نے کہا کہ نزدیکی ہمسائیگی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پہلے ہی زمین ہموار ہو چکی ہے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری "پرامن جارحیت" رنگ لارہی ہے اور ہماری حکومت گوناگوں مشکلات کے باوجود اپنی کوششوں میں سرخرو ہو رہی ہے اور میرے خیال میں پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات میں خوشگواری کی ذرا سی بھی رمق ہماری کامیاب خارجہ پالیسی کا طرّہ امتیاز ہے۔ اب اگر دہلی، اسلام آباد کی اس پیشکش کو بھی مان لیا جائے کہ ایک دوسرے کے نیوکلیئر پروگرام کی غیر جانبدارانہ تحقیقات ہو جائے تو بہت حد تک شک وشبہات کے بادل چھٹ جائیں گے۔

Marfat.com

دوسری جہتوں میں پاکستان کے تعلقات چین، امریکہ، یورپ، جاپان، روس تیسری دنیا اور اسلامی برادری سے وابستہ ہیں۔ چین سے ہمارے تعلقات حد درجہ پر خلوص ہیں جیسا کہ صدر مملکت اور وزیر اعظم نے کہا کہ چینی حکمران اور عوام ہمارے دوستوں میں سرفہرست ہیں۔ یورپ سے بھی ہمارے گرم جوش تعلقات ہیں اور حال ہی میں وزیر اعظم جونیجو نے انگلستان اور بلجیئم کا بہت کامیاب دورہ کیا۔ انگلستان میں ان کے پرتپاک استقبال نے ہماری جمہوریت کے اس نظام پر مہر توثیق ثبت کی جو ہمارے ہاں رائج ہوا ہے اور مادر جمہوریت کی حیثیت سے پاکستان کے لئے انگلستان کی بہت اہم سند ہے۔ بلجیئم کا دارالخلافہ برسلز یورپی منڈی کا بھی مرکز ہے اور اس سے گہرے روابط جس کا مظاہرہ ہوا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ یورپ کے لوگ اور ممالک پاکستان کی افغانستان میں جدوجہد آزادی کی پاسداری کے قدردان اور مداح ہیں اور ہماری جمہوری شروعات کے لئے خیر سگالی کے جذبات رکھتے ہیں۔ جاپان ہمیں اقتصادی امداد دینے میں پیش پیش ہے اور ہمارے اس سے تجارتی اور ثقافتی تعلقات روز بروز فروغ پا رہے ہیں۔ افغانستان میں تصادم کے قطع نظر روس سے ہمارے تعلقات نارمل ہیں۔ روس نے ہماری اقتصادی مدد بھی کی ہے۔ سٹیل مل لگوائی ہے اور اس سے تجارت بھی جاری ہے۔ مسئلہ افغانستان کے حل کے بعد روس سے پاکستان کے تعلقات زیادہ راسخ ہونگے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ روس سے ہمارے تعلقات لازم اور ناگزیر ہیں۔ وہ ہمارا قریبی پڑوسی ہے، وہ سپر پاور ہے اور مرور زمانہ کے ساتھ مارکسزم کے عقائد و نظام کی شدت میں کمی آ گئی ہے۔ خود مسٹر گورباچوف اپنے ملک میں آمریت کے شکنجے میں کسے ہوئے اداروں کو کچھ ڈھیل اور آزادی دینے کے قائل ہیں۔ ہم اگر مغرب سے ٹیکنالوجی کے متعلق سیکھ سکتے ہیں تو روس کے پاس بہت کچھ علم کا خزینہ ہے جس سے پاکستان اکتساب کر سکتا ہے۔ ہمیں اس امر کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ مشرق وسطی میں مغرب اور اسرائیل کی یورش کے خلاف روس عربوں کا دوست اور مددگار ثابت ہوا ہے۔ اگر وہاں کے معاملات ایک ایسی بین الاقوامی کانفرنس تک پہنچ گئے جس میں روس شریک ہو (اور جس کے آثار نظر آ رہے ہیں) اور اس کے نتائج فلسطینیوں کو اپنی آزاد مملکت نہیں ملتی مشرق وسطی میں امن کا قیام محال ہے اور اس ضمن میں پی ایل او کا اتحاد نیک فال ہے۔

عموماً امریکہ سے ہمارے تعلقات بہت اچھے رہے ہیں۔ میں نے عموماً کا لفظ احتیاطاً استعمال کیا ہے کہ پاک امریکہ تعلقات میں مد و جزر کا سماں جاری رہا ہے۔ بعض اوقات دونوں ملکوں میں ایسی گہری دوستی تھی کہ وہ ضرب المثل بن گئی۔ کہا جاتا تھا کہ پاکستان امریکہ کے حلیفوں کا حلیف ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب صدر کینیڈی کے زمانے میں صدر ایوب نے کانگریس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کو بھی مشرق بعید میں مشکل کا سامنا کرنا پڑے تو آپ پاکستان کو اپنا قابل اعتماد دوست پائیں گے تو پورا ہاؤس کھڑا ہو گیا اور کئی منٹ تالیاں بجتی رہیں۔ اسی شام جب بلیر ہاؤس کے سرکاری مہمان خانے میں جہاں صدر ایوب مقیم

Marfat.com

تھے۔میں نے ان سے مذاکرات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جوش سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں فرمایا "بس چیلے بن گئے ہیں" ۔ طرفہ تماشا بعد ازاں معلوم ہوا کہ اسی دورے سے صدر کینیڈی نے پاکستان کے متعلق امریکہ کی لائن بدلی۔ پھر امریکہ سے ہماری ایسی بگڑی کہ 65ء کی ہندوستان سے جنگ کے بعد اس نے ہماری اسلحی مدد بند کر دی۔ امریکہ کی کایا پلٹ پر پاکستان کے جذباتی لوگ بہت بگڑے اور ہم نے ایسے محسوس کیا کہ جیسے کسی محبوب نے ہماری طرف سے منہ موڑ لیا ہے۔ امریکہ کے رویے میں تبدیلی دو وجہ سے ہوئی تھی۔ ایک تو ہماری چین سے بڑھتی ہوئی دوستی جس کا امریکہ نے گھیراؤ کیا ہوا تھا بالفاظ دیگر ہم امریکہ کی عالمی پالیسی کے آڑے آ رہے تھے۔ دوسرے امریکہ کا ہندوستان کی طرف بنیادی جھکاؤ تھا۔ ہم اب تک یہ نکتہ نہ سمجھ سکے کہ امریکہ ہمارا دوست بنا ہے تو اپنے مفاد کی خاطر۔ اس سے بغداد پیکٹ (جو عراق کی علیحدگی کے بعد سنٹو کہلایا) اور سیٹو میں پاکستان کو روس اور چین کے خلاف دائرہ ڈالنے میں استعمال کیا لیکن جہاں امریکہ کو روس سے کرشچوف کے توسط سے بقائے باہمی کے تعلقات قائم ہونے کے بعد سنٹو میں کوئی دلچسپی نہ رہی اور وہ اپنی موت آپ مر گیا' وہاں سیٹو کو ہماری چین دوستی نے امریکہ کے لئے بیکار کر دیا تو امریکہ ہمارے لئے کیوں گرم جوشی کے جذبات کا بوجھ اٹھاتا۔

پھر امریکہ لاکھ اپنے مفاد کی خاطر پاکستان کا دوست بنے وہ کبھی ہندوستان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہندوستان بہت بڑا علاقہ ہے' بہت اہم جگہ واقع ہے' اس کی چین کے بعد سب سے زیادہ آبادی ہے' وہ مغرب کا پیرو ہے اور اس کی تہذیب اس کے جمہوری اور سیکولر اداروں کو اپنا نا ہے۔ گویا وہ نظریاتی طور پر مغرب کا تابع ہے پھر وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس میں ایک وزن ہے جو کسی ایک طاقت کے پلڑے میں ڈال کر اسے اس کے مدِ مخالف کے خلاف زیادہ وزن دار بنا سکتا ہے۔ امریکہ ایسی طاقت کو ہرگز نہ چھوڑے گا۔ بعینہٖ یہی وجوہات روس کو ہندوستان کا علم بردار بناتی ہیں۔ دونوں سپر طاقتیں اس امر پر متفق ہیں کہ ہندوستان کی سالمیت کو کسی طرح گزند نہ پہنچے یعنی دونوں نے ہندوستان کی جغرافیائی سالمیت کی از خود ضمانت دی ہوئی ہے اور ذمہ داری لے رکھی ہے۔

اس کے خلاف پاکستان کی سالمیت کی کوئی ضمانت نہیں۔ ہندوستان نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا تو جہاں روس نے دوستی کے معاہدے کے تحت دہلی کی پوری مدد کی وہاں امریکہ نے ہماری مدد کے لئے اپنی چھنگلیا تک نہیں اٹھائی۔ یہ ہے سپر طاقتوں کی نظر میں دو ملکوں کا فرق۔ اس لئے ہندوستان میں خالصتان کا مطالبہ ہو یا ناگاؤں کی بغاوت' مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں یا سکھوں کے خون کی' امریکہ اور روس' ہندوستان کے معاملات میں "انسانی حقوق" کے نام پر مداخلت تو کجا اسے نیک نام رکھنے کے لئے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے خطاب سے نوازتے رہیں گے۔ یہ ہماری کم فہمی تھی کہ ہم نے سمجھا کہ اگر امریکہ ہمارا دوست بن گیا ہے تو وہ روس کے خلاف ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے خلاف بھی ہماری مدد کرے

Marfat.com

گا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں اسلحہ کی فراہمی کو مشروط رکھا کہ وہ صرف کمیونسٹ طاقتوں کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔

امریکہ کی پاکستان سے موجودہ دوستی کا محور افغانستان کی صورتحال ہے۔ پاکستان کے بغیر وہ روس کی بحیرہ عرب تک جہاں سے اس کو اور اس کے حلیفوں کو تیل پہنچتا ہے' پیش قدمی کو نہیں روک سکتا۔ اس میں کیا شک ہے کہ امریکہ کے افغانستان پر روسی حملے کا یہ شدید ردِّعمل ہمیں راس ہے' افغان مجاہدین پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں ورنہ خدانخواستہ اگر وہ اپنے حملہ آوروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے تو روس کا اگلا نشانہ پاکستان ہوتا۔ اس لئے امریکہ جتنی بھی مجاہدین کو مدد دے ہمارے مفادات کو سازگار ہے۔ پاکستان کے لئے بہرحال امریکی تعلقات ضروری ہیں اور وہ میرے خیال میں مضبوط تر بنیادوں پر قائم ہیں کہ وہ اب صدر ایوب کے دور کی طرح جذبات پر مبنی نہیں بلکہ حقیقت پسندی پر استوار ہیں۔ اسی حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ اگلے چھ سالہ اقتصادی و عسکری امداد کا منصوبہ کم و کاست منظور ہو اور اس پر بھی سمنگٹن قانون کے اطلاق کے تعطل کی میعاد پہلے کی طرح دو سال کی بجائے چھ سال ہو۔ اس ضمن میں ہمارے نیوکلیئر پروگرام کا سوال اٹھایا گیا ہے۔ مشاہد حسین' کلدیپ نیر کے "سکوپ" کو خوب اچھالا گیا ہے۔ سینیٹر گلن نے کہا کہ اگر پاکستان بم بناتا ہے تو ہندوستان بھی "بم" بنائے گا اور اسی ایٹمی دوڑ سے جنوبی ایشیا بلکہ عالمی امن تہ و بالا ہو جائے گا۔ چنانچہ سینیٹر گلن کے خدشات کو ٹھیک ثابت کرنے کے لئے انہیں خطوط پر پاکستان کے امدادی پروگرام کے خلاف دباؤ ڈالنے کے لئے جو اس وقت کانگریس میں منظوری کے لئے پیش ہے' ہندوستان کے وزیر دفاع نے بے دھڑک باقاعدہ لوک سبھا میں اعلان کر دیا کہ پاکستان کے "بم" کے مقابلے میں ہم بھی یہ اقدام اٹھانے والے ہیں۔ یہ صریحاً پراپیگنڈے کے ہتھکنڈے ہیں۔ یہ ایک پتھر سے دو پرندے مارنے ہیں۔ ایک تو وزیر اعظم راجیو گاندھی اپنی گھریلو مصیبتوں (آج کل وی پی سنگھ کا بہت چرچا ہے۔ انہوں نے حکومت کے مختلف محکموں میں گھمبیر کرپشن کی نشاندہی کر کے وزارت دفاع سے استعفیٰ دے دیا اور مہامنتری کی سیاسی ساکھ کو بٹہ لگایا) سے عوام کی توجہ ہٹانا چاہتے ہیں۔ دوسرے وہ پاکستان کے امدادی پروگرام کی منظوری کی راہ میں کانٹے بونا چاہتے ہیں۔ چونکہ اس وقت افغانستان کے معاملے میں ہم اسی کشتی میں سوار ہیں' جس میں امریکہ سوار ہے۔ وزیر اعظم جونیجو کو صدر ضیاء الحق کی 81ء کی روایت پر عمل کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہہ دینا چاہئے کہ جہاں نہ ہمارے پاس "بم" ہے اور نہ ہم اسے بنا رہے ہیں ہاں ہم اپنے پرامن نیوکلیئر پروگرام کی پیش رفت پر کوئی قدغن قبول نہ کریں گے (سرراہے کیا وزیر اعظم نے مشاہد حسین' کلدیپ نیر کے "سکوپ" جس نے ملک کے مفادات کو زبردست نقصان پہنچایا' کی تحقیقات کا حکم دیا ہے یا نہیں' یا یہ معاملہ بھی سربستہ راز ہی رہے گا)

Marfat.com

تیسری دنیا کے ممالک سے مخلصانہ تعلقات اہم اور ضروری ہیں اور اس حلقے کے اکثر ممالک سے ہمارے تعلقات اسی نوعیت کے ہیں۔ لیکن وہ اتنے با اثر نہیں کہ بالآخر فیصلے بڑی طاقتوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور بڑی طاقتیں وہ پانچ ممالک نہیں جنھیں سلامتی کونسل میں ویٹو حاصل ہے بلکہ وہ دو سپر طاقتیں امریکہ اور روس ہیں جو فیصلہ کن طاقت کی حامل ہیں۔ ان سپر طاقتوں کو اپنے اپنے پیرو ممالک کی جمعیت بھی حاصل ہے (امریکہ کے پیچھے مغربی یورپ کی نیٹو پاورز ہیں تو روس کے پیچھے اسکے مشرقی یورپ کے حاشیہ نشیں ممالک ہیں) اور ان کا حلقہ اثر و رسوخ پورے کرۂ ارض پر پھیلا ہوا ہے۔ اگر کسی مسئلے پر امریکہ کو اعتراض ہے تو وہ اسے ویٹو کے ذریعے ختم کروا سکتا ہے۔ اس نے اسرائیل پر پابندی یا جنوبی افریقہ کے اقتصادی بائیکاٹ کی تجویز کو اسی طرح آگے چلنے نہیں دیا جس طرح روس نے کمپوچیا اور افغانستان پر کسی مؤثر اقدام کی بحث کو روک دیا اور ایک سو بائیس ملکوں کے واویلے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس ماحول میں تیسری دنیا کی حیثیت مختلف نقطہ ہائے نگاہ کے نظری فروغ کے لئے ایک پلیٹ فارم کے سوا کچھ نہیں۔ اپنی عسکری حفاظت اور اقتصادی بہبود کے لئے انہیں اپنے علیحدہ بڑی طاقتوں سے دوطرفہ تعلقات پر ہی انحصار کرنا پڑا ہے۔ کیا کیوبا جو غیر جانبدار ملکوں کا سرپرست اعظم سمجھا جاتا ہے۔ روس کی پناہ کا محتاج نہیں۔ روس کی تائید کے بغیر وہ امریکی گھیرے میں ایک دن نہ گزار سکے۔ خود یوگو سلاویہ اور مصر جن کے سربراہوں ناصر مرحوم اور آنجہانی ٹیٹو نے اس تنظیم کی داغ بیل ڈالی تھی۔ امریکی مدد کے بغیر اپنی آزادی کو قائم نہ رکھ سکے۔

پھر بزعم خود برّ صغیر کی طاقت عظمیٰ ہندوستان کو لیجئے وہ تنظیم کا بانی ہی نہیں بلکہ اس کا کئی بار سربراہ رہ چکا ہے۔ اس کی حالت کیا ہے؟ کیا اس کا روس سے ملٹری معاہدہ نہیں۔ نام نہاد معاہدہ دوستی دراصل ملٹری معاہدہ ہے) تو ظاہر ہے کہ جوں جوں دنیا سمٹتی جاتی ہے اور طاقت چند ہاتھوں میں سکڑتی جاتی ہے، توں توں تیسری دنیا اسی نسبت سے اپنی سیاسی اہمیت اور توازن کھوتی جا رہی ہے۔ شاید روزافزوں مشترکہ غربت ہی تیسری دنیا کا ایک موضوعی اثاثہ ہے جس پر اظہار خیال کی ضرورت ہے اور جو اسے قائم رکھتا ہے لیکن اس اثاثے کی تو خود تنظیم کے اراکین بیخ کنی کرنے پر تلے ہوئے ہیں جو انہیں اور امیر مغرب کی طرف مائل کرتے ہیں۔ اس لئے جہاں تک عمل سیاست و نتائج کا تعلق ہے تیسری دنیا کے وجود کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ شروع میں تیسری دنیا کے اجتماع کا کچھ زور تھا۔ نہ صرف اس میں دنیا کی معروف شخصیتیں شامل تھیں۔ ٹیٹو، ناصر نہرو بلکہ نسبتاً احساس کمتری کی حالت میں روس بھی اس کی پشت و پناہ بنا ہوا تھا۔ یہ منظر امریکہ کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا اور بہت با اثر امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ ڈلز نے واشگاف الفاظ میں ممالک عالم کو تنبیہ کی تھی کہ جو ہمارے ساتھ نہیں وہ ہمارے خلاف ہے یعنی غیر جانبداری کا درمیانی راستہ جو بظاہر تیسری دنیا نے اپنایا ہے، محض ڈھونگ ہے۔ کچھ ہی دنوں بعد روس نے بھی اس ڈھونگ کا پول

Marfat.com

کھول دیا۔ بلغراد میں جمع ہوئے غیر جانبدار ملکوں کی تنظیم کے بڑوں نے دو سپر طاقتوں کے درمیان اپنی ثالثی کے زعم میں روس کے فضائی ایٹمی دھماکوں کے پروگرام کے خلاف قرارداد پاس کی لیکن کرشچوف نے اس درخواست کا اس طرح جواب دیا کہ فوری طور پر آٹھ دس تابڑتوڑ دھماکے کر ڈالے۔ جب امریکہ نے دیکھا کہ تنظیم کی کوئی وقعت نہیں رہی تو اس نے اس کے خلاف اپنا غصہ تھوک دیا اور اس کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کر دی اور تیسری دنیا کا مفہوم دراصل تیسرے درجے کی اقوام کا اکٹھ بن گیا اور رنگ و نسل کی حامی مغربی قوتیں اس قسم کی درجہ بندی کے قطعاً خلاف نہیں۔ ایاز قدرے خود بشناس! اور آج اسے وہ پوزیشن بھی حاصل نہیں جو اسے بیس سال پہلے حاصل تھی بلکہ ان ملکوں کی بھی حالت کمزور پڑ گئی ہے جو کل تک عالمی طاقتیں کہلاتے تھے۔ اس حقیقت کی ایک مثال یہ ہے کہ جب سال دو سال پہلے یورپ کی تین چار طاقتوں نے مل کر روس سے سائبیریا کے مغربی ملکوں تک گیس پائپ لائن بچھانے کا ایک معاہدہ کیا تو ان کا خیال تھا کہ انہوں نے آزادانہ طور پر بہت بڑا اقتصادی تیر مارا ہے لیکن چونکہ معاہدہ امریکہ کی اجازت و رضامندی کے بغیر ہوا تھا اور پائپ نصب کرنے کا سامان وہیں سے آنا تھا' واشنگٹن نے بیک جنبش قلم اپنی تعمیراتی کمپنیوں کو ہدایت کر دی کہ مال سپلائی نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ یورپی طاقتیں ایک دوسرے کا منہ تکتی رہ گئیں اور روس بھی زبان نہ ہلا سکا۔ پھر بڑی منت و سماجت کے بعد وہائٹ ہاؤس اثباتی اشارہ دینے پر تیار ہوا اور کام شروع ہو سکا۔ جب ملکوں میں طاقتی توازن کی یہ حالت ہو تو ان میں برابری کی کہاں گنجائش ہے۔

کامیاب خارجہ پالیسی کا انحصار ٹھیٹھ ملکی و قومی مفادات کی اتھاہ فہم اور بے تکان نگرانی پر ہوتا ہے۔ بے شک جذبات اور نظریات بھی کارفرما ہو سکتے ہیں۔ لیکن اسی حد تک ان کا عنصر شامل حال و عمل ہوتا ہے جہاں تک وہ ملکی و قومی مفادات کی استواری میں ممد و معاون ہوں۔ اس کے خلاف اگر وہ ملکی و قومی مفادات ہم آہنگ نہ ہوں تو کوئی حقیقت پسند حکومت انہیں نظرانداز کرنے میں پس و پیش نہیں کرتی۔ اس طرح دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات بعض بظاہر ہم نظریاتی ممالک اپنے مفادات کی کشاکش میں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور میدان جنگ میں اتر آئے۔ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے انگلستان اور امریکہ کو اپنے مشترکہ نظریاتی حریف روس کے خلاف بھڑکانے کی جان توڑ کر کوشش کی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے اوّلین دور میں اس کی روس پر یورش اتنی قوی امید پر منحصر تھی کہ اس طرح وہ ہم مذہب ہمسایہ ملکوں کی حمایت و ہمدردیاں حاصل کر کے کمیونسٹ سوویت یونین کے خلاف مغربی دنیا کا ہیرو بن جائے گا۔ لیکن قطعاً ایسا نہ ہوا۔ اس کا نظریاتی مغالطہ اسے مہنگا پڑا۔ مغرب نے پوری طاقت سے جرمنی کے خلاف روس کا ساتھ دیا اور اسے شکست دینے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا۔ حالانکہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرقی یورپ مغربی تہذیب کے دائرے سے نکل کر روس کی گود میں چلا گیا۔ اس طرح انگریزوں اور

Marfat.com

فرانسیسیوں سے مل کر عربوں نے ترکی کے خلاف علم بغاوت اٹھایا۔ ترکی کو اس بغاوت کا ضرور سخت نقصان پہنچا لیکن عربوں کے بھی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پہلے تو وہ عرصے تک یورپی طاقتوں کے دست نگر رہے پھر انہوں نے فلسطین کو کھو دیا۔ ترکی کے تحت فلسطین کم از کم مسلمانوں کی تحویل میں تو تھا اور نہ صرف اس اہم متبرک علاقے کا بڑا حصہ یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا بلکہ وہاں سے عرب نکالے گئے اور قریب چالیس سال ہونے کو آئے ہیں اور وہ در بدر مہاجرین کی صورت میں پھر رہے ہیں۔ نہ کوئی عرب مسلم ملک انہیں اپنے ہاں بسنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ انہیں اپنی گم گشتہ سرزمین کا ایک ٹکڑا نصیب ہو رہا ہے جسے وہ اپنا گھر کہہ سکیں اور جہاں وہ آزادی کی زندگی بسر کر سکیں۔ پھر پچھلے چھ سالوں سے دو مسلمان ہمسایہ ملکوں ایران و عراق میں جنگ جاری ہے جس میں لاکھوں مسلمان زخمی اور ہزاروں لقمۂ اجل ہی نہیں ہوئے بلکہ جس پر اغیار سے اسلحہ کی خریداری کا اتنا بھاری بوجھ پڑا ہے کہ ان کی اقتصادیات تباہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ اس جنگ کا سب سے بڑا فائدہ اسرائیل کو پہنچا ہے جسے دونوں متحارب مسلم ممالک نیست و نابود کر دینے کے عزم کا اظہار اور ادعا کرتے ہیں۔ پھر کہنے کو تو نیٹو پاور ز اور وار سا پاور ز علی الترتیب نظریاتی بنیادوں پر امریکہ اور روس سے منسلک ہیں، لیکن دراصل وہ اپنے اپنے تحفظ کے لئے واشنگٹن اور ماسکو کی زلفوں کے اسیر ہیں۔ اس بظاہر تضاد کی وجہ یہ ہے کہ قوموں کا رخ و مزاج تاریخ متعین کرتی ہے۔ افراد کی یادداشتیں فراموشی کے پردے میں چھپ جائیں، گم ہو جائیں لیکن قوموں کی یادداشتیں طویل، انمٹ اور لافانی ہوتی ہیں اور ان کے ماضی کے تجربات و آزمائشیں، جذبات و حسیات امیدیں اور ارادے جن کی چھاپ نسل بعد نسل دلوں پر لگتی جاتی ہے ان کے وجدان و میلانات، ذوق و شوق نظر و فکر، اعمال و افعال کے محرکات مہیا کرتے ہیں۔ جن کی چنگاری ذرا سی حوصلہ افزاء فضا میں شعلۂ جوالا بننے کی قوت رکھتی ہے۔ انہی یادداشتوں کے سوتوں سے ان کے مستقبل کے فوارے رقصاں ہوتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جرمنی، فرانس اور انگلستان نے اپنی باہمی مخاصمتوں کو بھلا دیا ہے۔ آئے دن چھوٹی سی انگیخت پر وہ ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے سے نہیں ہچکچاتے۔

جرمنی کے خلاف فرانس اور انگلستان کا پلہ اس لئے بھاری ہوتا ہے کہ جنگ عظیم کے سابقہ حلیفوں نے جرمنی کو اپنی شکست بھولنے کا موقع نہیں دیا۔ اور نازی ازم کے مظالم کے طعنے کی تلوار اس کے سر پر سدا سے لٹک رہی ہے اور جس کے مستقل معلق رہنے کا اہتمام دنیائے یہود نے بدرجہ اتم کیا ہوا ہے۔ پھر عربوں نے ترکوں کے لمبے دور حکومت کو ابھی تک پوری طرح نہیں بخشا اور ایران اور عراق بھی عصبیت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ کچھ سال ہوئے کہ اردن کے ولی عہد شہزادہ حسن پاکستان تشریف لائے اور انہوں نے لاہور کی سٹاف اکیڈمی میں شہر کے چیدہ چیدہ اصحاب کو مشرق وسطیٰ کی صورتحال پر خطاب کیا۔ چونکہ شہزادہ حسن علم دوست انسان ہیں اور عالمی حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں ان کا خطبہ بہت عالمانہ تھا۔

Marfat.com

اس میں انہوں نے حالات کی تصویر کشی کرتے ہوئے بتایا کہ اب اسرائیل نے اپنے اندر اتنی قوت پیدا کر لی ہے کہ عرب ممالک انفرادی یا اجتماعی طور پر اس کے مدّ مقابل نہیں آ سکتے۔ اور مسلمانان عالم کو اس بحران کے حل کے لئے سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے۔ یہ بہت تشویش ناک بیان تھا' جب خطبے کے بعد انہوں نے سوالوں کی اجازت دی تو میں نے ادب سے عرض کیا کہ اسرائیل کی قوت کے پیمانے کا مقابلہ (جس کے پیچھے امریکہ کی بھرپور عالمی طاقت کھڑی ہوئی ہے) اسی قوت کے پیمانے کے بروئے کار لانے سے ہو سکتا ہے جس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ کل مشرق وسطیٰ کے ممالک جو پاکستان سے لے کر مراکش تک پھیلے ہوئے ہیں ایک وحدت میں مربوط ہوں لیکن اگر اس علاقے کو عرب و عجم کے حصوں میں بانٹ دیا گیا جیسا کہ عرب ممالک خاص طور پر اردن' عراق کی طرفداری میں کر رہے ہیں تو اسرائیل کی جارحیت کا کیا مداوا ہو سکتا ہے۔ شہزادہ حسن نے میرے چبھتے ہوئے سوال کو کمال توجہ و تحمل سے سنا لیکن کوئی جواب نہ دیا البتہ اجلاس کے بعد ڈنر پر شہزادہ حسن نے میزبانوں سے مجھے اپنی میز پر مدعو کرنے کی فرمائش کی اور ہم ایک گھنٹے تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔

تو کیا اس کا مطلب ہے کہ نظریاتی بنیادوں پر عالم اسلام کی تنظیم کا خواب تشنہ تعبیر رہے گا؟ میں اس کا جواب نفی میں دوں گا۔ کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ عالم اسلام ایک تنظیمی لڑی میں پرویا رہا ہے۔ عالم اسلام چرچ اور مذہبیت کی بنا پر عظیم الشان سلطنت نہیں بنا تھا بلکہ سیاسی قوت اور مشترکہ قانون کے نفوذ اور بالادستی پر۔ پھر یہ بھی حتمی بات ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بلاکوں' امریکہ روس چین اور ہندوستان میں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی صورت میں گھری بنی ہوئی اسلامی دنیا اپنے بچاؤ اور قیام کے قطعاً نا اہل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑی طاقت کے قالب میں ڈھلے بغیر عالم اسلام دوسری طاقتوں کا مقابلہ تو کیا ان کے اثر و رسوخ کی مزاحمت بھی نہیں کر سکتا۔ فی زمانہ بڑی طاقت کا یہی مطلب نہیں کہ وہ بجائے خویش طاقتور ہو (بڑی طاقت کی مجرّد خصوصیات یہ ہیں کہ وہ ایک بڑے علاقے پر محیط ہو' بڑی آبادی کا مسکن ہو' قدرتی ذخائر سے مالا مال ہو' علم سے مزیّن ہو' سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی رفتار سے ہمہ وقت ہم گام ہو) بلکہ یہ بھی کہ گرد و نواح کے جغرافیے کے کم تر ممالک اس کے زیر اثر ہوں اور ان میں کسی ملک کو جرأت نہ ہو کہ اپنی ہمسایہ بڑی طاقت کی عالمی پالیسی کے خلاف کوئی مؤقف اپنا سکے۔ بڑی طاقت کی اسی تعریف کے مطابق جنوبی امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک ریاست ہائے متحدہ کے حلقہ بگوش اور مشرقی یورپ اور مشرق بعید کے کچھ ممالک روس کے دائرہ اثر میں داخل ہیں۔ چین ان دو طاقتوں سے کمزور تر ہے لیکن وہ ایک بڑی طاقت کی سب صفات سے متصف ہے اور وہ بھی اپنے اثر و رسوخ کو پھیلانے کی کوشش کرے تو تعجب انگیز نہ ہو گا۔ رہ گیا ہندوستان تو وہ اپنے آپ کو برصغیر کی طاقت عظمیٰ منوانے کی دھن میں غلطاں و پیچاں ہے اور اسے پاکستان سے یہی کد ہے کہ وہ اس کے تار عنکبوت میں داخل ہونے کو آمادہ نہیں۔

پاکستان برصغیر میں اس لئے بھی آزاد اور مطلق العنان رہنا چاہتا ہے کہ ایک مسلم مملکت ہونے کے اعتبار سے اس کا تمام ترمیلان مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کی طرف ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران ہی

Marfat.com

گاندھی نے قائداعظم سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ کیا پاکستان کا مطلب پین اسلام ہے۔ قائداعظمؒ نے پاکستان کے آئندہ عالمی رول کی نشاندہی 43ء میں علامہ اقبالؒ کے مزار پر ایک مختصر سے جملے میں کی۔ انہوں نے فرمایا "عالم اسلام کے اتحاد کی کنجی پاکستان کے ہاتھ میں ہوگی"۔

علامہ اقبالؒ کی تلقین کے مطابق بھی مسلمان اپنی موجود "کشت ویران" سے مایوس ہونے کے مجاز نہیں۔ تلک الایام نداولھا بین الناس، لیکن اس صورتحال سے بہرحال دوچار ہونا ضروری ہے کہ مشرق وسطیٰ (اس وقت یہی مسلم علاقہ) جغرافیائی الحاق وابستگی کی نعمت سے سرفراز ہے) نہ صرف چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا ہے جو خود کفیل ہی نہیں بلکہ اپنی اپنی قومی عصبیتوں میں مگن ہیں اور اس لئے ہر بڑی طاقت کے مقابلے میں کمزور ہے اور ایک نہ ایک دن بڑی طاقت کی مدد کا محتاج ہے بلکہ اس کے اندر اسرائیل کا ناسور پھل پھول رہا ہے۔ ایسے کٹے پھٹے منقسم علاقے پر بڑی طاقتوں کی نظر لگی ہو تو تعجب کی کونسی بات ہے۔ امریکہ نے پہلے ہی اسرائیل کے وجود میں مشرق وسطیٰ میں اپنی چھاؤنی قائم کر دی ہے۔ روس بھی اس تلاش میں ہے کہ اسے وہاں قدم جمانے کا موقع ملے۔ پھر معاملہ بڑی طاقتوں تک ہی محدود نہیں۔ ہندوستان بھی مشرق وسطیٰ پر نظریں گاڑے ہوئے ہے۔ آخر کار انگریزوں نے مشرق وسطیٰ پر ہندوستان کی پناہ گاہ سے ہی اپنا تحکم قائم کیا تھا اور ہندو اپنے آپ کو انگریزی سلطنت کا جانشین سمجھتا ہے۔ ان خطرات کے تناظر میں ہماری بے حسی وغفلت کا یہ عالم ہے کہ ایران عراق میں جنگ جاری ہے۔ ایسے میں اسلام کا نعرہ، اسلامی کانفرنس کا انعقاد، نظریاتی تعلّقات کے جواز پر بحث ومناظرہ، دور از کار ہے۔

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو تاریخی، تہذیبی اور سیاسی جغرافیائی لحاظ سے یہ مسلم علاقہ کسی بڑی طاقت کا لقمۂ تر بننے کی خاصیت نہیں رکھتا۔ جس مزاحمت کا افغان مجاہدین نے روسی افواج کے مقابلے میں مظاہرہ کیا ہے وہ یہ صداقت ثابت کرنے کو کافی ہے۔

کیونکر خس وخاشاک سے دب جائے مسلماں
مانا وہ تب وتاب نہیں اس کے شرر میں

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک بڑی طاقت بنے بغیر مسلم مشرق وسطیٰ کے ممالک غیر معیّنہ عرصے تک اپنی مطلق العنانیت قائم نہ رکھ سکیں گے۔ عالم اسلام کا مستقبل ومقدر اس کی عظمت کے حصول میں مضمر ہے۔ اب یہ علاقہ عظیم بنے تو کیونکر؟ اس کا سادہ سا جواب ہے اور وہ یہ کہ اس علاقے کے ممالک آپس میں مدغم ہو جائیں لیکن یہ پیش رفت تب تک وقوع پذیر نہ ہوگی جب تک اس علاقے کے لوگوں میں بڑی طاقتوں کے ہاتھوں اپنے ختم ہو جانے کا خوف واحساس نہ پیدا ہو گا۔ وہی خوف واحساس جو برصغیر کے مسلمانوں میں ہندوؤں کے تغلب، تحکم، اجارہ داری اور بالادستی کے خلاف پیدا ہوا تھا اور جس نے لسانی اور علاقائی عصبیتوں کو مٹا کر مسلمانوں کے منتشر شیرازے کو مسلم قومیت کی بنیاد مرصوص بنا کر رکھ دیا تھا۔

Marfat.com

کیا المناک بات ہے کہ آج پاکستان میں ہم نے مسلم قومیت کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے انہیں لسانی اور علاقائی بتوں کو تنگ نایئوں کے مقدر میں لا سجایا ہے جنھیں مسمار کر کے ہم نے انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے نجات پائی تھی اور ہمیں دولت خداداد پاکستان ملی تھی۔ جب قائداعظمؒ نے یہ فرمایا تھا کہ عالم اسلام کے اتحاد کی کنجی پاکستان کے ہاتھ میں ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ ہم نے جو مسلم قومیت کی دوا سے اپنے درد کا درماں برصغیر میں ڈھونڈا ہے وہی دوا ہم عالم اسلام کے ممالک کو پیش کریں۔ وہ بھی اپنی مصری 'ایرانی' عراقی' شامی وغیرہ وغیرہ قومیتیں فراموش کر کے مسلم قومیت کے وسیع احاطے میں جمع ہو جائیں اور اپنے لئے ایسی عظیم مملکت کی بنیاد ڈالیں جس پر امریکہ اور روس کو بھی رشک آئے۔ مسلم مشرق وسطٰی میں سب کچھ ہے' وسیع و عریض علاقہ ہے' کثیر آبادی ہے اور اب تو تیل کی برکت سے دولت بھی ہے۔ پھر بھی ہم دریوزہ گر بیگانہ ہیں کہ ہم نے اپنی طاقت اور عظمت کا دامن چاک کر کے رکھ دیا ہے۔ اگر برصغیر کے مسلمان ایک تاریک مستقبل سے بچنے کے لئے اپنی جبلی قیود کو پھلانگ کر متحد ہو گئے تھے اور انہوں نے صوبائی وفاداریوں کو ترک کر کے مسلم قومیت اختیار کر لی تھی تو مشرق وسطٰی کی عربی اور عجمی اقوام اس سے تاریک تر مستقبل کے دہانے پر کھڑی ہیں۔ نظریاتی واسطہ غیر متعلقہ نہیں ہے لیکن دراصل سیاسی ادراک جو مسلمانوں کو بڑی طاقتوں کی زیردستی سے بچا سکتا ہے۔ اس سیاسی ادراک کے نفوذ کا فریضہ وہی پاک باز' تیز نگاہ' دوررس اور نکتہ داں مومن سرانجام دے سکتا ہے جو ہر دنیاوی طمع و حرص سے بلند ہو' جس کی نظر مسلمانوں کی نیک آخرت پر لگی ہو۔ برصغیر میں ہمیں ایسا قائد مل گیا اور ہمارا بیڑا پار ہو گیا۔ قائداعظمؒ نے نظریاتی موشگافیوں سے مسلمانوں کے فلاح کی راہ تلاش نہیں کی' انہوں نے سیاسی شعور' سیاسی تدبیروں اور سیاسی منصوبوں سے قوم کو کامرانی کی راہ پر ڈالا۔ کیا مشرق وسطٰی پر ابتلا کے اتنے گھنا ٹوپ بادل نہیں چھائے ہوئے کہ یہاں بھی اب کوئی صاحب نظر اور صاحب ادراک پیدا ہو! اس علاقے کی خیر یہاں کے زعما کی سیاسی بصیرت وصلاحیت پر منحصر ہے۔ سیاسی نجات حاصل ہو جائے تو نظریاتی بحثوں کے لئے بہت فرصت مل جائے گی۔ مسلمان تو نماز بھی تلواروں کے سائے میں پڑھتا ہے۔ طاقت کے بغیر سب ہیچ ہے۔ لیس الا بسلطان - وہ نظریہ ہو یا کچھ اور' تو میں عرض کروں گا کہ اسلامی برادری کا مستقبل روشن ہے ، بشرطیکہ ہم مسلم قومیت کی صراط مستقیم اختیار کریں اور اس طرح اپنے اتحاد کے لئے عملی قدم اٹھائیں۔

Marfat.com

Marfat.com

# تخریب کاری یا کھلی جنگ

صدر ضیاء الحق نے اس ہولناک سلسلہ تخریب کاری پر جو پشاور سے شروع ہو کر راولپنڈی 'لاہور اور کراچی میں ستر جانوں کی سفاکانہ تباہی پر منتج ہوا۔ ایک دو ٹوک بیان دیا ہے جو انتہائی اہمیت اور غور و فکر کا متقاضی ہے' انہوں نے ایک تو فرمایا کہ یہ تخریب کا سلسلہ براہ راست ہماری افغان پالیسی کا نتیجہ ہے' دوسرے انہوں نے قوم کو یہ وارننگ دی کہ یہ ابھی شروعات ہی ہیں اور یہ سلسلہ دراز ہو سکتا ہے۔ یہ پہلی بار ہے کہ صدر موصوف نے اتنی کھل کر بات کی اور عوام کو اپنے اعتماد میں لیا۔ وجہ صاف ہے کہ تخریب کاری کے واقعات میں نہ صرف دن بدن اضافہ ہوا ہے اور وہ ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں۔ بلکہ ان پر بآسانی قابو بھی نہیں پایا جا سکتا کہ ان کی روک تھام کے لئے کوئی یقین دہانی کرائی جا سکے۔ صدر ضیاء الحق کے واشگاف بیان کا ایک سطحی ردِ عمل تو یہ ہوا کہ بعض مخالف مکاتب فکر نے کہنا شروع کر دیا کہ اگر ہماری افغان پالیسی کے یہی مؤثرات ہیں تو اس پالیسی کو ہی بدل دو۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس پالیسی کو ترک کر دیں تو کیا کریں؟ اس کا ایک ہی جواب اور بدل ہے کہ ماسکو اور کابل کے سامنے سرنڈر کر دو' ان کے احکام بجا لاؤ اور ان کے دائرہ اثر میں ضم ہو جاؤ۔

اب بالآخر آٹھ سال کی جدوجہد اور بعد از خرابی بسیار 'یہی کچھ کرنا تھا تو قوم بلکہ تاریخ یہ پوچھنے کا حق رکھے گی کہ ایسی پالیسی کیوں اختیار کی گئی جس کا منتہائے مقصود صفر تھا۔ آج پاکستان اور خاص طور پر آزاد کشمیری اس وقت کو روتے ہیں جب کشمیر میں سیزفائر یعنی جنگ بندی ہوئی تھی کہ اس کا مطلب تھا کہ ہم نے جیتی ہوئی جنگ کو ہار دیا' اور اپنی یقینی فتح کو کمزور دل سیاستدانوں کی کوتاہ بینی کی نذر کر دیا۔ نتیجہ یہ

Marfat.com

ہوا کہ غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے لئے ہندوستانی وعدے اور اقوام متحدہ کی کمٹ منٹ تو خاک میں مل گئی ہے اور دہلی نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کو آزاد کشمیر میں پاکستانی اثر ورسوخ کے انخلاء سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس علاقے کو خالی کر دو' یہ بھارت کا اٹوٹ انگ ہے جسے ناجائز طور پر ہم نے ہتھیالیا ہے' افغانستان پر پاکستان کی مزاحمت کی پالیسی کو ترک کرنے کا اس سے کہیں زیادہ سنگین حشر ہو گا کہ ہندوستان تو پھر بھی لائن پر کھڑا ہو گیا ہے جس سے آگے ہمارے جیالے سرفروش سپاہی اسے آگے سرکنے کی اجازت نہیں دیتے لیکن افغانستان کے محاذ کو چھوڑنے کے بعد ہم جدید ترین اسلحہ سے مسلح روسی افواج کی یورش کے سامنے اسی طرح بھاگنے پر مجبور ہونگے جس طرح افغان مہاجرین۔ فرق صرف یہ ہو گا کہ ان کے پاؤں تلے تو آزاد پاکستان کی سرزمین آگئی تھی لیکن ہمارے سامنے بحیرۂ عرب کا پانی ہو گا جس پر پیر ٹک نہیں سکتے اور دوسری طرف مڑے تو ہندوؤں کی غلامی کا بھیانک بھوت ہمارے انتظار میں کھڑا ہو گا' دراصل پاکستان روس کے ایک مہیب منصوبے سے درپیش ہے۔ جب ماسکو نے افغانستان پر دسمبر 79ء میں فوجی چڑھائی کی تھی اور کابل میں اپنی پٹھو گورنمنٹ قائم کی تھی تو روسی سربراہ نے اپنے عمل کی یہ توجیہہ دی کہ اس کا مقصود سوویت یونین کی جنوبی سرحد کی حفاظت ہے جو اس کے ''نرم پیٹ'' یعنی اسلامی علاقے پر واقع ہے جہاں سے وسط ایشیا کی مسلم مملکتیں' ایران کے اسلامی انقلاب اور پاکستان کی نفاذ اسلام کی تحریک سے متاثر ہو کر روسی سلطنت کے لئے خطرہ بن سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی نگاہ میں اس خطرے کا اسی طرح توڑ کیا جا سکتا ہے کہ ارد گرد کی مسلم مملکتوں کو زیر نگیں لایا جائے۔ اس فہرست میں پہلا نمبر افغانستان کا تھا چنانچہ اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ دوسرے نمبر پر یہی منطقی قیاس ہو سکتا ہے کہ پاکستان ہو گا خصوصاً اس لئے کہ ماسکو کے حکمرانوں کی یہ دیرینہ تاریخی خواہش اور اسکیم ہے کہ درۂ خیبر کی راہ بحیرہ عرب کے گرم پانی تک پہنچا جائے، لیکن ہوا یہ ہے کہ افغانستان کو ہی ہضم کرنا مشکل ہو گیا اور روس کی راہ میں یہ مشکل پاکستان کی وجہ سے پیدا ہوئی جس نے نہ صرف تیس لاکھ افغان مہاجرین کو اسلامی جذبۂ حمیت و ہمدردی سے عافیت و پناہ مہیّا کی۔ بلکہ مجاہدین آزادی کے مشن کی پوری تائید و حمایت کی اور اس کے لئے عالمی سطح پر افغانستان کی آزادی کی مہم چلائی۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہر بین الاقوامی ادارے نے روس کی جارحیت کی پرزور مذمت کی بلکہ مسلسل سال بہ سال ان کے خلاف قرار دادیں پاس کیں۔ جہاں تنظیم اسلامی کانفرنس' غیر جانبدار تحریک کلیتہً آزادی افغانستان کے حق میں ہیں (ہندوؤں کو بھی' جو روس کا حلیف ہے کھلے طور پر اس تحریک کی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی) وہاں اقوام متحدہ کے 122 ممالک افغانستان سے روسی افواج کے اخراج کا بار بار مطالبہ کر چکے ہیں۔ پاکستان کا مؤقف اسلامی و اخلاقی اقدار پر مبنی تھا لیکن اس سے بھی وزنی وجہ یہ تھی کہ مجاہدین افغانستان پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ خدانخواستہ اگر وہ شکست کھا جاتے یا کھا جائیں تو روس کا اگلا نشانہ پاکستان ہو گا' تو بغیر کسی ایس و آس کے افغانستان کی

Marfat.com

جنگ پاکستان کے وجود و سلامتی کی جنگ ہے اور اس کے حوالے سے حقیقتاً جو جدوجہد افغانستان کو آزاد کرانے کے لئے ہو رہی ہے ، وہ دنیائے اسلامی کی تاریخ کا فیصلہ کن باب ہے۔ یہ جنگ جغرافیائی سیاسی کشمکش سے زیادہ دو نظریاتی تہذیبوں کے ٹکراؤ کا مظہر ہے۔ یہ عجب صورتحال ہے کہ جہاں ساٹھ سالہ نوخیز کمیونسٹ انقلاب ( جو کئی مملکتوں بلکہ سلطنتوں پر محیط ہے ) روحانی یعنی داخلی بالیدگی کے اعتبار سے زوال پذیر ہے اور اب روس کے سپر پاور ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت تو ہے لیکن اس کا نظریاتی کرشمہ ماند پڑ گیا ہے۔ وہاں طاقتی لحاظ سے بظاہر کمزور چودہ سو سالہ معمر اسلام (اس وقت دنیا میں کوئی ایسی مملکت نہیں جسے بڑی طاقتوں میں شمار کیا جا سکے ) روحانی طور پر ایسی ناقابل مزاحمت قوت کا مظاہرہ کر رہا ہے کہ "میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو" کا منظر نظر آ رہا ہے۔ اور کرۂ ارض کا کوئی کونہ نہیں جہاں وہ برسر احیاء اور موجزن نہ ہو خواہ وہ قطعہ ارض کسی مسلم مملکت کا حصہ ہو یا نہ ہو' اس طرح سوویت یونین کی مضمحل مگر سوار بر دوش طاقت سلطنت نظریاتی لہر' توحید میں گرم جوش حاملان اسلام کی مدار بر قوت حیدری نظریاتی لہر آپس میں متصادم ہیں' ان کے تصادم کا محل وقوع وہ سلسلہ زمین ہے جو افغانستان و پاکستان اور گردونواح کی مسلم آبادیوں اور بستیوں سے عبارت ہے' اس تصادم کا نتیجہ تاریخ ساز ہو گا' اس پورے ایشیائی علاقے میں اسلام کا مستقبل اس نتیجے سے وابستہ ہو گا اس لئے دراصل تخریب کاری کی آڑ میں ہم ایک فیصلہ کن جنگ سے دوچار ہیں' اور ہم اس جنگ کو جیتے بغیر ایک آزاد قوم کی صورت زندہ نہیں رہ سکتے!

اس اسلام اور کفر کے تصادم کے ثبوت میں ایک بیان وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی طرف سے بھی آیا ہے' اگر صدر ضیاء الحق نے پاکستان کی افغان پالیسی کو تخریب کاری کی وارداتوں کا محرک ٹھہرایا ہے تو وزیر اعظم نے ہندوستان میں تخریب کاروں کی تربیت کا تذکرہ کیا ہے' اس کا مطلب ہے کہ چونکہ بھارت روس کا حلیف ہے، پاکستان میں تخریب کاری کا مذموم مشن دونوں ملکوں کی مخلوط و مشترک کوششوں اور منصوبوں سے سرانجام دیا جا رہا ہے۔ بالالفاظ دیگر پاکستان کا مقابلہ دو محاذوں پر ہے وہ دو محاذوں کے گھیرے میں ہے' ہندوستان کا کسی ایسی مہم میں شامل ہو جانا جو روس نے براستہ کابل پاکستان کے خلاف چلائی ہو' قطعی فطری ہے کہ یہ مسلمان کے خلاف ہندو ذہنیت کا تاریخی کردار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے پاکستان کے آزاد اور خودمختار وجود کو کبھی دل سے تسلیم ہی نہیں کیا' اور یہی چیز شروع دن سے دونوں ملکوں میں آویزش اور مطمح نظر ہے اب ہر تہذیب کی فصل پیروکاران تہذیب کے عقائد کے بیج سے اگتی ہے' اس تہذیب کا اپنی اور غیر پیروکاران تہذیب کے متعلق قواعد و ضوابط کی درستگی مطمح نگاہ کی علوئیت اور انداز عمل کے صفات کا دارومدار اس کے عقائد کی نوعیت ظرف و وسعت پر ہے۔ ان کے تنگی ابالیان تہذیب کی ذہنیت میں بغض' جلن اور ضیق اور ان کی پہنائی سے ابالیان تہذیب کے ذہنوں

Marfat.com

میں جلا' عالی ظرفی اور کشائش پیدا ہوگی۔ اب ہمارا تاریخی مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ہندومت جو کسی خاص عقائد کے ذیل میں نہیں آتا اور اس میں ہر قسم کے نقطہ نظر کی گنجائش ہے جو اس کے اندر جذب ہو کر اپنا الگ بت تراش لیتا ہے یہاں کالی دیوی کی پوجا ہو سکتی ہے اور اس کی قربان گاہ پر انسانی خون بھی چڑھایا جا سکتا ہے تو تا گا دیوتا کے سامنے بھی سر جھکایا جا سکتا ہے۔ یہاں کرشن بھگوان کی بھی بندگی ہو سکتی ہے تو رسم و رواج توڑ کر دہریت اور الحاد کا بھی چولا پہنا جا سکتا ہے جیسا کہ پنڈت نہرو نے اپنی آزاد منشی و آزاد خیالی کے مظاہرے اور اعلان سے کیا' عبادت کی مختلف النوع اور متضاد اقسام کا یہ سلسلہ کتنا ہی دراز بلکہ لامتناہی کیوں نہ ہو' لیکن ہندومت دو بنیادی خصائص سے منضبط اور متحد ہے' اور وہ دو خصائص ہیں ذات پات اور برہمن کی بالائے تنقید بالادستی ایک ہندو اپنی پیدائش کی ذات کے حادثے کو بدلنے کی قوت نہیں رکھتا۔ وہ جس ذات میں پیدا ہوا ہے اسی ذات کی برادری میں تمام عمر گزارے گا۔ اور اگر اس کی ذات نیچ ہے تو نیچ رہے گا خواہ وہ زندگی میں کتنا ہی بڑا مقام کیوں نہ حاصل کر لے۔ ڈاکٹر امبیدکر اچھوت تھا۔ (وہ اس وقت' میں تیسرے اور چوتھے عشروں کا ذکر کر رہا ہوں۔ ساٹھ ملین اچھوتوں کا لیڈر تھا) اور بعد از آزادی حکومت ہند کا وزیر قانون بن کر ہندوستانی دستور کا مدون بنا' لیکن اس کا علم و فضل اس کی ذات نہ بدل سکا' وہ اچھوت کا اچھوت رہا اور اچھوت گاؤں میں عام ہندوؤں کے کنویں سے پانی بھی نہیں کھینچ سکتے۔ اس کے برعکس جواہر لال نہرو نے علی الاعلان اپنے آپ کو دہریہ اور منظم مذہبوں کا جانی دشمن بتایا لیکن وہ برہمن کا برہمن رہا اور اس کے مرنے پر وہ تمام رسوم ادا کی گئیں جو برہمنوں کے لئے مختص ہیں اور جن کے وہ سزاوار ہیں' صرف چونکہ وزیر اعظم مرا تھا ان رسوم کے پیمانے بڑے وسیع بلکہ بین الاقوامی تھے۔ ذات پات کی سنگلاخ فصیل کے پیچھے ہندومت کا محافظ برہمن ہے جو ہندو کی زندگی کا پیدائش سے لے کر موت تک اجارہ دار ہے' برہمن کی اچھا کے بغیر ہندو ایک قدم نہیں لے سکتا' سو ہندو تہذیب ایک ایسا قلعہ ہے جس کا انتظام و انصرام برہمن کے ہاتھ میں ہے۔ اور کوئی غیر اپنی انفرادیت قائم رکھ کر اس قلعہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابلے میں اسلام کا معبود مسلمانوں کا ہی اللہ نہیں' وہ رب العالمین ہے' وہ کل مخلوق عالم کا خالق اور پروردگار ہے۔ مسلمان اسے اپنی خصوصی اجارہ داری میں محدود مقید نہیں کر سکتے۔ وللہ المشرق والمغرب اسی لئے اسلام کے پیروکاروں کا مطمع نگاہ آفاقی اور عالمگیر تھا' وہ ذات پات کی قید سے پاک و منزہ مساوات کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے اور ان کا معیار بزرگی اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمایا تھا کہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (اللہ کے نزدیک تم میں بزرگ وہ ہے جو تم میں سب سے متقی ہو) مسلمانوں میں اس وسیع النظرفی اور آفاق تگی کے طفیل وہ روح حلول کر گئی تھی جو انہیں عالم معروف پر چھا جانے اور عالم مجہول کی کھوج لگانے پر اکساتی تھی۔ انہوں نے ایک طرف ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست کا مستانہ نعرہ لگایا تو دوسری طرف جستجو اور آگہی کے میدانوں کی پیائش کر کے

Marfat.com

فطرت کو مسخر کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور اس طرح زمانہ وسطیٰ میں یورپ کی تاریکی میں علم و سائنس کی روشنی پھیلائی۔ مسلمان دنیا میں یوں آناً فاناً پھیلے کہ اقوام عالم انگشت بدنداں رہ گئیں۔ انہوں نے مختلف ملکوں کو فتح کیا تو مختلف تہذیبوں سے ٹکر لی لیکن یہ تاریخ کا یکتا واقعہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کا ایک تہذیب سے سامنا ہوا جن میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ مسلمان ہندوؤں کے ذات پات کے قلعہ میں داخل نہ ہو سکتے تھے اس سے پہلے جہاں کہیں مسلمان گئے اگر ملکوں کو زیر کیا تو وہاں کے لوگوں سے سماجی میل جول بھی کیا اور اگر اپنے اقدار سے ان کے دلوں کو متاثر کیا تو ان کی تہذیب سے بھی اکتساب فیض کیا اسی بنا پر وہ یونانی حکماء و فلسفیوں کے وارث اور جانشین بنے اور ان کے متروکہ علم و حکمت کا احیاء کیا جس نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں کلیدی کردار ادا کیا لیکن ہندوستان میں اگر مسلمانوں نے بزور شمشیر اپنی حکومت قائم کی تھی تو اسے چلانا بھی بزور شمشیر پڑا۔ ہندومت نے ذات پات کی بنا پر مسلمانوں کو اپنے فاصلے پر رکھا تو مسلمان بھی اس کی ساحری سے مسحور نہ ہونے والے تھے چنانچہ ایک ہزار سال یہ دو تہذیبیں متوازی خطوط پر چلتی رہیں۔ ہندوؤں کے لئے بھی یہ امر دھچکے کا باعث تھا کہ اب تک جو دینی یا تہذیبی بغاوت برہمنیت کے خلاف اٹھی تھی انہوں نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ بدھ مت ہندوستان کی سرزمین سے اٹھا لیکن یہاں پنپ نہ سکا۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق تھا برہمن نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ وادی گنگا جمنا کے اصل باشندوں دراوڑوں اور دوسری قدیم اقوام کا ہندو آریاؤں کے ہاتھوں کیا حشر ہوا وہ جنوب میں دھکیل دی گئیں۔ یہ تو برہمنیت کا خاصا ہے کہ وہ کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتی اگر کوئی حریف ابھرا تو یا تو اس کا قلع قمع کر دیا یا اسے زیر نگیں کر کے ہندو سماج کی اسفل ترین ذاتوں میں شامل کر لیا۔ مسلمانوں کو شودروں سے بھی نیچے ملیچھ کا درجہ مل سکتا تھا اور انہیں برہمن یہی نام دیتا ہے جب تک مسلمانوں کی طاقت قائم رہی اور وسط ایشیا کے جانبازوں کا تازہ خون یکے بعد دیگرے مسلم حکومتوں کی آبیاری کرتا رہا تو ہندو راجواڑے تابع و مطیع رہے۔ گو مشہور ہندو مصنف نراد چودھری کے بیان کے مطابق ہندوؤں کی عصبیت جاریہ کا یہ عالم تھا کہ مغل بادشاہوں کے راجے مہاراجے ہندو درباری شام کو دن بھر کی مسلمان حاکموں سے میل ملاقات کی "نجاست" سے پوتر ہونے کے لئے اشنان کئے بغیر گھر کی رسوئی میں داخل نہ ہو سکتے تھے لیکن جب بھی مسلم حکومتوں کی طوائف الملوکی کے دور میں انہیں سر اٹھانے کا موقع ملتا وہ اس سے استفادہ کرنے میں ہرگز نہ چوکتے یہ موقع وافر طور پر ہندوؤں کو انگریزوں کی آمد پر ملا برصغیر میں مسلم اقتدار کے زوال کے کئی اسباب و عوامل ہیں لیکن ہندوؤں کا مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دینا کچھ اہم عمل نہیں اسی لئے پہلے ہی دن سے جہاں انگریز خود صلیبی جنگوں کی بنا پر تاریخی طور پر مسلم دشمنی کے جذبے سے سرشار تھا ہندو کو اپنے راج کا جانشین مقرر کر دیا تھا وہاں اس نے مسلم تحکم کے تمام آثار اور اداروں کو ملیا میٹ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

Marfat.com

ہندو راج کے قیام کے لئے انگریز کے پاس بڑا آسان گھریلو فارمولا تھا یعنی اکثریتی راج چونکہ ہندو بہت بڑی اکثریت میں تھے اور مسلمان اقلیت میں تھے۔ ہندو راج ناگزیر تھا اور یہی ماڈرن جمہوری طرز حکومت تھا جو نئے زمانے کی ترقی کا نشان تھا چنانچہ حکومت برطانیہ نے جو دستوری اصلاحات نافذ کیں ان کا مقصد منتہی اکثریت کی بنا پر برصغیر میں ہندوؤں کی حکومت قائم کرنا تھا۔ اس لحاظ سے برطانیہ کے نوے سے ڈیڑھ سو سالہ دور اقتدار (انگریزی راج) میں اگر انگریز کے کردار کو ایک ہزار یا پانچ سو سال کے پیمانے کے آئینے میں دیکھا جائے تو وہ ایک حمال سے زیادہ مرتبے کا مالک نظر نہیں آتا جس نے مسلمانوں سے حکومت کا بوجھ اتار جھپٹ کر ہندوؤں کے حوالے کر دیا تو تاریخ کے صفحات پر اس انتقال اقتدار سے بڑھ کر انگریز کا برصغیر میں کوئی رول ریکارڈ نہ ہو گا۔ اگر وہ اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب نہ ہوا تو اس کی وجہ مسلمانان برصغیر کی مزاحمت تھی دوران مسلم اقتدار مذاہب اور تہذیبوں کو نگل جانیوالی اور دیس نکالا دینے والی برہمنیت کی اسلام کی دینی قوت تہذیبی استقامت اور طاقت کے سامنے کچھ پیش نہ کی گئی اور وہ آٹھ سو سال مسلمانوں کے سامنے سر تسلیم خم کئے بیٹھے رہی لیکن ساتھ ہی اس کے احساس بے بسی اور کمتری نے ہندو سماج کے اندر توحید کے پرستاروں کے خلاف بغض نفرت اور دشمنی کے جذبات کی ایسی دوزخ بھڑکائی کہ وہ اب تک آتش فشاں ہے۔ تاریخ عالم میں شاید ہی ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف اس درجے کا عناد ہو گا تو جب ہندو کو انگریز کی حمایت ملی اور اکثریتی راج کے اصول پر اس کی بالادستی کا تصور ابھرا تو وہ مسلمان کے آٹھ سو سالہ دور حکومت کے خلاف انتقام کی آگ سے بھڑک اٹھا۔ ادھر صدیوں کے فاتح و حکمران مسلمانوں نے انگریزوں سے مار تو بڑی کھائی تھی لیکن وہ مستقبل میں مستقلاً ہندو راج کے خیال سے کانپ اٹھے اس میں دین و دنیا دونوں کا خسارہ تھا وہ اپنی قسمت پر کہ آئندہ ہندو کا غلام ہو کر رہا جائے ہرگز ہرگز راضی نہ تھے وہ ہندو سوسائٹی کے ذات پات کے درجوں میں ملیچھ بن کر رہنے کو تیار نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے مزاحمت کا عزم کیا گو انگریزی سلطنت ان کے خلاف تھی اور ہندو اکثریت کی منظم سیاست ان کی دشمن تھی اور دونوں طاقتیں ایک دوسرے کی حلیف و مددگار تھیں۔ لیکن وہ صف آرائی پر ڈٹ گئے کہ

؎ کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں

پاکستان کا ظہور اس مسلم مزاحمت کا نتیجہ تھا۔ یہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلانے کی ضمانت تھا۔ پاکستان تو قائد اعظمؒ کی رہبری میں جو مسلم خود ارادیت کا پیکر مجسم تھے بن گیا لیکن ہندو کی جسے انگریز کی کثرت تعداد کے فارمولے کے طفیل برصغیر کا تین چوتھائی حصہ مل گیا۔ مسلمان کے خلاف دشمنی اور بھڑکی کہ وہ اکھنڈ بھارت توڑنے میں کامیاب ہو گیا اور کیسے کروڑوں مسلمان اس کی غلامی سے بچ نکلے۔ سو ایک طرف پاکستان بنتے ہی ہندوستان اس کو تباہ کرنے پر تل گیا تو دوسری طرف اپنے ہندوستانی

Marfat.com

مسلمانوں کو روحانی اور جسمانی طور پر ختم کرنے کا منصوبہ بنایا جس پر نہایت مہارت اور مستعدی سے عمل ہو رہا ہے اور آج تک وہ اسی ڈگر پر چل رہا ہے۔ مسئلہ کشمیر اٹھایا جس کے سلسلے میں اس نے پاکستان پر تین جنگیں مسلط کیں۔ مشرقی پاکستان پر جارحیت کا مرتکب ہوا اور اسے مغربی پاکستان سے الگ کیا اور جب سے روسی افواج نے افغانستان پر قبضہ کیا ہے دہلی نے مسلسل ماسکو کا ساتھ دیا اور اب پاکستان میں تخریب کاری کی وارداتوں میں (خصوصاً کراچی کی وارداتوں میں) جیسا کہ وزیر اعظم جونیجو نے فرمایا ہندوستان کا ہاتھ ہو تو قطعاً تعجب انگیز نہ ہوگا۔ روس سے پاکستان کے خلاف گٹھ جوڑ کرنا اس کے منصوبوں میں شامل ہونا اور اس کے ہمراہ پاؤں سے پاؤں ملا کر چلنا ہندوستان کا فرض اولین ہے۔ ان دو مسلم دشمن طاقتوں میں تعاون وہم آہنگی تو فطری اور لازمی ہے کہ دونوں طاقتیں اپنے ظلم و ستم کے پنجوں میں کروڑہا مسلمانوں کو دبوچے بیٹھی ہیں جن سے ان کے لئے ایک ہی قسم کے مسئلے اور خطرات پیدا ہوتے ہیں اور جن کا ایک ہی نوع کا حل وعلاج بھی تلاش کرنے کی فکر میں ہونگے وہ اگر پاکستان کو بالکل ختم نہیں تو کم از کم اسے اپنا طفیلی ذیلی ملک ضرور بنانا چاہتے ہیں۔ ہندوستان میں تو آئے دن مسلمانوں کے قتل وخون کی رپورٹیں چھپتی رہتی ہیں۔ وسط ایشیا سے خبریں کم سننے میں آتی ہیں لیکن پچھلے دنوں تاجکستان میں "ثقافتی انحراف" (جس سے مسلم قومیت کی بو آتی ہے) کے الزام پر مقامی کمیونسٹ حکومت اور پارٹی کے پرانے اہلکاروں کے سر اڑانے کی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ غرض یہ کہ دونوں روس اور ہندوستان کے لئے اسلام "پرابلم" ہے اور اس سے عہدہ بر آ ہونا ضروری ہے۔ اسی پس منظر میں افغانستان نے مرکزی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

لیکن جس نقطے پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مقبوضہ افغانستان اور پاکستان میں تو ٹھنی ہوئی تھی۔ پچھلے تقریباً آٹھ سال سے وہ ایک دوسرے کا سامنا کر رہے ہیں۔ سرحدی سوویت کابل بمباری روزمرہ کا معمول بن گئی ہے اور اس کے سفارتی نمائندے کا پاکستانی نامہ احتجاج لینے کے لئے کم وبیش ہر روز دفتر خارجہ میں آنا جانا رہتا ہے پھر آخر کیا انقلابی پیش رفت ہوئی۔ تخریب کاری کی رفتار میں اتنی بڑی تیزی آگئی اور وہ پشاور سے نکل کر راولپنڈی لاہور ہوتی ہوئی کراچی پہنچ گئی اور پھر ساتھ ہی ساتھ بموں کی ہلاکت انگیز خاصیت میں بھی ہولناک زیادتی ہو گئی یہ نئی حکمت عملی بے علت نہیں۔ اب چھ سال پہلے تو سوویت یونین کا رویہ یہ تھا کہ افغانستان ہمارے پورے قبضے میں ہے اور ہم مجاہدین کو کچل ختم کر دیں گے۔ مسٹر گورباچوف کے بر سر اقتدار آنے کے بعد پہلے تیقن آمیز رویہ میں ترمیم کی اور انہوں نے مسئلہ افغانستان کو "رستے زخم" سے مشابہت دی ساتھ ہی جنیوا مذاکرات میں جان پڑی اور بالآخر معاملہ روسی افواج کے انخلاء کے نظام الاوقات پر اٹک گیا۔ بعد ازاں سالوں سے بات مہینوں تک آپہنچی۔ اس طرح ہم ایک فیصلہ کن مگر نازک مرحلے تک پہنچ گئے ہیں۔ اب اگر آپ انصاف سے اس تبدیلی کے پیمانے کو ہی دیکھیں جو سوویت یونین کے مؤقف میں چھ سات سالوں میں آیا ہے تو آپ یہ نتیجہ نکالنے

Marfat.com

پر مجبور نہ ہونگے کہ افغان مجاہدین اپنی جدوجہد آزادی میں بحمد اللہ کامیاب ہورہے ہیں اوران کی کامیابی کی اصل وجہ کیا ہے؟ان کی کامیابی کی اصل وجہ حکومت پاکستان کی وہ اسلام پرور اور حریّت پسند پالیسی ہے جس پر وہ 79ء سے ہزار ہا مشکلات مصائب اور موانعات کے باوجود اولوالعزمی اور ثابت قدمی سے گامزن رہی ہے۔ ایسی فتح مبین کو جھٹلانا انہی لوگوں کا وطیرہ ہوسکتا ہے جن کی آنکھوں پر عصبیت، بغض یا جہالت کی پٹیاں بندھی ہوں یا پھر وہ لوگ ہوسکتے ہیں جو کابل ماسکو دہلی کے دریوزہ گر ہوں اور اپنے خیالات و آراء کی ان سے بھیک مانگتے ہوں۔حکومت کی موجودہ افغانستان پالیسی کو بدلنا خودکشی کے مترادف ہوگا اور ابھی تو ابتدائے عشق ہے" آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا! تخریب کاری میں تیزی کا اصل سبب یہ ہے کہ مجاہدین نے کابل حکومت کا قافیہ تنگ کر دیا ہے اور وہ نرغے میں ہے اور تو اور انہوں نے اپنی حکومت کے القابات سے ڈیموکریٹک کا لفظ بھی حذف کر دیا ہے جس سے کیمونزم سے تعلق کا تاثر پیدا ہوتا تھا خود ڈاکٹر نجیب اللہ نے اعتراف کیا ہے کہ ملک کا 80 فیصد حصہ مجاہدین کے قبضے میں ہے۔ پہلے روسی پٹھو نجیب اللہ نے مجاہدین سے صلح و مفاہمت کے ہاتھ بڑھائے تھے اور کہا تھا کہ یہ رعایت ایک سال تک نافذ العمل رہے گی وہ میعاد بغیر کسی قبولیت کے ختم ہوگئی تو اس میں چھ ماہ کا مزید اضافہ کر دیا گیا اور ساتھ ہی کہا کہ مجاہدین کے سات جماعتی اتحاد کے تین بقول ان کے "معتدل" گروپوں کو حکومت میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے ان تین "معتدل" گروپوں نے تو نجیب اللہ کی دعوت کا ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اسے یکسر مسترد کر دیا۔اب وہ ظاہر شاہ کو واسطہ دے رہے ہیں کہ وہ کابل واپس آکر مصالحت کے ذریعے قوم کا شیرازہ مجتمع کریں۔ گویا ڈاکٹر موصوف کی حالت یہ ہے کہ

ع "نہ ہاتھ لگام پر ہے نہ پاؤں رکاب میں"

ظاہر شاہ اس بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالتے ہیں یا نہیں یہ ان کا فیصلہ ہے لیکن مجاہد لیڈر انجینئر حکمت یار نے صاف صاف کہہ دیا کہ سابق بادشاہ سلامت افغانستان میں مداخلت سے باز رہیں الّا اس امر کے کہ وہ اپنے ماضی کے اعمال کی جوابدہی کرنے کے لئے آنا چاہتے ہوں میں تخریب کاری کی تیز رفتاری کی طرف نہیں دیکھ رہا۔ میری نظر تو ان حالات کی تیز رفتاری پر ٹکی ہے جو افغانستان کی مکمل آزادی کی منزل کو قریب لارہے ہیں اور مجاہدین کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

ع تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست"

کشمیر میں لڑائی بند کر کے حکومت نے سخت غلطی کی جس کا قوم آج تک خمیازہ اٹھارہی ہے لیکن انشاءاللہ افغانستان کے معاملے میں یہ غلطی سرزد نہ ہوگی کہ نہ صرف حکومت کی قیادت پُرعزم ہے بلکہ اس کے ساتھ اسلامی دنیا کے لئے جو مؤثرات وابستہ ہیں وہ اتنے اہم اور دوررس ہیں کہ غلطی کا کوئی خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔

Marfat.com

بات سوفیصد وہی ہے جو صدر ضیاء الحق نے فرمائی کہ تخریب کاری ہماری افغان پالیسی کا ردعمل ہے دراصل جس چیز پر ہم پورا سوچ بچار نہیں کر رہے وہی ہے جو میں نے پہلے کہی تھی کہ گو بظاہر ہمیں تخریب کاری کا سامنا ہے لیکن حقیقتاً ہم حالت جنگ میں ہیں صرف اللہ کی مہربانی اور حکومت کی دور اندیشانہ حکمت عملی کی وجہ سے ہم اس کی وہ قیمت ادا نہیں کر رہے جوان کی بازی لگانے والے جوان سرحدوں پر کرتے ہیں اور مجاہدین افغانستان روسی افواج کے خلاف اندرون ملک کر رہے ہیں لیکن جو لوگ تخریب کاری کا شکار بنے ہیں وہ بھی شہدا کی صفوں میں جگہ پائیں گے اور بامراد ہونگے مجھے وزیر اعظم سے پورا اتفاق ہے کہ تخریب کاری میں ہندوستان بھی کابل اور ماسکو کا پورا ساتھ دے رہا ہے لیکن اس کا مقصد وہی اس علاقے میں اسلام کے اثر و رسوخ کی بیخ کنی ہے اس کے عمل کا ہماری جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں جو برا نہ مانئے بے شک مارشل لاء اٹھ گیا ہے۔ (چلئے آپ نے اسے اٹھا دیا) جمہوریت کا احیاء ہو گیا ہے (چلئے آپ نے احیاء کر دیا) ملک سے ایمر جنسی ختم ہو گئی (چلئے آپ نے اسے ختم کر دیا) لیکن جب تک موجودہ نظام کی بنیاد منظم پارٹیوں پر نہ رکھی جائے گی

ع "جو شاخ نازک پر آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا"

پارٹیوں کے بڑے نام رکھنے سے یا ماضی کی بڑی پارٹیوں سے منسوب ہو جانے سے جمہوریت جڑ نہ پکڑ سکے گی۔ صدر ایوب خان نے بھی مسلم لیگ کو اپنا لیا تھا لیکن اس کا کیا نتیجہ نکلا جب امتحان کا وقت آیا تو وہ صدر موصوف کی ڈھال نہ بن سکی۔ جمہوریت چالو ہو تو لوگ اپنی جیب کی قربانی پیش کرتے ہیں نہ کہ منتخب نمائندے کہلا کر قومی خزانے کے کروڑوں روپے سے اپنی جیب بھرتے ہیں ایسی بے پیندے کی جمہوریت کی عمارت کو ڈھانے کے لئے راجیو گاندھی کو کسی تخریبی مہم کے گرز کو حرکت میں لانے کی ضرورت نہیں وہ اگر تخریبی کارروائیوں میں کابل اور ماسکو کا ہم رکاب ہے تو اسی غرض کے لئے جس کا اشارہ صدر مملکت نے یعنی پاکستان کی افغان پالیسی کے سدباب کے لئے کہ اس نے اسلامی آزادی کے کارواں کے لئے بانگِ درا کا کام دیا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

# اپنی قسمت اپنی حکمت

امریکی ایوان نمائندگان کی امور خارجہ کی جنوبی ایشیا اور خطہ اوقیانوس کے معاملات کی سب کمیٹی کے صدر محترم جناب سٹیفن سولارز نے یہ کیا فتویٰ صادر فرمادیا کہ اگر امریکی قوانین کو توڑنے اور ہمارے اعتماد کو ٹھیس لگانے کی پاداش میں ہم پاکستان کی امداد بند کر دیں تو اس کی بلا تکان برضا و رغبت ہماری افغان پالیسی چلانے کی ڈگر میں ضعف آ جائے گا۔ بے شک ہمیں بخوبی علم ہے کہ سولارز صاحب امریکی کانگریس میں ہندوستان کے مفادات کے پرجوش محافظ، مبلغ اور ترجمان ہیں اور پاکستان کے خلاف اظہار رائے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے لیکن پھر بھی ایک سپر پاور کے سیاست دان سے جو ایک انتہائی ذمہ دار منصب پر فائز ہو اور ساتھ ہی اپنے ملک کے اس ملک سے تعلقات کی نزاکت کی نوعیت سے باخبری کا ادراک رکھتا ہو اور اس کا برملا اعتراف بھی کرتا ہو، ایسے پوچ بیان کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کون تو یہ کہ یہ کذب، افترا اور جھوٹ ہے کہ پاکستان (جیسا کہ سفیر جمشید مارکر نے ایک اور حوالے میں کہا) افغانستان میں امریکہ کی کوئی "افغان پالیسی" چلا رہا ہے یقیناً امریکہ کی بھی کوئی "افغان پالیسی" ہے لیکن اگر اس پالیسی سے مراد افغانستان میں روسی افواج کی مزاحمت اور مجاہدین افغانستان کی عملی مدد ہے تو اس نام کی کوئی پالیسی دسمبر 79ء میں کارفرما تھی جب روسیوں نے افغانستان پر فوجی چڑھائی کی تھی بلکہ 80 اور 81ء میں بھی ان معنوں میں امریکہ نے کوئی پالیسی نہ بنائی تھی اس کے مقابلے میں اگر شروع دن سے کسی نے افغان مجاہدین کے حق میں آواز اٹھائی اور اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈال کر روس جیسی سپر پاور سے ٹکر لے کر ان کی بھرپور حمایت اور کاز کا علی الاعلان بیڑہ اٹھایا، تو وہ پاکستان تھا۔ پاکستان نے نہ صرف لاکھوں

Marfat.com

افغان مہاجرین کو سینے سے لگایا اور انہیں اپنے گوشے میں پناہ دی (پاکستان نے تو بے دریغ یہ قربانی اسلامی حمیت میں دی کیا عیسائی مغربی دنیا کے ترقی یافتہ اور انسانی حقوق کے علمبردار ممالک بتائیں گے کہ وہ کتنے بے گھروں کو اپنے دامن عافیت میں جگہ دیتے ہیں یا دینے کو تیار ہیں) بلکہ افغانستان کی آزادی کے لئے عالمی رائے عامہ کو متحرک و منظم کرنے کی اَن تھک کوشش کی اور سب سے پہلے اس مشن کو اسلامی برادری سے شروع کیا اسلامی کانفرنسوں کا اسلام آباد میں انعقاد کیا' پھر اس تحریک کو اقوام متحدہ میں اٹھایا اور بعد ازاں غیر جانبدار ملکوں کی تنظیم میں اسے اپنانے کی ترغیب دی حتیٰ کہ دنیا کے کونے کونے سے افغانستان کے مجاہدین کے لئے مدد آنی شروع ہو گئی۔

ہاں یاد آیا' افغانستان پر روسی حملے کو کچھ ہی دن گزرے ہوں گے کہ واشنگٹن سے صدر کارٹر کے قومی سلامتی کونسل کے سربراہ برازنسکی اسلام اور عیسائیت میں اتحاد و یکجہتی کے نقیب بنتے ہوئے اسلام آباد پہنچے اور صدر محمد ضیاء الحق کی خدمت میں حاضر ہوئے جس زور و شور سے برازنسکی صاحب اسلام اور عیسائیت کے تاریخی سنگم کے حق میں نعرہ زن ہو رہے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مغرب و مشرق میں کوئی عظیم الشان انقلاب آنے والا ہے اور صدر کارٹر نے ہمارے صدر کو بہت ہی بڑی پیشکش کی ہے لیکن بعد میں علم ہوا کہ وہ بند کی ہوئی مدد کے اجراء کے وعدے کے سوا کچھ نہ تھا جو چند ملین کی رقم سے کیا جانے والا تھا' وہی بات ہوئی۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

صدر ضیاء الحق کو اللہ تعالیٰ نے عزم و ہمت کے ساتھ حسِ مزاح بھی عطا فرمائی ہے انہوں نے مختصر گوئی کا عالمی ریکارڈ قائم کرتے ہوئے ایک فقرے بلکہ 'ایک لفظ میں صدر کارٹر کی "رقم خطیر" کی امدادی پیشکش کو ٹھکرا دیا' وہ انگریزی لفظ واحد تھا پی نٹ Pea-nut جس کا مفہوم تھا ہیچ 'صفر لیکن لطیفہ یہ تھا کہ اس کے لغوی معنی تھے مونگ پھلی اور صدر کارٹر امریکی صدارت کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے مونگ پھلی کی ہی کاشت کرتے تھے (اور اب صدارت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی وہی کاروبار کرتے تھے) اس لطیفے کو یہاں تو جس نے سمجھا اس نے سمجھا لیکن اس کا اصلی لطف امریکیوں نے اٹھایا اور بالواسطہ اس لطیفے نے امریکہ کے باسیوں کو افغانستان کے اصل مسئلے کی سنجیدگی سے روشناس کیا۔ جس کا کھلا اعتراف اور اس کے حل کی طرف عملی اقدام صدر ریگن کے زمانے سے شروع ہوا۔ لیکن امریکہ نے جو کچھ بھی "افغان پالیسی" بنائی پاکستان کے اقدامات کے بہت بعد بنائی' بلکہ ان کے اثر اور نتیجے سے متاثر ہو کر بنائی۔ پاکستان کی بے باکانہ پالیسی (روس جیسی ہمسایہ سپر پاور کا سامنا کرنا کوئی معمولی بات تھی!) اور افغان مجاہدین کو مومنانہ جسارت مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی نے یہ حقیقت الم نشرح کی کہ اس

Marfat.com

مادیت کے دور میں بھی اپنے مذہب اسلام پر' جان نچھاور کرنے والے موجود ہیں۔ اس نکتے پر میرے ذہن میں ایک واقعہ لہر کی طرح تیر گیا۔ ابھی افغانستان میں جدوجہد آزادی کے ابتدائی ایام تھے اور میں نے تابڑ توڑ کئی سخت اداریے اور مضامین پاکستان ٹائمز میں لکھے تھے کہ مجھے میرے دفتر میں ملنے' اس وقت کا پولینڈ کا سفیر آیا کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے مجھے کہا کہ

تم بہت تیز تیز تحریریں سوویت یونین کے خلاف رقم کر رہے ہو' کیا تم نہیں جانتے کہ سوویت یونین سپر پاور ہے اور سپر پاور کے خلاف یہ انداز بیان ٹھیک نہیں کیا تم نہیں جانتے کہ بڑی پاورز نے ہمارے ملک کے ساتھ کیا کیا تھا؟ (پولینڈ جنگ عظیم میں روس اور جرمنی کے درمیان تقسیم ہو گیا تھا) میں نے جواب دیا کہ آپ درست فرماتے ہیں کہ سوویت یونین سپر پاور ہے اور مجھے بھی اس امر کا پورا احساس ہے لیکن خواہ ہم چھوٹا اور کم طاقتور ملک ہی کیوں نہ ہوں ہمارا بھی ایک نقطہ نظر ہے' ایک کیس ہے' ہم تو اسے پیش کرنے کے مکلف ہیں۔ پھر کچھ توقف کے بعد میں نے کہا' ہم مسلمان ہیں اور قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ طاقت آنی جانی شے ہے ''اور یہ بڑائی اور چھوٹائی' عظمت اور ذلت کے دن ہم اقوام عالم میں پھیرتے رہتے ہیں'' اور اس قرآنی صداقت کا تو میں عینی شاہد ہوں کہ میں عمر کے اس پیٹے میں ہوں کہ میں نے انگریزی راج کے تحت بھی دن گزارے ہیں' وہی انگریزی راج جس کے لئے یہ ضرب المثل گھڑی گئی تھی کہ اس کی سلطنت اتنی آفاق گیر ہے کہ اس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا' انگریزی سلطنت کے کسی نہ کسی حصے پر سورج چمکتا رہتا تھا لیکن آج یہ عالم ہے کہ میں اس سلطنت کو دور دور تک نہیں دیکھتا۔ وہ میری زندگی میں ہی سکڑ کر ایک جزیرہ بن کر رہ گئی ہے سو بے شک فی زمانہ سوویت یونین سپر پاور ہے' اور امریکہ بھی سپر پاور ہے لیکن کل کا کس کو کیا علم! کوئی سپر پاور قدرت کی صداقت کو توڑ مروڑ نہیں سکتی لا تبدیل لکلمات اللہ وہ بے چارہ عقل مند' تجربہ کار' پولش سفیر میری جذباتی تقریر کو سن کر بھونچکا رہ گیا اس نے مجھے ہمدردی سے ہی نصیحت آمیز مشورہ دیا ہو گا' لیکن بلتی حقائق کا کیا جائے انہیں دبایا نہیں سکتا جس شخص نے پاکستان بنتے دیکھا ہو' وہ معجزوں پر کیوں نہ ایمان لائے' جب وہ سفیر میرے دفتر میں آیا تھا تو افغانستان کی صورت حال واقعی ایسی تشویش ناک تھی کہ ہم معروضی حالات سے زیادہ ایمان پر ہی سہارا کر رہے تھے کہ مجاہدین کامیاب و کامران ہوں گے۔ ورنہ میں نے نیویارک اور واشنگٹن کے بڑے باخبر حلقوں میں زیرک اور باعلم مبصرین کو یہی کہتے سنا کہ اب روسیوں کا افغانستان پر قبضہ اتنا مستحکم ہے کہ افغان مہاجرین کے واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کچھ سالوں کے بعد پناہ گزین نہیں رہتے وہ پناہ گاہ کی آبادی کا جزو لاینفک بن جاتے ہیں۔ اس قول فیصل پر وہ یہ اضافہ کرتے کہ روسی تاریخ بتاتی ہے کہ روسیوں نے جہاں قدم جمایا وہاں سے وہ کبھی نہ ہٹے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے منظر بدل گیا ہے اب روسی افواج کی جلد از جلد واپسی ہی کی باتیں نہیں ہو رہی ہیں بلکہ روز ... ڈاکٹر نجیب اللہ

Marfat.com

ظاہر شاہ کے لئے اپنا تخت اقتدار بھی خالی کرنے کو تیار ہیں اور اب اگر غاصبوں اور مجاہدوں کے درمیان کوئی تنازعہ باقی ہے تو اس بات پر کہ آئندہ حکومت کا رنگ ڈھنگ کیا ہو۔

اب یہ انقلاب کیسے رونما ہوا؟ کیا یہ امریکہ کی "افغان پالیسی" کا نتیجہ ہے؟ میں نہیں کہتا کہ امریکہ کی امداد ہمارے کام نہیں آئی۔ ہر جنگ آزادی کو خارجی کمک کی ضرورت ہوتی ہے کیا ویٹ نامیوں کو روسی اور چینی مدد حاصل نہ تھی؟ لیکن جب تک ملک کے اندر لڑنے والوں میں ایمان ' عزم ' ہمت پامردی ' صبرو استقلال اور جرأت رندانہ نہ ہو تو کوئی خارجی مدد نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی۔ اوّل و آخر افغانستان کی صورت حال میں جو تبدیلی آرہی ہے ' اس کے دو عوامل ہیں اوّل ' افغان مجاہدین کی بے مثل قربانی اور دوئم پاکستان کی مجاہدین افغانستان کے لئے قطعی بے غرض اور بے لوث کلیتاً اسلامی حمیت وہمدردی سے سرشار خدمت وایثار پاکستان نے آزادی افغانستان کی خاطر ہر قسم کا خطرہ مول لیا اور ہر قسم کا نقصان اٹھایا ہے۔ اپنے شہروں پر بمباری کروائی اپنے شہریوں کی جانیں نذر کیں اور اپنی عمارتوں گلیوں ' کوچوں کو تخریب کاری کا نشانہ بنوایا سب سے بڑھ کر روس کی دشمنی مول لی جو ہندوستان کو ہمارے خلاف ہر قسم کا اسلحہ ہی نہیں دیتا بلکہ اسے ہمارے خلاف دوسرا محاذ کھولنے کے لئے اکساتا اور شہ دیتا ہے کیا روس کے ہندوستان سے معاہدہ دوستی نے ہندوستان کے ہاتھوں پاکستان پر جارحیت نہیں کروائی؟ وہ معاہدہ اب بھی قائم ہے اور خطرناک مؤثرات کا حامل ہے اِس پس منظر میں سولارز اور دوسرے امریکی ان داتاؤں کو یہ کہنا کہاں تک زیب دیتا ہے کہ پاکستان امریکہ کی "افغان پالیسی" کا کل پرزہ ہے جو امریکی امداد کے بغیر چل نہیں سکتا۔ امداد کی اہمیت کو نہ تسلیم کرنا ہر گز صحیح طریق عمل نہیں لیکن اگر مال و دولت بندوق و توپ اور ٹینک وجہاز ہی سب کچھ فیصلہ کن عوامل ہوتے تو لاکھوں کی تعداد میں امریکن فوج ویٹ نام سے یوں دم دبا کر نہ بھاگتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ویٹ نام میں امریکہ نے ایسی شکست فاش کھائی کہ اس ملک کا نام امریکی سائکی پر مرتسم ہو گیا اور وہ سسکیاں بھر کر کہتی ہے Never again میری توبہ! دوبارہ اس آزمائش سے نہیں گزروں گی ' امریکیوں کو دینے والے نے سب کچھ دیا لیکن ظرف کے معاملے میں ہاتھ کھینچ لیا ' بات بات پر یہ کہنا کہ ہم تمہیں یہ دے رہے ہیں وہ دے رہے ہیں ' بہانے بہانے امداد بند کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے کتنی بار وہ پاکستان اور دوسرے ملکوں کی منظور شدہ امداد بند کر چکے ہیں۔ 65ء کی جنگ کے بعد دس سال تک امریکہ نے پاکستان کو ایک چھرا تک نہیں دیا ' اور جہاں ہمیں کمیونسٹوں کے خلاف ______ گھسیٹنے میں کوئی باک محسوس نہیں کی لیکن جب ماسکو سے مفاہمت ہو گئی تو ہمیں اطلاع دیئے بغیر بغداد پیکٹ بھی غائب اور سنٹو بھی غائب اور ایک ایسا طرز عمل تیار کرتے ہیں کہ کرۂ ارض ایک ہی مقصد کیلئے تخلیق کیا گیا ہے اور وہ ہے امریکی مفاد کا تمکن وقیام اور اقوام عالم کو ایک ہی فریضہ سونپا گیا ہے کہ وہ اس مقدّس مفاد کی خدمت اور حفاظت پر لگی رہیں۔ "افغان پالیسی" تو

Marfat.com

واشنگٹن میں بن رہی ہے اور چلا رہے ہیں پاکستان والے یعنی وہ قوم جو انگریزوں کی عالمی طاقت سے مرعوب نہ ہوئی! جو ہندوؤں کی کروڑوں کی اکثریت سے نہ دبی اور جب اس نے کہا کہ "لے کر رہیں گے پاکستان" تو لے کر دکھا دیا' اس قوم کو اپنا آپ غلام گردان رہے ہیں کہ افغانستان میں وہ امریکہ کا مشن چلا رہی ہے یعنی مجاہدین کی سات جماعتوں کا منشور پڑھئے افغانستان میں تو اسلام نافذ اور قائم ہو گا جہاں سے کمیونزم کا کھونٹا اکھڑ جائے گا وہاں آپ کا مشن کیسے چلے گا؟ خدارا وہاں اپنے ایجنٹوں کے پیچھے کہیں کسی مشنری کو نہ بھیج دیجئے گا افغانوں کو یہ مذاق پسند نہ آئے گا۔

لیکن سولارز صاحب یہ تو ذرا معلوم ہو کہ آپ کی "افغان پالیسی" ہے کیا؟ اگر وہ واقعی آپ کو اتنی عزیز ہے جتنی کہ آپ جتلا رہے ہیں اور بقول آپ کے وہ پاکستان چلا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ پاکستان آپ کے لئے بڑا اہم کام سرانجام دے رہا ہے پھر آپ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پاکستان کے کھاتے میں نیوکلیئر مواد کی چوری کا الزام ڈال کر اسے ذلیل کیوں کرتے ہیں اور اس کی امداد بند کرنے کی کیوں دھمکی دیتے ہیں حالانکہ آپ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اگر پاکستان کو امریکی امداد نہ ملی تو وہ آپ کی "افغان پالیسی" نہ چلا سکے گا بتایئے کہ "امریکی افغان پالیسی" زیادہ اہم ہے یا پاکستان کی نیوکلیئر صلاحیت کا مسئلہ؟ اگر امریکی "افغان پالیسی" کو ہر شے پر ترجیح حاصل ہے تو پاکستان کی نیوکلیئر صلاحیت کا مسئلہ کیوں اٹھاتے ہیں خصوصاً جب کہ امریکہ کے پاس اتنے طاقتور ٹیکنو لاجیکل آلات موجود ہیں کہ آپ روس کی لق ودق سرزمین کے کسی کونے کھدرے میں پڑی سوئی کی بھی نشاندہی کر سکتے ہیں تو یقیناً آپ کو یہ بھی پتہ ہو گا کہ کہوٹہ کے اسٹوروں اور الماریوں میں کیا چیزیں رکھی ہیں؟ اگر ہندوستان چین کے ایٹمی مال ومتاع کی خبر دے سکتا ہے تو امریکہ تو ہندوستان سے ٹیکنیکی اور سائنسی مہارت میں دو صدی نہیں تو ایک صدی تو ہنوز آگے ہے۔ امریکہ کو خوب معلوم ہے کہ پاکستان کے پاس بم نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پاس فالتو دولت ہے کہ وہ اسے بم بنانے پر ضائع کرے (اگر پاکستان کے پاس اتنی دولت ہوتی تو آپ امداد بند کرنے کی دھمکی دینے کے اہل ہی نہ ہوتے) اور سچی بات یہ ہے کہ بم سازی نہ ہمارے ملک کے مفاد میں ہے نہ اس خطہ زمین کے امن کے حق میں پاکستان تو چاہتا ہے کہ اس بارے میں ہندوستان سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے اور وہ اس ضمن میں کئی بار اپنی تجاویز بھی پیش کر چکا ہے اور وہ تجاویز اب بھی ہندوستان کے حضور پیش ہیں رہ گئی نیوکلیئر انرجی پیدا کرنے کی صلاحیت واستعداد (جس سے بم بھی بنایا جا سکتا ہے) تو اس جوہر کے ہم ضرور مالک بن چکے ہیں (اور یہ ہماری ہی خصوصیت نہیں آدھی درجن سے اوپر ملک نیوکلیئر صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض مثلاً اسرائیل ہندوستان اور جنوبی افریقہ کے پاس تو ایٹمی ہتھیار Device بھی موجود ہیں) اور یہ صلاحیت اس لئے ضروری ہے کہ ایک تو پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت بجلی کی افزائش ہے اور نیوکلیئر طریقہ اس کی سستی اور بہتات کے ساتھ افزائش کی ضمانت دیتا ہے دوسرے اس اہلیت سے اگر

Marfat.com

ہندوستان کو پاکستان پر جارحیت سے باز رکھا جاسکتا ہے تو جناب ہم دوسروں پر اپنی نیوکلیئر صلاحیت کے تصوّر کے خوف کو اپنے دفاع کے لئے کیوں نہ استعمال کریں؟ اب امریکہ کے ہاتھ ابھی تک کوئی خلائی ایس ڈی آئی ہتھیار نہیں آیا لیکن روس اسٹار وار کے خلاف واویلا مچا رہا ہے اِس لئے ہم اس بات کو ہرگز گوارا اور برداشت نہیں کر سکتے کہ ہم ہندوستان کے مقابلے میں نہتے ہو کر رہ جائیں 'اگر سولارز صاحب ( آپ ہندوستان کی وکالت میں کبھی پیچھے نہیں رہتے )

آپ کا حکومت ہند سے اثرورسوخ ہے تو آپ پاکستان سے اس کا معاہدہ کروا دیجئے کہ کوئی بم نہ بنائے گا اور دونوں ملک بیک وقت این پی ٹی پر دستخط کر دیں گے تو چشم ماروشن دل ماشاد ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔

اور سولارز صاحب یہ جو آپ نے پاکستان پر امریکی قوانین کو توڑنے کا الزام لگایا ہے اِس کی کیا بنیاد ہے؟ ارشد پرویز کی صیقل شدہ لوہے کی خریداری کی کوشش! اسی قسم کی وارداتیں پہلے بھی گھڑی گئی ہیں جو بعد میں غلط ثابت ہوئیں اور یہ معاملہ تو ابھی زیر تفتیش ہے اور کسی سرکاری سطح پر اس میں پاکستان کو ملوث نہیں کیا گیا سب سے پہلے تو آپ یہ اصولی بات سامنے رکھئے کہ پاکستان کو امریکہ سے تعلقات کس قدر عزیز ہیں ہم نہ صرف امریکہ کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے اس سے دیرینہ قریبی تعلّقات ہیں اور ایک وقت پاکستان امریکہ کے "حلیفوں کا حلیف" جانا جاتا رہا ہے نیز پاکستان نے امریکہ سے بہت تمتع کیا ہے۔ پھر دونوں کی پالیسیوں میں (افغان پالیسی سمیت) تقابل رہا ہے اور پاکستان ہرگز نہ چاہے گا کہ وہ کسی طور اپنے اتنے اچھے دوست کو کسی بات پر ناخوش کرے خاص طور پر کسی ایسے معاملے پر (مثلاً نیوکلیئر تکنیک) جس کے متعلق وہ اس حد تک حسّاس ہو کہ اپنے حلیفوں کی امداد روکنے کو بھی تُل جائے تو کیا ہم اتنے بے عقل ہیں کہ اگر ہمیں کسی کل پرزے کی ضرورت پڑے تو ہم اس طرح امریکہ سے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور "آ بیل مجھے مار" کی حماقت کے مرتکب ہوں گے اور حماقت بالائے حماقت اس طرح حاصل کرنے کی تگ ودو کریں گے کہ اس میں دھوکہ اور فریب کا عنصر بھی شامل ہو ذرا سوچئے کیا ایسے عمل سے ہم اپنے قیمتی مفادات کو خطرے میں ڈالنے کا سودا کر سکتے ہیں؟ ہمیں امریکہ کی امداد ہی درکار نہیں ہمیں اس کی خیر سگالی کی بھی ضرورت ہے تو یہ بات ہم کرنے سے رہے کہ جان بوجھ کر امریکہ کی ناراضگی مول لیں پھر ہوا کیا؟ سولارز صاحب اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں اور صرف ہندوستان کو ہی سامنے نہ رکھیں تو امریکہ میں درجنوں ایسی لابیاں ہیں اور درجنوں ایسے عناصر ہیں جو پاکستان دشمنی میں ہمارے خلاف کوئی حربہ نہیں جو وہ استعمال کرنے سے ہچکچائیں اور یہ بھی کوئی حادثہ نہیں کہ جب کبھی امداد کا سوال اٹھا یہ لابیاں اور عناصر دفعتاً حرکت میں آ گئے اب اسی واقعہ کو لیجئے؟ پہلے تو ارشد پرویز پیدائشی پاکستانی ضرور ہے لیکن اب وہ کینیڈین شہری ہے پھر کہا گیا کہ یہ خاص قسم کا لوہا نیوکلیئر تکنیک میں ہی استعمال

Marfat.com

ہو سکتا ہے۔ انگریزی اصطلاح میں Neculear related ہے تو فرمایئے کیا اس قسم کی دھات عام خریدو فروخت کے لئے بازاروں میں دستیاب ہے؟ قیاس تو یہ کہتا ہے کہ مخفی تہہ خانوں کی زینت ہو گی دکانوں کے کاؤنٹرز کی زینت نہ ہو گی مگر فرض کیجئے کہ وہ دھات خاص دکانوں پر لائسنس یا پرمٹ سے ملتی ہے تو اگر ارشد پرویز نے کہا ہے کہ وہ اسے پاکستان بھیجنے کیلئے خریدنا چاہتا ہے تو کیا اسے انکار نہ کیا جا سکتا تھا؟ پھر کہا گیا کہ کسٹم افسر نے ارشد پرویز کو باقاعدہ ایکسپورٹ کرنے کا اجازت نامہ دیا لیکن جب وہ ایکسپورٹ کرنے کے مرحلے پر پہنچا تو اسے پکڑ لیا گیا اور پکڑا یا پکڑوایا کس نے؟ اسی کسٹم افسر نے جس نے اجازت نامہ دیا تھا۔ "معلوم ہوا کہ وہ جعلی کسٹم افسر تھا" دراصل وہ چھپا ہوا under cover سرکاری جاسوس تھا غالباً سی آئی اے کا ایجنٹ۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ واقعہ اسٹیج کرنا منظور تھا تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ بم بنانے کیلئے پاکستان نیوکلیئر مواد منگوا رہا ہے اور کلدیپ نیر کے جعلی قدیر انٹرویو کی لائن پر یہ واقعہ عین اس وقت اسٹیج کیا گیا جب پاکستان کے لئے 4ء2 ملین کی امداد کانگریس میں زیر بحث ہے اور جو نیوکلیئر بم بنانے کی شہادت کی فراہمی سے روکی جا سکتی ہے چنانچہ پورا ڈرامہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کھیلا گیا اور اب سولارز صاحب اور ان کے ہم خیال رفقاء ہی پاکستان کی امداد بند کرنے کی دھمکیاں نہیں دے رہے بلکہ انتظامیہ کے زعماء بھی امداد کی کانگریس میں منظوری کے بارے میں ایسی ذو معنی باتیں کر رہے ہیں جن سے شک و شبے میں اضافہ ہو رہا ہے اور اب بم سازی تو چھوڑیئے نیوکلیئر کشیدگی Neculear Enrichment کو ایک خاص درجے تک محدود رکھنے کی پابندی کی ضمانت ہی نہیں بلکہ اس قدغن پر باقاعدہ سمجھوتے کا مطالبہ بھی زور پکڑ رہا ہے اور انڈر سیکرٹری آف اسٹیٹ مسٹر آرماکوسٹ اسی جہت میں مذاکرات کے لئے پاکستان تشریف لا رہے ہیں' کانگریس کے ایوانوں میں پاکستانی امداد کی مخالفت کوئی نئی پیش رفت نہیں۔ ایسا پہلے بھی ہوا ہے۔ جو چیز نئی ہے اور باعث تشویش ہے وہ ریگن انتظامیہ کے اندر دن بدن بڑھتی ہوئی کم اعتمادی اور سیاسی حلقوں میں اس کے اثر و رسوخ میں روز افزوں انحطاط ہے جس سے واقعی مسٹر ریگن پر ( Lame duck President ) یعنی آخری دموں پر پہنچے ہوئے بے طاقت صدر کی پھبتی کا اطلاق ہوتا ہے۔ "یہ انقلابات ہیں زمانے کے" کہ ابھی ایک سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ صدر ریگن "عوامی مقبولیت کے ایسے معراج پر براجمان تھے کہ کانگریس کے حلقوں میں سنجیدگی سے اس امر پر غور کرنا شروع ہو گیا تھا کہ دستور میں ترمیم کر کے صدر پر سے یہ پابندی اٹھا دی جائے کہ وہ تیسری بار صدارتی انتخابات نہ لڑ سکیں (صدر روزویلٹ آخری صدر تھا جو تیسری بار صدارتی انتخاب لڑا تھا اور صدر منتخب ہوا تھا اس کے بعد قانون میں تبدیلی کر کے صدارتی میعاد کو دو ٹرمز Terms یعنی دو بار انتخابات لڑنے تک محدود کر دیا گیا تھا) صدر ریگن کے رعب داب اور مقبولیت میں کمی کی وجہ پچھلے دنوں اس راز کا انکشاف ہوا کہ نہ صرف وہائٹ ہاؤس نے کانگریس سے بالا

Marfat.com

ہی بالا' ایران کو بذریعہ اسرائیل اسلحہ فروخت کیا بلکہ اس سودے سے جو ملینوں ڈالر منافع کمایا وہ نکارا گوا کے گوریلوں کو منتقل کر دیا گیا جن کی مدد کے امتناع کا قانون کانگریس نے منظور کیا تھا بالفاظ دیگر خود صدر نے اپنے ملک کے قانون کو توڑا جو بہت سنگین امر تھا۔ ریگن کے وہائٹ ہاؤس کے جاں نثاروں نے صدر کو نکارا گوا کے گوریلوں کو انتقال رقوم کی ذمہ داری سے بچانے کی ہزار کوشش کی لیکن عوام کے ذہنوں پر یہ تاثر جم گیا کہ نہ صرف صدر نے جھوٹ بولا (انہوں نے متعدد بار اپنے بیانات اور توجیہات بدلیں) بلکہ ملکی قانون کی خلاف ورزی کی اب امریکہ میں انتظامیہ کی یہ صورت ہے کہ اس کی طاقت کا دارومدار صدر کی شخصیت پر ہوتا ہے اگر وہ کسی وجہ سے کمزور پڑ جائے تو ساری صدارتی مشینری (جو تمام ایگزیکٹو فیصلوں کی مجاز اور ذمہ دار ہوتی ہے) کے کل پرزے بدرجہ احسن واعتماد اپنا فنکشن چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ریگن انتظامیہ کی یہ حالت نہ ہوتی تو اسسٹنٹ سیکرٹری آف اسٹیٹ مرفی' ارشد پرویز کا کیس فیصلہ ہونے اور اس میں پاکستان کے کسی طرح ملوث ہونے سے پہلے ہی کانپتے ہاتھوں ایوان نمائندگان کی سب کمیٹی کے سامنے اپنا یہ تحریری بیان پڑھ کر نہ سناتے کہ پاکستان کے ان مجرمانہ کیسوں نے (ظاہر ہے کہ ان کے خیال میں پاکستان ملوث ہے) امریکنوں کے اعتماد کو متزلزل کر کے رکھ دیا ہے اور ہم ان کی پوری چھان بین کریں گے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ جہاں پاکستان پر قانون شکنی کا الزام دہرایا جا رہا ہے وہاں یہی حضرات نکارا گوا کو ناجائز پیسہ پہنچانے میں اپنے ہی ملک کا قانون توڑنے میں وہائٹ ہاؤس کے سربراہ کا دست وباز و بنے ہوئے تھے بلاحظہ ہو بیان کرنل نارتھ کا اور سلامتی کونسل کے چیف کا۔

صدر ریگن کی کمزوری سے پاکستان کی پوزیشن بھی کمزور ہوئی ہے پاکستان دشمن عناصر کے لئے تو یہ موقع نعمت غیر مترقبہ ہے اور وہ اس کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے لیکن کارکناں انتظامیہ بھی ہمارے لئے کچھ زیادہ کرنے کے اہل نظر نہیں آتے البتہ وہ کانگریس میں سرخروئی حاصل کرنے کے لیے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو کچلنے کی حتی المقدور کوشش کریں گے تاکہ کسی نہ کسی طرح امداد کو مخالفین کی دست برد سے بچا سکیں۔ اس لئے آرماکوسٹ کی آمد کے لیے تیار رہئے وہ بے ڈھب سوالات کریں گے تو پاکستان سے وعدے وعید پر قناعت نہ کریں گے بلکہ ناقابل شکن کمٹ منٹ پر بھی اصرار کریں گے۔

لیکن میں سوچتا ہوں کہ کیا سارا معاملہ اتنا ہی صاف اور سیدھا ہے جتنا دکھایا جا رہا ہے کہ ارشد پرویز نے خاص قسم کی ساخت کے لوہے کی جس کا استعمال نیوکلیئر بم بنانے میں ہوتا ہے پاکستان برآمد کرنے کی کوشش کی جس سے پاکستان سولارز قانون کی زد میں آیا کہ اس کی رو سے اگر کوئی ملک امریکہ سے نیوکلیئر آئی پارٹ پرزہ درآمد کرتا ہے تو وہ امریکی امداد سے محروم ہو سکتا ہے اب ایک طرف تو سولارز صاحب نے پاکستان پر فرد جرم لگا دی لیکن دوسری طرف بڑے خشوع وخضوع سے امداد بند ہونے کی صورت میں امریکہ کی "افغان پالیسی" کے متاثر ہونے کے خدشے کا اظہار کیا سوال یہ ہے کہ اگر امریکہ کی "افغان

Marfat.com

پالیسی "اتنی ہی اہم ہے جتنی وہ بتاتے ہیں تو یہ بار بار پاکستان کو نیوکلیئر آئی اجزاء کی چوری کا مورد الزام کیوں ٹھہرایا جاتا ہے کہ رائے عامہ اور کانگریس میں اس کے خلاف ہیجان پیدا ہو اور اس کی امداد بند کرا دی جائے۔ اب ارشد پرویز کی "خریداری" یا "ایکسپورٹ کی بات کا کیوں بتنگڑ بنایا گیا کہ پاکستان کو مجرموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا! مجھے تو ان اقدامات کی اس کے علاوہ کوئی اور جبلی اصلیت نظر نہیں آتی کہ کسی طرح پاکستان پر بذریعہ نیوکلیئر مسئلہ اس قدر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اپنی "افغان پالیسی" کی جگہ "امریکی افغان پالیسی" پر چلنا شروع کر دے جس کا سولارز صاحب نے خاص طور پر ذکر کیا ہے جیسا میں نے پہلے عرض کیا کہ پاکستان کی تو اول دن سے افغان پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین افغانستان کی مزاحمت کی جدوجہد کی پوری مدد کی جائے جب ڈیڑھ سال بعد امریکہ نے افغانستان کے معاملات میں دلچسپی لینی شروع کی تو اس نے بھی پاکستان کی ہی افغان پالیسی کی تائید کی گو اس کی مدد کی نوعیت مادی تھی لیکن اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان میں انقلابی تبدیلیوں کے جلو میں کہ روسی افواج کی واپسی کے قوی امکان کے ساتھ ساتھ کابل میں نئی حکومت بننے کا معاملہ زیر بحث ہے امریکہ نے پاکستان کی "افغان پالیسی" کی وفادارانہ پیروی کے علاوہ (اب تک دو افغان پالیسیوں' پاکستان کی "افغان پالیسی" اور امریکہ کی "افغان پالیسی" کا بھی ذکر نہیں ہوا تھا) کوئی اور امریکی "افغان پالیسی" اختراع کی ہے جس کی طرف سولارز نے اشارہ کیا ہے تو کارکنان انتظامیہ نے اس پر اثبات میں سر ہلایا ہے پاکستان کی "افغان پالیسی" تو بالکل واضح ہے پاکستان افغانستان کو روسی افواج سے خالی اور پاک دیکھنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ایک آزاد اور خود مختار افغانستان کے عوام اپنی مرضی اور پسند کی حکومت قائم کریں۔ اسے اس امر سے قطعاً کوئی غرض نہیں کہ وہ ظاہر شاہ کو واپس لائیں یا نہ لائیں ظاہر شاہ کے سوال پر بظاہر مجاہدین کی سات جماعتوں کے اتحاد میں اختلاف رائے ہے دو گروپوں کے لیڈر جنہیں نجیب اللہ نے "معتدل" قرار دیا تھا اور حکومت میں شمولیت کی دعوت بھی دی تھی ظاہر شاہ کے حامی ہیں' گو حزب اسلامی کے قائد گلبدین حکمت یار کا کہنا ہے کہ ان لیڈروں کے پیروکار ان سے اس معاملے میں متفق نہیں ہیں' باقی پانچ گروپ ظاہر شاہ کی واپسی کے مخالف ہیں حکمت یار نے کہا ہے کہ نئی حکومت بنانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی اور افغان صلاح و مشورے سے اس مسئلے کو حل کرنے کے بخوبی اہل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی افغانستان کی آزادی کے دشمنوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ جونہی روسی افواج نے افغانستان سے پیٹھ موڑی' ملک میں کشت و خون اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی (پاکستان میں اس قسم کا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اور حال ہی میں ایک مبصر نے رائے دی ہے کہ ایک طرف مجاہدین میں اختلاف اور دوسری طرف کابل کی موجودہ حکمران کمیونسٹ پی ڈی پی میں نفاق اور پھر دونوں پارٹیوں کے تصادم کی روشنی میں روسی افواج کے انخلاء کے بعد افغانستان میں خانہ جنگی کا سخت خطرہ ہے) اس پروپیگنڈے کا محرک یہ تصور اور تجویز ہے کہ روسی افواج کے نکلنے اور آئندہ مستقل بنیادوں پر حکومت کا نظام قائم کرنے

Marfat.com

کے درمیانی بحرانی عرصے میں خلا کو پاٹنے کا ایک ہی عملی طریقہ ہے اور یہ ہے کہ ظاہر شاہ کو بلا کر مسند حکومت پر بٹھا دیا جائے ماسکو تو اس اقدام کا اتنا حامی ہے کہ نہ صرف ڈاکٹر نجیب اللہ نے اپنی صدارت کو چھوڑنے کے ارادے کا اعلان کر دیا ہے بلکہ سنا جاتا ہے کہ سوویت نمائندے ظاہر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں ملک آنے کی دعوت بھی پہنچا آئے ہیں "ماسکو کی ترجیح تو سمجھ میں آتی ہے کہ کابل میں روسی اثر و رسوخ کے نفوذ کا دور ظاہر شاہ کے دور حکومت میں ہی کھلا تھا لیکن جو نکتہ فہم سے بالاتر ہے وہ یہ ہے کہ ظاہر شاہ کے بارے میں واشنگٹن بھی ماسکو کی تجویز اور رائے سے متفق ہے اور جب یہ دو سپر پاورز کسی تیسرے چھوٹے ملک کے بارے میں ہم خیال ہو جائیں تو دال میں کچھ کالا ضرور ہوتا ہے اور ہمیں اسی کالے عنصر کا کھوج لگانا چاہئے کہ اس سے ہم پہلے بھی ڈسے گئے ہیں " میرا اشارہ مشرقی پاکستان کی طرف ہے رُس نے تو آخر میں آ کر ہندوستان سے معاہدہ دوستی کیا تھا جس سے پاکستان دولخت ہوا لیکن امریکی زعماء دانشور و سیاست دان عرصہ دراز سے مشرقی پاکستان کی مغربی پاکستان سے علیحدگی پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے اس مقصد کے حصول کیلئے مال بھی لگایا اور عقل بھی لڑائی۔

اب ماسکو اور واشنگٹن ظاہر شاہ کی تاج پوشی پر اس لئے راضی نظر آتے ہیں کہ دونوں سپر پاورز چاہتی ہیں کہ کم از کم حکومتی سطح پر افغانستان نیم اسلامی مملکت ہی رہے ورنہ اگر مجاہدین کا سات جماعتی اتحاد بر سر اقتدار آ گیا تو کابل میں ٹھیٹھ اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی جس سے سوویت یونین کے وسط ایشیائی مسلم "نرم پیٹ" میں مروڑ آنے کا تو خطرہ ہے ہی لیکن اس پیش رفت سے امریکہ بھی چنداں خوش نہ ہو گا کہ اس کا ایران کے اسلامی "بنیاد پرستوں" سے پالا پڑ چکا ہے اور "بنیاد پرستوں" کے لئے اس کا ہاضمہ سخت کمزور ہے تو کیا اس صورتحال سے نمٹنے کیلئے یہ بہترین طریق کار نہیں ہے کہ افغانستان کے معاملات کو نئی امریکی "افغان پالیسی" کے تحت موجودہ شکل میں منجمد کر دیا جائے۔ ماسکو سے سمجھوتے کے ماتحت روسی افواج بھی واپس چلی جائیں اور مجاہدین کو بھی مکمل فتح سے محروم رکھا جائے اور اس معرض تعطل میں ظاہر شاہ کے تحت ایک لبرل حکومت وجود میں آ جائے جو دو سپر پاورز کے درمیان غیر جانبدار رہے نہ امریکی مفاد کو نقصان پہنچے اور نہ روسی "نرم پیٹ" میں کوئی نشتر چبھے اب اگر امریکہ کی نئی "افغان پالیسی" کا یہ ہدف مقصود ہے تو پاکستان اور مجاہدین کو امداد کی ضرورت خود بخود ساقط ہو جاتی ہے یہ الگ بات ہے کہ امریکہ اور روس کو اپنے اپنے اہداف مقصود نہ ملیں کیونکہ افغانستان کی جنگ آزادی صرف مال و اسلحہ سے تو لڑی نہیں گئی اور ہو سکتا ہے کہ مجاہدین کے ترکشوں میں خانہ ساز تیر ہی اپنے نشانوں پر ٹھیک جا لگیں اور انہیں فتح مبین حاصل ہو۔

Marfat.com

# جنیوا کانفرنس اور وزارت خارجہ

پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کو اچانک ایک کڑے امتحان اور آزمائش کا سامنا ہو گیا تھا' سنتے تو کچھ عرصے سے آرہے تھے کہ جنیوا کانفرنس ہونے والی ہے۔لیکن اس کی توقع نہ تھی کہ ماسکو اور کابل کی طرف سے اس کے انعقاد کے لئے ایک ہفتے سے مختصر وقت کا نوٹس دیا جائے گا اور ساتھ ہی یہ کھلا اشارہ کیا جائے گا کہ یہ تیسری پارٹی کے ذریعے ہونے والے مذاکرات بہت فیصلہ کن ثابت ہوں گے اور اب ماسکو اور کابل اسلام آباد کے سامنے ایسی پیشکش رکھے گا جو اسے مسترد نہ کر سکے گا۔ اگر پیشکش واقعی ایسی ہی نوعیت کی ہوتی تو بظاہر یہ بہت خوش آئند پیش رفت ہوتی اور چونکہ اب باقی ماندہ نزاعی نکتہ روسی فوجوں کے انخلاء کے نظام الاوقات کے متعلق تھا' اس لئے اغلباً یہی خیال تھا کہ اب مخالف پارٹیوں کی جانب سے پاکستان کو ایسا قابل عمل اور قابل قبول ٹائم ٹیبل دیا جائے گا جسے تسلیم کئے نہ بنے گی' لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جاتا تو مسئلہ اتنا سیدھا سادہ نہیں تھا جتنا کہ وہ دکھایا جا رہا تھا' کیونکہ مجھے یقین تھا کہ روسی فوجوں کے انخلاء کے ساتھ ہی درمیانی عرصے کے لئے ایسی عارضی حکومت کے قیام کا سوال کھڑا ہو جائے گا (کیونکہ روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد کابل کی موجودہ کٹھ پتلی حکومت تو چل نہیں سکتی) جسے سب متعلقہ پارٹیوں کی تائید حاصل ہو' حقیقتاً جنیوا مذاکرات کا مرکزی سوال ہی یہ تھا اور اس سوال کا تشفی بخش جواب حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلے اس امر کا تعین کرنا ہو گا کہ حکومت کے قیام کے لئے متعلقہ پارٹیاں کون کون سی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس حکومت کی ترکیب کا جزو اعلیٰ تو افغان مجاہدین ہو سکتے ہیں جو افغانستان کی جنگ آزادی لڑ رہے ہیں۔ دوسرا فریق پاکستان ہے جس نے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر' اس جنگ آزادی و

Marfat.com

ممکن بنایا اس کی اس حکومت کی ساخت میں دلچسپی کی غایت اولیٰ یہ ہے کہ پچھلی افغان حکومتوں نے اس ملک کے ساتھ بڑا معاندانہ رویّہ روا رکھا' پاکستان کی اقوام متحدہ کی رکنیت کے خلاف افغانستان واحد ملک ہے جس نے ووٹ ڈالا اور ڈیورنڈ لائن کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور لگاتار تسلسل سے پختونستان کا زہریلا پروپیگنڈہ جاری رکھا۔ اب پاکستان چاہے گا کہ افغانستان میں ایسی دوستانہ حکومت قائم ہو جو اس سے برابری کی سطح پر ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی اپنا کر اسلامی برادرانہ تعلقات پروان چڑھائے۔ تیسرا فریق بہرحال روس ہے کہ وہ ملک پر قابض ہے اور اس کی بھی یہ دلچسپی ہے کہ کابل میں ایسی حکومت قائم ہو جو اس کے خلاف کسی تیسری طاقت کی ریشہ دوانیوں کا آلہ کار نہ بنے تاکہ وہ اپنی جنوبی سرحدوں کو (جنھیں وہ اپنی Soft Belley نرم پیٹ سے تعبیر کرتا ہے) محفوظ سمجھے۔ چوتھا فریق امریکہ ہے جس نے افغان مجاہدین کو اپنی جنگ آزادی جاری رکھنے کے لئے اسلحہ فراہم کیا اور جو ایک بڑی طاقت ہونے کی بنا پر اسے اپنا حق سمجھتا ہے کہ افغانستان کے معاملات طے کرنے میں اس کا بھی ہاتھ ہونا چاہئے۔

ماسکو اور کابل کی جنیوا کانفرنس کے انعقاد کے متعلق کابل ماسکو تیزروی نے کچھ دلچسپ تبصرات کی راہ کھولی' ایک تبصرہ تو یہ تھا کہ اسے عین اقوام متحدہ کے اجلاس سے پہلے منعقد کروا کے روس نے اقوام عالم خصوصاً ان 122 اقوام کی رائے کو جو پاکستان کی قرارداد کے حق میں سال بسال ووٹ دیتے رہے ہیں' اپنے خلوص اور نیک نیتی سے متاثر ہو کر اپنے مؤقف کے موافق کرے یا کم از کم اس کے خلاف ان کے تیقّن کو ڈگمگائے' چونکہ بڑی طاقتوں کا کوئی اقدام پروپیگنڈے کے عنصر سے عاری نہیں ہوتا' میں یہ کہنے کو تیار نہیں تھا کہ خلاف معمول ماسکو کی جنیوا مذاکرات کی تحریک پروپیگنڈے کے عنصر سے پاک تھی لیکن میں یہ باور کرنے کو آمادہ نہیں تھا کہ یہ سراسر پروپیگنڈے کی مشق تھی' میرے خیال میں یہ اقدام سوچے سمجھے منصوبے و پروگرام کے مطابق کیا گیا تھا اور وہ گورباچوف کی نئی افغان حکمت عملی کے خاکے میں فٹ کرتا تھا۔ دوسرا تبصرہ یہ سننے میں آیا تھا کہ ماسکو براہ راست اسلام آباد سے افغان قضیہ طے کر کے واشنگٹن کو بیچ میں سے ہٹانا چاہتا ہے' جہاں تک اس مسئلہ پر براہ راست ماسکو سے بات چیت کا تعلق ہے اسلام آباد اس بارے میں پہلے ہی اپنا عندیہ ظاہر کر چکا ہے کہ وہ ماسکو سے براہ راست مذاکرات کا خواہشمند ہے کہ بالآخر یہ مسئلہ ماسکو میں ہی حل ہونا ہے اور ابھی ابھی جب ایک ہندوستانی صحافی نے انٹرویو میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق سے پوچھا کہ اگر روسیوں نے انتہائی تھوڑے وقت میں' چھ ماہ میں' افغانستان سے یکطرفہ طور پر فوجیں نکالنے کا اعلان کر دیا تو پاکستان کا ردّ عمل کیا ہو گا تو صدر موصوف نے بلا تامل جواب دیا "اس اعلان پر میں یکطرفہ طور پر یہ اعلان کر دوں گا کہ پاکستان افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے گا"۔ ان باتوں سے اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان افغان قضیئے کو حل کرنے میں اپنے آپ کو بالکل آزاد اور خود مختار سمجھتا ہے بشرطیکہ حل روسی افواج کے انخلاء پر مرتکز ہو جو افغانستان کی آزادی

Marfat.com

بحال کر دے' افغانستان پر اسلام آباد اور ماسکو میں براہ راست معاملہ فہمی یقیناً دونوں ملکوں کے تعلقات کی استواری پر منتج ہوتی' لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہو سکتا تھا کہ پاکستان کے امریکہ سے تعلقات متاثر ہوں گے' اول تو یہ اصول ہی غلط ہے کہ ایک سپر پاور سے تعلقات قائم کر کے دوسری سپر پاور سے تعلقات کمزور کر دیئے جائیں بلکہ جب یہ زور دیا جاتا ہے کہ ہمیں روس سے بھی اچھے تعلقات قائم کرنے چاہئیں تو اس مطالبے کا تقاضا ہے کہ امریکہ سے پاکستان کے تعلقات پہلے کی طرح قائم اور مضبوط رہیں گے' ورنہ ہم ایک غلطی کا ازالہ کر کے دوسری غلطی کے مرتکب ہوں گے تو اس تبصرے کا کہ روس پاکستان سے براہ راست مسئلہ افغانستان طے کرنا چاہتا تھا یہ مفہوم نہیں ہو سکتا تھا کہ امریکہ کو مسئلے کے حل کی کوششوں سے الگ تھلگ یا خارج از مداخلت رکھا جا سکتا ہے' اس سے کوئی معاملہ مستقل بنیاد پر طے نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ امریکہ نے افغان مجاہدین کی اسلحی مدد کی ہے اور وہ ان کے لیڈروں کے ساتھ کچھ نہ کچھ اثر و رسوخ بھی رکھتا ہے اور جنھیں مذاکرات کی کسی نہ کسی سٹیج پر شامل کرنا لازمی و ناگزیر ہو گا۔

میرے خیال میں ماسکو کے اسلام آباد سے براہ راست سمجھوتے کا مرکزی نکتہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پیشتر اس کے کہ ماسکو کسی "ششماہی فوجی انخلاء" کا یکطرفہ اعلان کرے جس کا پاکستان' صدر ضیاء الحق کے فرمان کے مطابق کھلے دل سے خیر مقدم کرے اور افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا جوابی اعلان کرے۔ وہ پاکستان سے آئندہ عارضی کابل حکومت کی ہیئت ترکیبی کے متعلق کسی مفاہمت پر پہنچے تاکہ اسے انشراح قلب سے اس امر کی تسکین ہو سکے کہ یہ حکومت غیر جانبدار ہی نہیں بلکہ روس کی طرف دوستانہ رجحان کی حامل ہو گی' بات یہ ہے کہ ہم تو اس پوزیشن میں ہیں کہ بلا ذہنی تحفظ یہ کہہ سکیں کہ پاکستان افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخیل نہ ہو گا کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ کابل میں فوری عارضی یا انتخابات کے بعد مستقل حکومت میں افغان مجاہدین کا غلبہ ہو گا جن کے جذبات خیر سگالی پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں لیکن ماسکو مستقبل کو غیر جانبداری بلکہ دوستانہ طرز عمل کی یقین دہانیوں کے باوجود اتنے باوثوق مطمح نگاہ سے دیکھنے کا اہل نہیں ہو گا اور اس لئے وہ پاکستان اور اس کے توسط سے افغان مجاہدین سے کڑی ضمانتوں کا طالب ہو گا اور اس کی نظر میں روسی مفادات کی سلامتی اسی امر میں مضمر دکھائی دے گی کہ آئندہ کی کم از کم عارضی کابل حکومت میں اس کے نظریات کے حامی اور پرچم بردار بھی شامل ہوں۔ اس موضوع میں ظاہر شاہ کے نام کا آنا بھی ناگزیر نظر آتا تھا' میں سمجھتا تھا کہ جنیوا مذاکرات اسی نقطے پر مرکوز ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مذاکرات ناکام ہو گئے اور یہ محض ڈھونگ ہے کہ ماسکو اور کابل کے نقطہ ہائے نگاہ میں اختلاف ہے اور جہاں ماسکو انخلاء چاہتا ہے کابل حکومت کی ساخت کے بارے میں کسی مفاہمت پر مصر ہے' حقیقتاً ماسکو کابل ایک ہی رائے کے حامل ہیں' میری ذاتی رائے میں اگر ماسکو اسلام آباد کو فوجی انخلاء کے لئے قابل قبول نظام الاوقات کی پیشکش کر دیتا' تو اسے بھی ماسکو کو آئندہ

Marfat.com

کابل حکومت کے بارے میں مطمئن کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہئے تھی کہ اسی کوشش کی کامیابی پر پاکستان کی قیادت اور وزارت خارجہ کی سفارتی مہارت کے تاریخی امتحان کے نتیجے کا انحصار تھا۔ اس امتحان میں کامیابی سے افغانستان ہی آزاد نہ ہوتا بلکہ پاکستان کے سوویت یونین سے تعلقات مثبت خطوط پر استوار ہوتے جن سے علاقے کے حالات پر گہرے اثرات مرتب ہوتے' لیکن ماسکو نے تو گھوڑے کے آگے بگھی جوت دی جس سے معاملہ ٹھپ ہونا ہی تھا' لیکن لیڈروں کی آزادانہ کابل یاترا بھی کچھ ہمارے لئے مفید ثابت نہیں ہوئی کہ ان کے بیانوں سے قومی مؤقف کے متعلق غلط تاثر ہی پیدا ہوا ہے' ان سے روسی کابلی پوزیشن مضبوط نظر آئی ہے اور پاکستانی پوزیشن کمزور۔

وزارت خارجہ کے ذکر سے اس کی آئندہ سیادت کا نیا سوال اٹھتا ہے کہ موجودہ وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان یونیسکو کے سربراہ کے عہدے کے امیدوار بن چکے ہیں اور اغلب یہی نظر آتا ہے (یہ ان کی منفرد شخصیت کا کرشمہ ہے) کہ وہ منتخب ہو جائیں گے' چونکہ انتخاب کا معاملہ اس سال کے آخر تک فیصل ہونے کا امکان ہے' اس لئے وزیر اعظم جونیجو فوری طور پر ایک گھمبیر مسئلے سے دوچار ہونے والے ہیں کہ اگلا وزیر خارجہ کون ہو؟ فی زمانہ وزیر خارجہ کی اہمیت کے متعلق مبالغہ نہیں کیا جا سکتا' بڑی طاقتیں اپنے مفادات کو آگے بڑھانے کے لئے اور چھوٹی اور متوسط طاقتیں اپنے مفادات کو بچانے کیلئے اپنے اپنے جسد سیاست کے مدقّع ترین افراد کو اس عہدے پر فائز کرتی ہیں اور حکومت میں وزیر خارجہ کا درجہ وزیر اعظم کے بعد سب وزراء سے اونچا ہوتا ہے۔ برطانیہ کی سیاسی تاریخ بتائے گی کہ اس کے بہترین سیاست دان اسی عہدے پر فائز رہے ہیں اور یہیں سے وزارت عظمیٰ کے منصب تک بھی پہنچے ہیں' امریکی نظام سیاست مختلف ہے اور وہاں منتخب صدر کو آزادی ہے کہ وہ معاشرے کے کسی میدان سے (وہ یونیورسٹی ہو یا بزنس) بہترین دماغ کے شخص کا سیکرٹری آف سٹیٹ کے عہدے کے لئے انتخاب کرے' ان سیکرٹریوں میں ایسے افراد بھی منظر عام پر آئے ہیں جنھوں نے اپنے منتخب شدہ صدور سے زیادہ طاقت اور اثر و رسوخ کا مظاہرہ کیا ہے' صدر آئزن ہاور کے زمانے میں جان فاسٹر ڈلس اسی کینڈے کے سیکرٹری آف سٹیٹ تھے۔ اسی طرح روس میں کمیونسٹ دنیا کی بہت بڑی شخصیتوں نے وزارت خارجہ کے عہدے کو مزین کیا ہے' سٹالن کے دور میں مالوٹوف جو ربع صدی کے قریب وزیر خارجہ رہے' ایسے پائے کے وزیر خارجہ تھے کہ ان کے جنگ عظیم کے کارناموں پر انگشت بدنداں ونسٹن چرچل بھی (جو خود ڈپلومیسی کا ماہر اولیٰ تھا) تعریف میں رطب اللسان تھا' اسی لائن پر اتنے ہی لمبے عرصے گرومیکو نے اپنے ملک کی خدمات انجام دیں جن کے صلے میں وہ آج سوویت یونین کے صدر ہیں۔ ہمسایہ ملک ہندوستان کے خارجی معاملات عشروں وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے ہاتھوں میں رہے' چونکہ ہندوستان نے پاکستان کے وجود کو کبھی دل سے تسلیم نہ کیا تھا اور وہ اس کی تخریب پر تلا ہوا تھا۔ ہماری خارجہ پالیسی کی شروع سے خصوصی

Marfat.com

ضرورت دفاع اور سلامتی تھی' پاکستان کو ہندوستان کی دشمنی کا تو سامنا تھا ہی' اس کے برطانیہ سے بھی چنداں گرم جوشی کے تعلقات نہ تھے کہ ایک تو اس کا ظہور برصغیر کو متحد رکھنے کی مستقل برطانوی پالیسی کی نقیض تھا' پھر لارڈ مونٹ بیٹن کو قائداعظمؒ سے یہ ذاتی پرخاش تھی کہ انہوں نے اسے دونوں مملکتوں پاکستان اور ہندوستان کا مشترکہ گورنر جنرل نہ بننے دیا' جہاں برطانیہ اور مونٹ بیٹن کا مشترکہ گورنر جنرل شپ کے ادارے کے قیام کا مقصد دنیا کے سامنے برصغیر کی وحدت کی تصویر اور تصور پیش کرنا تھا (جس میں حادثاتی وجوہ کی بنا پر حقیقت کا جامہ پہننے کی بھی گنجائش مخفی تھی) وہاں قائداعظمؒ دنیا پر واشگاف طور پر واضح کر دینا چاہتے تھے کہ نوزائیدہ پاکستان آزاد' خودمختار اور مطلق العنان ملک ہے اور وہ کسی پہلو ہندوستان کا ذیلی ملک نہیں ہے' برطانیہ سے اختلاف رائے کے اس پس منظر میں (اور اس وقت ہمارے خارجہ تعلقات کا مدار برطانیہ ہی تھا کہ ابھی ہم امریکہ سے بھی روشناس نہ ہوئے تھے) قائداعظمؒ نے ایسے شخص کو وزیر خارجہ بننے کے لئے منتخب کیا جو برطانوی سیاست دانوں کی نظر میں بہت پسندیدہ شخصیت تھے یعنی چودھری سر ظفراللہ خان' گو چودھری ظفراللہ خان انگریزوں کی سرپرستی میں عروج کی سیڑھیاں چڑھے (وہ اپنی برطانیہ سے قادیانی' مذہبی وفاداری اور سر فضل حسین کے طفیل نوعمری میں ہی وائسرائے کی کونسل کے ممبر بنے) لیکن وہ قابلیت اور صلاحیت کے انسان تھے اور وہ انگریزوں کے تحت ججی سے لے کر سفارت تک مختلف میدانوں میں اتنے عہدوں پر لگے رہے کہ انہیں انگلستان اور مغربی دنیا میں بااثر لوگوں سے ملنے ملانے کا وسیع موقع اور تجربہ حاصل ہوا' اس کے علاوہ وہ لائق وکیل تھے اور طاقت لسانی کے مالک تھے' قائداعظمؒ نے انہی خصوصیات کی بنا پر چودھری ظفراللہ خان کی خدمات کو استعمال کیا کہ وہ برطانیہ کی تالیف قلب کریں تاکہ مسئلہ کشمیر اور دوسرے متنازعہ مسائل پر وہ بالکل ہندوستان کی طرف نہ جھک جائے' چودھری ظفراللہ خان نے قائدؒ کے مقرر کردہ فرائض کو بخوبی سرانجام دیا لیکن وہ اپنی ایک کمزوری پر قابو نہ پا سکے اور وہ کمزوری تھی ان کی قادیانیت سے والہانہ وابستگی جس نے اگر ایک طرف انہیں اپنے محسن قائداعظمؒ (قائداعظمؒ کے سوا کس سربراہ مملکت کو جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ ایک قادیانی کو وزیر خارجہ مقرر کر دے!) کی نماز جنازہ ادا کرنے سے روکا تو دوسری طرف انہیں اپنی سرکاری پوزیشن کو قادیانی مشنوں کو مضبوط کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ پیش کی۔ وہ دنیا کے جس ملک اور شہر میں گئے سب سے پہلے وہاں کے قادیانی مشنری کو ملے (یہ کوائف ان کی خودنوشت سوانح "تحدیث نعمت" میں درج ہیں) بہرحال ان دنوں کشمیر ہمارا سب سے بڑا مسئلہ تھا اور اسے ایک فیصلہ کن مرحلے (یعنی اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب رائے) تک پہنچانے میں چودھری صاحب نے اہم رول ادا کیا۔

چودھری ظفراللہ خان کے بعد مسٹر بھٹو تک کوئی قابل ذکر وزیر خارجہ نہیں ابھرا' بھٹو شروع میں تیل کے وزیر تھے لیکن ان کی سب سے بڑی آرزو وزیر خارجہ کے منصب کا حصول تھا' وہ اپنے آپ کو عالمی

Marfat.com

معاملات کا ماہر اور ڈپلومیسی کا ماسٹر جانتے تھے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے زیور سے پوری طرح مزین تھے۔ ذہین و فطین تھے اور بہت مؤثر پارلیمانی مقرر تھے اور انہیں مخالفوں کا خاکہ اڑانے کا خاص ملکہ حاصل تھا (ان کے وزیر خارجہ بننے پر میں نے پاکستان ٹائمز میں ان کی شان میں ایک تعریفی مقالہ بھی لکھا تھا) لیکن انسانی خوبیاں اور اوصاف جو قدرت اسے ودیعت کرتی ہے، تبھی اپنی بالیدگی کے اصلی نقطہ عروج کے مظاہر کی جلوہ گری کرتے ہیں جب وہ صداقت، خلوص اور نیک نیتی کی سان پر چڑھائے جائیں ورنہ وہی خوبیاں اور اوصاف کسی برے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ قائداعظمؒ نے اپنے دل و دماغ کی عظیم صلاحیتوں کو قوم کی خدمت کیلئے وقف کر کے کردار کی وہ چٹان تعمیر کی جس پر تحریک پاکستان کے خلاف انگریزوں اور ہندوؤں کے حملے چکنا چور ہو گئے اور برّصغیر میں ایک عظیم الشان اسلامی مملکت نمودار ہو کر رہی، قائداعظمؒ کے مسلم مخالفین بھی بڑی خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن زاویہ نگاہ کی کجی کی بنا پر ان کا رویہ منفی مؤقف پر منتج ہوا اور ایک نازک بحرانی موقع پر وہ قوم کی خدمت سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انا سے بھی سرفراز کیا ہے لیکن اگر وہ اپنی انا کا غلام ہو کر رہ جائے (جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا آپ نے رسولؐ اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے) تو وہ لازماً محدود ہو کر رہ جائے گا کہ بالآخر ایک انسان کا طول و عرض محدود ہے، اور وہ بے شک اپنی پوجا میں لگا رہے لیکن رہے گا وہ چھوٹا سا شخص، انسان اپنی شخصیت کی جبلی چھوٹائی اور تنگیوں کی حدود کو پار کر کے تبھی وسیع المرتبت اور لامحدود ہوتا ہے جب وہ کسی بڑے مقصد حیات سے ہمکنار ہو جائے اور اسے اپنا نصب العین بنالے۔ مسلمانان برّصغیر کے کاز کو اپنا کر قائدؒ آفاق پر چھا گئے، محض اقتدار کے حصول کے لئے ملک کو توڑ کر بھٹو قعر مذلت میں گر گئے، بھٹو طبّاع تھے اور وہ خارجہ پالیسی کی گتھیوں کو پہچانتے تھے اور جب تک وہ صدر ایوب کے تحت کام کرتے رہے، وہ صحیح راہ پر چلتے رہے لیکن جب انہیں قیادت کا شوق چرایا، انہوں نے اپنے ذہن کو تخریبی راہ پر لگا دیا، 65ء کی جنگ بپا کرنے میں جس کے ذریعے وہ صدر ایوب کو کمزور کرنا چاہتے تھے، ان کا بڑا ہاتھ تھا اور یہ انہیں اس میں پھنسوانے کی ترکیب تھی کہ وزارت خارجہ نے صدر کو اس مضمون کا ایک نوٹ لکھ کر بھیجا کہ امریکہ نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ ہمارے وادی کشمیر میں گھس جانے پر ہندوستان بین الاقوامی سرحدیں پار نہ کرے گا یعنی وہ پاکستان پر حملہ آور نہ ہو گا اور لڑائی متنازعہ مقبوضہ کشمیر کی حدوں تک محدود رہے گی، اس لڑائی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مشرقی پاکستان ننگا، نہتا اور بے یار و مددگار نظر آیا جس نے مجیب کی تحریک علیحدگی کے لئے مہمیز کا کام دیا، پھر جب سقوط ڈھاکہ کے بعد جرنیلوں کے برتے پر بھٹو برسر اقتدار آئے اور وہ خارجہ پالیسی کے پوری طرح ذمہ دار بنے تو ان کی نیت کا یہ حال تھا کہ جہاں ایک طرف وہ مجیب کو غیر مشروط طور پر رہا کر رہے تھے، بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی مہم چلا رہے تھے وہاں ان ملکوں سے جو بنگلہ دیش کو تسلیم کر رہے تھے

Marfat.com

قطع تعلق کر رہے تھے' جس بھونڈے طریقے سے انہوں نے کامن ویلتھ (دولت مشترکہ) کو چھوڑا اس مذبوحی حرکت سے نہ صرف ہم ہندوستان کے ہاتھوں میں کھیلے جواب ہمارے دوبارہ داخلے میں سدِ راہ بن گیا ہے بلکہ جس کی تلخی آج تک لندن میں باقی ہے' چونکہ بھٹو کی زندگی کا مقصد بھٹو پرستی تھی' اس لئے خارجہ پالیسی کا ٹارگٹ ملکی مفاد کی تقویت نہ تھا بلکہ بھٹو کی ذات کو عالمی توجہ کا محرک و محور بنانا تھا کہ وہ ایشیا کا ہی نہیں بلکہ پوری تیسری دنیا کا لیڈر تھا۔ وہ بیک وقت نہرو' ناصر' ٹیٹو' سوکارنو کا جانشین تھا بنگلہ دیش کو تسلیم کروانے کے لئے اسلامی کانفرنس رچا کر' وہ تیسری دنیا کے ملکوں کی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے پیچھے پڑے ہوئے تھے جس کیلئے ان کے نام نہاد وزیر خارجہ عزیز احمد مُلک مُلک کی خاک چھانتے پھرتے تھے' پھر وہ خواہ مخواہ امریکہ سے الجھے اور اس کے ملک سے دیرینہ تعلقات کو نقصان پہنچایا۔ شملہ سمجھوتہ جو ان کا شاہکار سمجھا جاتا ہے' ہماری زک کا موجب بنا' بے شک ایک شکست خوردہ ملک (جس کے ہزاروں فوجیوں کو بھی بھٹو صاحب نے برضا و رغبت ہندوستان کی تحویل میں دے دیا تھا اور نہ مجیب کی رہائی کے عوض انہیں حراست سے چھڑایا جا سکتا تھا) اور بالادست ملک کا کوئی مقابلہ نہیں۔ لیکن پھر شملہ سمجھوتے کو پاکستان کی فتح کے طور پر پیش کرنا کھلی بددیانتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سمجھوتے کی رو سے جہاں سیز فائر لائن' لائن آف کنٹرول میں تبدیل ہوئی یعنی پاکستان کی پہلے سے بھی پوزیشن زیادہ غیر مستحکم ہوئی وہاں مسئلہ کشمیر کو بین الاقوامی فورم میں اٹھانے کیلئے ہم دوسری پارٹی یعنی ہندوستان کی رضامندی کے پابند ہو گئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پاکستان نے بھٹو کی ذہانت اور فطانت کی بہت بڑی قیمت ادا کی اور یہ ملک پر اللہ کا کرم ہوا کہ اس کی حکمرانی نے مزید طول نہ پکڑا۔

جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں خارجہ پالیسی ان کے اپنے ہاتھ میں تھی اور خصوصاً افغانستان پر دسمبر 79ء میں روسی حملے کے بعد افغان مجاہدین کے توسط سے مزاحمت کی حکمت عملی کا نقشہ انہوں نے ہی خاکہ کھینچا۔ بے شک وزیر خارجہ آغا شاہی اس حکمت عملی کے پبلک ترجمان تھے لیکن اس کی جزئیات ایوان صدر میں طے ہوئی تھیں جس کے روزمرہ کے انچارج صدر کے چیف آف سٹاف جنرل کے ایم عارف تھے ان کی اوکے کے بغیر وزارت خارجہ کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی۔ ایوان صدر میں خارجہ حکمت عملی کی اہمیت کی ایک وجہ تو ظاہر ہے یہ تھی کہ مارشل لاء حکومت تھی دوسرے افغانستان پر روسی افواج کے قبضے کے بعد معاملہ براہ راست فوجی نوعیت اختیار کر گیا تھا اور خارجہ پالیسی کا اہم ترین مقصد ملٹری سٹریٹیجی اور اسلحہ کی فراہمی بن گیا تھا۔ آغا شاہی نے پاکستان کا افغان کیس دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے میں اپنی سفارتی صلاحیتوں کو بڑی لیاقت و مہارت سے استعمال کیا اور ملک کی بڑی خدمت کی لیکن میرے خیال میں پاکستان کے غیر جانبدار برادری میں شمولیت اور رکنیت کے بعد وہ ملک کے ٹھیٹھ مفادات کے صراط مستقیم سے بھٹک کر کچھ غیر جانبداریت کی نظری سیاست کے بکھیڑوں میں الجھ گئے اور خارجہ پالیسی پر فوجی نقطہ نگاہ کی

Marfat.com

ترجمانی کے اہل نہ رہے۔ ان کے بعد وزارت خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان کے ہاتھوں کو سونپی گئی' ان کی پہلی صفت تو یہ تھی کہ وہ خود جنرل تھے' اس لئے فوجی ضروریات کماحقہ سمجھتے تھے' دوسرے انہیں پچھلے کئی سالوں میں قیمتی سفارتی تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور وہ بین المملکتی تعلقات کی باریکیوں کا خوب ورک رکھتے تھے' وہ پختہ کردار اور قابلیت ہی کے مالک نہ تھے بلکہ ہفت زبان تھے جو اہلیت بہت کم سفارت کاروں کو میسر ہوتی ہے' نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبزادہ یعقوب خان نے نہایت مشکل حالات میں پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کو صدر ضیاء الحق کی رہبری میں خود اعتمادی' جاں فشانی اور کامیابی سے چلایا تا آنکہ نوبت یہاں آپہنچی ہے کہ وہی روسی افواج جو کل تک پہاڑ کی طرح افغانستان میں متمکن نظر آتی تھیں' آج وہاں سے بادلوں کی طرح پرواز کرنے کا پروگرام بنا رہی ہیں (قرآن کریم میں آیا ہے کہ قیامت کے دن پہاڑوں کو جنھیں تم جامد اور ساکت دیکھتے ہو چلیں گے چال بادلوں کی) اور حالیہ جنیوا کانفرنس اسی پروگرام پر مہر توثیق ثبت کرنے کیلئے منعقد ہو رہی تھی اور گو وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ روسیوں کو شکست ہو چکی ہے۔ اس پیش رفت کے پیچھے اگر افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی کا عمل کار فرما ہے تو اسی نسبت سے اس میں پاکستان کی قیادت کی الوالعزمی ثابت قدمی اور بیکراں قربانی کا عنصر بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے صاحبزادہ یعقوب خان میرے اندازے میں' پاکستان کے بہترین وزیر خارجہ ثابت ہوئے ہیں' اوّل تو وزیراعظم کو صاحبزادہ صاحب کو وزیر خارجہ رہنے کی ترغیب دینی چاہئے لیکن اگر یونیسکو کی سربراہی کی امیدواری سے دست کشی ملکی مفاد کو راس نہ سمجھا جائے تو پھر اگلے وزیر خارجہ کی تقرری کے متعلق بہت سوچ بچار کی ضرورت ہوگی اور وزیراعظم کو اپنی سیاسی فراست کو بدرجہ اُتم بروئے کار لانا ہو گا۔

جب صاحبزادہ یعقوب خان کی یونیسکو کی سربراہی کی امیدواری کی خبر شائع ہوئی تھی تو قیاس آرائی ہوئی تھی کہ غالباً ریٹائرڈ جنرل کے ایم عارف کو صاحبزادہ کی جگہ سینٹ میں منتخب کرا کے انہیں وزیر خارجہ مقرر کر دیا جائے' جنرل عارف کی تقرری یقیناً مستحسن ہوگی کہ وہ سالہا سال خارجہ معاملات کی نگرانی اور چھان بین کے فرائض ادا کرتے رہے ہیں اور مسئلہ افغانستان پر پورا عبور رکھتے ہیں جو اس وقت فیصلے کے اہم ترین موڑ پر پہنچ چکا ہے' پھر انہیں صدر مملکت اور افواج جو اس مسئلے کے حل میں اوّلیت کا درجہ رکھتی ہیں کا اعتماد بھی حاصل ہو گا' استحقاق اور ملکی مفادات کی روشنی میں مجھے ان سے کوئی بہتر آدمی نظر نہیں آتا' بے شک وزیر مملکت زین نورانی بھی موجود ہیں اور انہیں پچھلے ڈیڑھ سال میں کچھ نہ کچھ خارجہ پالیسی کا تجربہ بھی ہو چکا ہے وہ پرانے اور پختہ عقیدے کے مسلم لیگی ہیں مجلس شوریٰ میں میرے ساتھی رہ چکے ہیں اور میں ان کے خلوص اور شخصیت سے متاثر ہوں لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ خود شناس ہیں اور وہ ابھی از خود وزیر خارجہ کی کلیدی ذمہ داری کو اٹھانے کیلئے تیار نہ ہوں گے کیونکہ انہیں ابھی خارجہ تعلقات کے لق ودق میدان میں مزید دشت پیمائی کی ضرورت ہے۔ شاید میں اس مسئلے کو نہ چھیڑتا اور معاملہ قطعی طور پر وزیراعظم

Marfat.com

کی صوابدید پر چھوڑ دیتا کہ بالآخر وہی فیصلے کے اہل ہیں لیکن پچھلے دنوں یہ خبر آئی کہ مولانا کوثر نیازی نے وزیر اعظم سے لمبی ڈھائی گھنٹے کی ملاقات کی 'ظاہر ہے یہ کوئی رسمی ملاقات نہ ہوگی اس کی ضرورت کوئی گہری علت ہی ہوگی 'اس امر کا ثبوت کہ ملاقات معنی خیز تھی' اس طرح ظاہر ہوا کہ اس کے بعد فوراً یہ اعلان ہوا کہ مولانا روس کی دعوت پر اس ملک کا دورہ کر رہے ہیں (وہ اب تک ماسکو جا چکے ہیں) ایسے دورے پاکستان کے دوسرے لیڈروں نے بھی کئے ہیں اور خبریں مظہر ہیں کہ اپوزیشن لیڈر فخر امام کو بھی دورے کا دعوت نامہ آیا ہے لیکن مولانا کے دورے کا خصوصی پہلو یہ ہے کہ وہ دورے پر جانے سے پہلے دوبارہ وزیر اعظم سے ملے جس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ دورے کے متعلق ہی تبادلہ خیال ہوا ہو گا اور وزیر اعظم نے انہیں کچھ ہدایات یا روسی لیڈروں کے لئے پیغامات دیئے ہوں گے۔ یوں مولانا کے دورے کے متعلق اگر یہ تاثر قائم ہو جائے کہ وہ نیم سرکاری وسفارتی حیثیت اختیار کر گیا ہے 'تو غلط نہ ہو گا اور اس کی اہمیت اس لئے بھی دوگنی ہو جاتی ہے کہ عین اسی وقت جب جنیوا کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا وہ روسی لیڈروں سے مل رہے تھے' خدا جانے ان کی ملاقاتوں کا جنیوا مذاکرات پر کیا اثر ہوا' مزید برآں مولانا نے وزیر اعظم کے سیاسی مشیر کی پوزیشن بھی سنبھال لی معلوم ہوتا ہے اور وہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان رابطے کی ذمہ داری کا کام بھی دینے لگے ہیں' چنانچہ وہ جیل میں کھر سے لمبی ملاقات کر چکے ہیں۔ جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل سے ان کی ہمشیرہ کی وفات پر تعزیت کے بہانے بات کر چکے ہیں اور اب خبر ہے کہ روسی دورے کی واپسی پر وہ لندن میں بطور خویش پاکستانی جلاوطن لیڈروں سے بھی ملاقات کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں۔ ادھر سینٹ میں مذہبی امور ترک کر کے وہ اپنی توجہ خارجہ حکمت عملی پر مرکوز کر رہے ہیں اور اس پر دھواں دھار تقریریں کر چکے ہیں' پھر اپنے استاد بھٹو کے نقش قدم پر چل کر مشرق ومغرب کے ممالک کے سفروں پر جا چکے ہیں' وہ آج کل لندن اسی آسانی اور تواتر سے جاتے ہیں جیسے کبھی مذہبی امور کے وزیر کی حیثیت سے جدہ جایا کرتے تھے اب اگر مولانا کی وزیر اعظم سے قربت (جو شاید انہیں پیر پگاڑا کی اشیرباد کے بغیر حاصل نہ ہو سکتی تھی) جس کے نتیجے میں وہ موجودہ سفارتی مشن پر ماسکو گئے ہیں' نیز ان کی طرف سے مخالف سیاسی عناصر سے ملاقاتیں' پھر خارجی معاملات سے گہرے شغف کا اس سے پرزور اظہار جب صاحبزادہ یعقوب خاں وزارت خارجہ چھوڑنے والے نظر آ رہے ہوں' لازماً یہ کھٹکا پیدا کرتا ہے کہ مولانا مسلم لیگ کی طرف ہی مائل نہیں' حکومت کی طرف داری کیلئے ہی نہیں جھک رہے بلکہ ان کی نظریں وزیر خارجہ کی آسامی پر بھی گڑی ہوئی ہیں۔ وزیر خارجہ کی اہلیت کے لئے کچھ قومی معیار کے تقاضے ہیں' ایک تو یہ کہ جہاں پارلیمانی حکومتوں میں وزیر خارجہ حکمران پارٹی کی وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم شخصیت ہوتی ہے اور وہ قوم میں مقبولیت اور اثر ورسوخ کی ہی حامل نہیں ہوتی وہ سیاسی کریکٹر کے اعتبار سے بالائے شک وشبہ ہوتی ہے' وہاں صدارتی نظاموں (مثلاً امریکہ) میں ملک کا صدر

Marfat.com

قوم کا لائق ترین شخص سیکرٹری آف سٹیٹ منتخب کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مولانا اس معیار پر پورے اترتے ہیں؟ دوسرے وزیر خارجہ کے عہدے کا امیدوار عالمی سیاست پر حاوی ہو کہ موجودہ دور میں جب جغرافیہ سمٹ گیا ہے اور جب فاصلوں کی تشخیص ملکوں کی بجائے شہروں سے ہوتی ہے اور قوموں کے معاملات اور ان کی قسمتیں اندرونی عوامل کی جگہ بیرونی عوامل طے کرتے ہیں' کیا مولانا جنھیں خارجہ معاملات کا زیادہ تجربہ نہیں ہے۔ پاکستان کی عالمی گتھلکوں سے عہدہ براء ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ دیانت داری کا تقاضا ہے کہ ان دونوں نکات پر جواب نفی میں دیا جائے' لیکن ایک اور نکتہ بھی فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے' پچھلے دنوں سے سینٹ میں تقاریر اور اخباروں میں مضامین کے ذریعے مولانا کوثر نیازی نے صدر مملکت اور مارشل لاء کے زبردست نقاد کی شہرت ہی حاصل نہیں کر لی (بھٹو کے مارشل لاء حکومت کے وزیر با تدبیر کو یہ رول کہاں تک زیب دیتا ہے' معاملہ دیگر است) بلکہ جنرل صاحب پر ذاتی حملے بھی کئے ہیں۔ سینٹر صاحب کو حق ہے کہ وہ سینٹ میں آزادی اظہار کی مراعت کو جس طرح چاہیں استعمال کریں لیکن عام طور پر صدارت کیلئے کچھ ادب آداب ہیں جو ملحوظ رکھے جاتے ہیں لیکن یہاں میری غرض ان ادب آداب کی طرف توجہ دلانا مقصود نہیں' میرے سامنے مولانا کے رویئے کے عملی مؤثرات ہیں' اب اخلاقاً اور قانوناً صدر اور وزیراعظم کے تعلقات دستور کی رو سے منضبط ہیں۔ دونوں ایک ہی نظام کا جزولاینفک ہیں۔ وزیراعظم کی وزارت صدر کے مشورے اور منظوری سے بنتی ہے۔ اس لئے موجودہ نظام کی کامیابی کا دارومدار سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت کے خوشگوار تعلقات پر ہے' ان پر دستوری وعملی تقاضوں کی روشنی میں اگر کوئی شخص خواہ معاشرے کے کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہو' مخالف صدر ہوتے ہوئے وزیراعظم کا منظور نظر دکھائی دے بلکہ وزارت خارجہ کی طرف جست لگاتا ہوا نظر آئے' تو اس نظام حکومت کے متعلق عوام میں کیا تاثر پیدا ہو گا کیا یہ امر ان افواہوں کی تصدیق نہ کرے گا کہ صدر مملکت اور وزیراعظم آپس میں برسرپیکار نہیں تو کم از کم ہم آہنگی اور یگانگت کی تصویر پیش نہیں کرتے؟ اس تاثر سے اندرونی خلفشار کو تو یقیناً ہوا ملے گی لیکن اس کا بیرونی دنیا پر بھی اچھا اثر نہ پڑے گا اور ایسے وقت جب ہم پہلے ہی کٹھن خارجی مسائل سے دوچار ہیں (روسی انخلاء کا مسئلہ لٹک رہا ہے تو امریکی امداد معرض تعطل میں پڑی ہے اور ہندوستان کا جارحانہ طرز عمل اس کے سوا ہے) یہ حکومتی کھٹ پٹ ہمیں اور مشکلات سے دوچار کر دے گی اور ملک کی ساکھ بری طرح مجروح ہو جائے گی میری وزیراعظم سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وزیر خارجہ کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لیں' اوّل تو وہ صاحبزادہ یعقوب خان کو اپنے عہدے پر قائم رہنے پر مصر ہوں' ثانیاً اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ جنرل کے ایم عارف کی خدمات سے استفادہ کریں کہ اس وقت مسئلہ افغانستان کے لئے افواج کا اعتماد از حد ضروری ہے۔ وزیراعظم محب وطن ہیں وہ ملک و قوم کا بھلا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

# جنیوا کانفرنس کی ناکامی

جنیوا میں اسلام آباد کے اقوام متحدہ کے نمائندے کے توسّط سے کابل سے کئی سال سے بالواسطہ مذاکرات ہو رہے ہیں لیکن اب تک جہاں ان میں کتنے ہی امور پر پیش رفت ہوئی ہے وہاں ان کے بے نتیجہ اختتام پر چنداں تعجب نہیں ہوا' کچھ عرصے سے ان کے سامنے آخری اور اہم مسئلہ روسی افواج کے انخلاء کے نظام الاوقات کا درپیش ہے' جو کانفرنس کی کئی نشستوں کا موضوع رہا ہے لیکن حل نہ ہو سکا' آخری کانفرنس میں' جو چھ ماہ پہلے ہوئی تھی' کابل کی طرف سے اٹھارہ ماہ کا ٹائم ٹیبل پیش کیا گیا تھا جبکہ اسلام آباد سات ماہ پر مصر تھا' فی الوقت ایک طرف پاکستان اور سوویت یونین میں اور دوسری طرف امریکہ اور سوویت یونین میں جلد از جلد روسی فوج کو واپس بلانے کے متعلق بلاواسطہ گفتگوئیں تو ہوتی تھیں لیکن جنیوا کانفرنس کے انعقاد کی کسی کو توقع نہ تھی کہ یکایک کابل نے اقوام متحدہ کے نمائندے سے رجوع کیا اور ستمبر کے اوائل میں اس کی فوری نشست کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی اس امر کا اعلان کیا کہ اس بار جس نظام الاوقات کی پیشکش کابل کرے گا' اسلام آباد اسے مسترد نہ کر سکے گا' کابل کے اعلان سے ہم آہنگی میں ماسکو کی طرف سے بھی سرکاری طور پر کہا گیا کہ آئندہ جنیوا کانفرنس کو انخلاء کی حتمی تاریخوں سے مطلع کیا جائے گا' ان اعلانات کے مژدہ سے پاکستان میں اچنبھا ضرور ہوا لیکن یہ قوی امید بندھی کہ اب مسئلہ افغانستان حل کی قابلِ عبور حدود میں داخل ہونے والا ہے' اس لئے ہمارا ڈیلی گیشن وزیر خارجہ صاحب زادہ یعقوب خان کی قیادت میں بروقت جنیوا پہنچ گیا لیکن دو تین دن کے بعد ہی وہ حسب معمول کسی مثبت نتیجے کے بغیر ختم ہو گیا' جس سے مایوسی اور کوفت لازم تھی کہ کابل اور ماسکو نے کانفرنس کے نتائج کے متعلق خوش آئند پیش گوئیاں کی ہوئی تھیں۔

Marfat.com

بظاہر اس کانفرنس کا انعقاد پروپیگنڈہ سٹنٹ ہی نظر آئے گا اور ماسکو کے سرکاری ترجمان پراودا اخبار نے پاکستان کو ہٹ دھرمی اور ضد کے لئے مورد الزام ٹھہرایا ہے جس کا مطلب ہے کہ روسی اس تاثر اور رائے کو اقوام متحدہ کے ایوانوں میں تشہیر دینے کی کوشش کریں گے' لیکن حقائق ہیں کیا؟ کابل کے اس اعلان کے بعد کہ وہ نظام الاوقات کی ایسی پرکشش پیشکش کرے کہ اسلام آباد کو ماننے نہ بنے گی اور ماسکو کا یہ اعلان کہ تاریخیں قطعی اور حتمی ہوں گی' پیشکش یہ ہوئی کہ 18 ماہ کی بجائے روسی فوجیں 16 ماہ میں واپس چلی جائیں یعنی صرف 2 ماہ کی کمی کی مراعت دی گئی جبکہ ہم سات ماہ کا مطالبہ کر رہے ہیں' حالانکہ اگر چھ ماہ پہلے 18 ماہ کی پیشکش مان لی جاتی تو اب صرف بارہ ماہ رہ جاتے' تو کابل کی دوماہی کمی میں اسلام آباد کے لئے کیا کشش ہو سکتی تھی؟ یہاں یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے تو پھر ہم نے چھ ماہ پہلے پیش کردہ اٹھارہ ماہ کی پیشکش کیوں نہ قبول کر لی کہ اب تک روسی فوجوں کے انخلاء کے عرصے میں چھ ماہ کی کمی آجاتی اور وہ صرف بارہ ماہ رہ جاتا! سادے حساب کتاب کے مطابق تو یہ بات منطقی نظر آتی ہے لیکن جنگ و امن کے معاملات پر اس منطق کا اطلاق نہیں ہو سکتا' کیونکہ روسیوں کے لئے سوالوں کا سوال یہ ہے کہ ان کی فوجوں کے انخلاء کے بعد ماسکو کا کابل میں اثر و رسوخ کس طرح قائم و جاری رہ سکتا ہے' ان کے نزدیک یہ یقین دہانی کہ کابل میں ایک غیر جانبدار اور دوستانہ حکومت ہو گی' ایک سلوگن اور محاورے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا' انہیں تو اپنی کابل میں پوزیشن کی استواری کا تب ہی یقین اور اعتماد ہو سکتا ہے کہ کسی نظام حکومت کے ذریعے ان کے وہاں بدستور پاؤں جمے رہیں' اب انخلاء کی تاریخ پر اتفاق رائے ہو جائے اور اس پر فیصلہ ہو جائے تو دو صورت حالات پیدا ہو سکتے ہیں انخلاء پر اتفاق رائے کا ایک نتیجہ تو یہ ہو گا کہ امن کا اعلان ہو جائے گا اور طرفین جنگ بند کر دیں گے اور جہاں روسی فوجیں آہستہ آہستہ (پہلی پیشکش مان لی جاتی تو اٹھارہ ماہ میں) اپنی سرحدوں کی طرف کھسکنا شروع کریں گی (ان کے مارچ بیک ہوم کو کھسکنے سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ جب یہ سوا لاکھ فوج افغانستان پر حملہ آور ہوئی تھی تو تمام ساز و سامان کے ساتھ 24 سے 48 گھنٹوں کے اندر وہ ملک کے اہم مقامات پر قابض ہو گئی تھی) تو دوسری طرف سات جماعتوں کے افغان مجاہدین کی خارجی امداد کے ذرائع بند ہو جائیں گے اور وہ کمزور اور تتربتر ہو جائیں گے' اب جنگ بندی کا یہ خاصا ہے کہ سیز فائر کے اعلان کے بعد بھی جنگ بندی جاری رہتی ہے اور مقامی کمانڈرز تعطل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن کی جتنی سرزمین ہاتھ آئے اس پر قابض ہو جاتے ہیں (بلکہ اصل یورش ہی اعلان کی افراتفری میں ہوتی ہے) جیسا کہ پاک و ہند جنگوں میں 65ء اور 71ء میں ہوا' بالالفاظ دیگر جنگ بندی کاغذی طور پر مستند بھی ہو جائے تب بھی حقیقتاً جنگی کارروائی ختم نہیں ہو جاتی' اس صورت حال میں روس کی کثیر فوج جو اتنے لمبے عرصے میں محض دستہ دستہ عددی کمی محسوس کرے گی اور ہر قسم کے سامان حرب سے لیس رہے گی' افغان مجاہدین کو کرش کرنے کی کوشش کرے گی اور یہی روسیوں کا مقصد اوّلین

Marfat.com

ہے' اور اگر وہ اس سٹریٹیجی اس جنگی منصوبے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ آئندہ حکومت کابل کی تشکیل میں بہت مضبوط پارٹی کی حیثیت سے دوسری پارٹیوں (سات جماعت کے لیڈروں نیز دوسرے افغان لیڈروں سے جو پی ڈی پی اے کے علاوہ ان کے زیر اثر بظاہر نان کمیونسٹ ہوں گے) سے مذاکرات کر سکیں گے اور ایسی حکومت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے جو ببرک کارمل اور نجیب اللہ کی حکومتوں سے زیادہ خود مختار آزاد نہ ہوگی (اس ضمن میں مشرقی یورپ میں جنگ عظیم کے بعد روس کی سرپرستی میں اور اس کے تعاون سے متحدہ محاذ کی حکومتوں کی تشکیل قابل ذکر ہے' گو یقیناً جنگ کے خاتمے تک روسی فوجیں ان ممالک تک پہنچ گئی تھیں لیکن دوران جنگ ان ملکوں کے گوریلا لڑاکوں نے جرمن فوج کے خلاف اپنے اپنے ملک کی آزادی کے لئے بڑی لڑائیاں لڑیں اور اپنے اپنے ملکوں کو آزاد کروایا اس لئے روسی قائدین کو ان ملکوں کے مجاہد لیڈروں کے ساتھ مل کر یونائیٹڈ فرنٹ حکومتیں بنانی پڑیں اب روسیوں نے یہ طریق کار اپنایا کہ ان حکومتوں میں دو محکمے اپنے کمیونسٹ پیروؤں کے لئے مختص کروا لیے' ایک وزارت داخلہ اور دوسری وزارت خارجہ' انہی دو محکموں کے ذریعے وہ ان ملکوں میں جن میں چیکوسلواکیہ جیسا ترقی یافتہ ملک تھا اور جہاں جنیش جیسا عالمی شہرت کا لیڈر صدر تھا ایک سال کے اندر اندر کمیونسٹ انقلاب لانے میں کامیاب ہو گئے اور اب وہ ممالک قطعی طور پر روس کے ذیلی ممالک نہیں اور مشرقی یورپ میں روس کے خالصتاً تحکم پر یالٹا کانفرنس بھی مہر توثیق ثبت کر چکی

---

ہے اور اسی لئے جب ہنگری' رومانیہ اور چیکوسلواکیہ میں روسی ٹینکوں نے بازاروں میں لاشوں کے پشتے لگا دیئے تو ہزاروں کی تعداد میں امریکی فوجیں جو چند ہی میل پر مغربی جرمنی میں چھاؤنی قائم کئے بیٹھی تھیں ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ کابل حکومت کو روسی فوجوں کے انخلاء کے لئے لمبی مدت اسی مقصد کے لئے درکار ہے کہ وہ افغان مجاہدین کو ایسی کاری ضرب لگانے کی تاک میں ہیں کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکیں اور پھر روسی کابل میں اپنی من مانی حکومت قائم کر کے دیا کو اپنی امن پسندی اور جمہوریت پسندی کا مظاہرہ دکھانے کے لئے افغانستان سے نکل جائیں' فوجی طور پر وہ افغانستان سے نکلنا چاہتے ہیں تاکہ اقوام عالم کی طعن و تشنیع سے بچیں لیکن سیاسی طور پر وہ افغانستان کو اپنا ذیلی ملک رکھنے پر مصر ہیں۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ سب متعلقہ پارٹیاں' افغان مجاہدین' کابل اور سوویت یونین کی افواج پاکستان اور امریکہ جنگ بندی پر راضی ہو جاتیں' لیکن نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے جنگ بندی پر راضی ہو جانے کی دیر نہ ہوتی کہ پارٹیوں کے درمیان آئندہ عارضی کابل حکومت کے قیام پر فوراً (جو روسی فوجوں کے انخلاء کی نگرانی کرتی) بحث و نزاع کا دروازہ کھل جاتا' اور چونکہ انخلاء کی مدت لمبی یعنی 18 ماہ ہوتی' سوویت یونین کی پوزیشن (جو پہلے ملک پر قابض ہے) دوسروں کے مقابلے میں بہت مضبوط ہوتی' نیز جنگ بندی کے بعد افغان مجاہدین اور موجودہ کابل حکومت کے سوویت فوجیوں میں یہ بین فرق ہوتا کہ جہاں

Marfat.com

افغان مجاہدین کی نوع کے لڑنے والے جو گوریلا داؤ پیچ استعمال کرتے ہیں اور آزادانہ طور پر آزاد ٹولیوں اور کمان میں اپنی قربانی اور بہادری کے جوہر دکھاتے ہیں' جنگ کے تعطّل سے شل ہو کر رہ جاتے کہ وہ جن کے منظم وجود کا دارومدار ہی حرکت پر ہوتا ہے۔ ہستم گرمی روم 'گر نہ روم' نیستم۔' اپنی حرکت کھو بیٹھتے' اور ساتھ ہی اپنے معاونین کی مدد سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے' اس کے مقابلے میں سوویت فوجی مسلح و منظم رہتے اور اس طرح اپنے فوجی مقاصد حاصل کرنے میں آزاد ہی نہ ہوتے بلکہ مزاحمت کی غیر موجودگی میں دلیر تر اور تیز تر بھی ہو جاتے۔ اس پس منظر میں سوویت یونین آئندہ کابل حکومت کی تشکیل کے لئے جو شرط بھی چاہے رکھتی اور منوانے پر اصرار کرتی' اور جب تک اس کی مرضی کی حکومت نہ بنتی روسی فوج کا انخلاء شروع نہ ہوتا خواہ 18 ماہ کی مدت ہی کیوں نہ ختم ہو جائے اس طرح باقی پارٹیاں ماسکو کے ہاتھوں میں ہیلتیں اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتیں ان کے ہاتھ بندھ چکے ہوں گے تو یہ معاملہ بہت اہم اور مرکزی ہے کہ انخلاء کے لئے متفقہ دورانیہ اتنا مختصر ہو کہ افغان مجاہدین کی پوزیشن کو زک نہ پہنچے وہ کمزور نہ ہوں' اور وہ مقابلے کی پارٹیوں سے برابری کی سطح پر آئندہ کابل حکومت کی ساخت کے متعلق بات کر سکے' کیونکہ انخلاء کے لئے نظام الاوقات تو محض آئندہ کابل حکومت کا بات کرنے کا بہانہ ہے' اب اصل مسئلہ ہی اس حکومت کی تشکیل ہے' اس موضوع میں نظام الاوقات کی یہ اہمیت ہے کہ اگر وہ طویل عرصے پر محیط ہوا تو حکومت سازی کے ضمن میں افغان مجاہدین کی پوزیشن سخت مخدوش ہو گی' اگر وہ مختصر عرصے پر محیط ہوا تو ان کی پوزیشن مضبوط ہو گی۔

اس بحث سے یہ نکتہ بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ خواہ ظاہراً پچھلی جنیوا کانفرنس کا موضوع اعلیٰ نظام الاوقات بتایا گیا تھا لیکن اس کا نفس مضمون آئندہ کابل حکومت کی تشکیل تھا' یہی وہ کھونٹا تھا جس پر کانفرنس کے فوری انعقاد کا جواز ٹانگا گیا تھا' اور اس کی ناکامی کا سبب نظام الاوقات کا دورانیہ نہ تھا بلکہ آئندہ کابل حکومت کی تشکیل پر اختلاف رائے تھا جس کی طرف وزیر خارجہ نے خفیف سا یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ یہ معاملہ زیر بحث آیا لیکن ہمارا مؤقف ہے کہ اس کا فیصلہ افغانستان کے لوگوں کے ہاتھ میں ہو گا' کابل کی 18 ماہ سے 16 ماہ کی انخلاء کے لئے تجویز تو محض دکھاوے کی بات تھی اور اصل معاملے کی پردہ پوشی تھی' چونکہ میری رائے میں اصل معاملہ آئندہ کابل حکومت کی تشکیل ہے' میں جنیوا کانفرنس کی ناکامی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا بلکہ سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ اس کانفرنس سے باہر ہی طے ہو گا' اس لئے مجھے اس خبر سے کوئی تعجب نہیں ہوا کہ اقوام متحدہ کے اجلاس کے موقع پر کچھ ہی دنوں میں پاکستانی اور روسی وزرائے خارجہ کے درمیان افغانستان پر مذاکرات ہوں گے' ایسے ہی مذاکرات امریکہ اور روس کے نمائندوں میں بھی متوقع ہیں (بلکہ ہو بھی چکے ہوں گے) اب جیسا کہ میں نے اپنے پچھلے مضمون (مورخہ 15 ستمبر) میں عرض کیا ہے کہ ماسکو کی اصل تشویش کا باعث کابل کی آئندہ حکومت کی ساخت ہے' کیا اس کی ساخت

Marfat.com

میں ان کا کوئی ہاتھ ہو گا کہ انہیں اطمینان مکمل ہو سکے کہ جنوب کی طرف سے ان کے "نرم پیٹ" میں کوئی سوئی نہ چبھوئے گا' ایک طرف ماسکو اور دوسری طرف تینوں پارٹیوں افغان مجاہدین' پاکستان اور امریکہ میں اختلاف کی جو دیوار چین حائل ہے وہ یہی ہے کہ جہاں مؤخر الذکر پارٹیاں انشراح صدر سے نئی حکومت (عارضی اور مستقل) کا انتخاب افغان عوام پر چھوڑنے کو تیار ہیں اوّل الذکر افغان عوام پر اعتماد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ اس نے یعنی ماسکو نے آٹھ سال تک ان پر اپنی منتخب کردہ غیر نمائندہ عوامی نظریات کے خلاف مارکسٹ کمیونسٹ خیالات کے حاملان کے زمانہ بہ زمانہ بدلتے اشخاص پر مشتمل جابر حکومتیں مسلط کیں تو اب وہ کس طرح سوویت یونین (جس کا انہوں نے کبھی کچھ نہیں بگاڑا تھا بلکہ اسے ایک سپر پاور تسلیم کر کے ہمیشہ اس سے بنا کے رکھنے کی کوشش کی تھی) سے اپنے حق میں کسی نیکی کی امید کر سکتے ہیں' تو صورت حال یہ ہے کہ جہاں سوویت یونین مسئلہ افغانستان کو حل کرنے کے لئے بیتاب ہے اور اس نے اس مسئلے کے ملٹری حل کا خیال چھوڑ دیا ہے (گورباچوف نے افغانستان کی لڑائی کو "رستے ہوئے زخم" سے مماثلت دی ہے) یعنی **بالفاظ دیگر** اس حد تک افغان مجاہدین اپنی ملٹری مزاحمت کے مشن میں کامیاب ہو گئے ہیں' پھر بھی ماسکو چاہتا ہے کہ روسی فوجوں کے نکلنے کے بعد کابل میں ایسی حکومت بنے جو اس کے لئے کچھ جذبہ خیر سگالی ہی نہ رکھتی ہو بلکہ اگر اس کی بالکل آلۂ کار نہ ہو تو بھی بھر اس کے کام آتی رہے ہو ایک طرف ماسکو کا مسئلہ افغانستان کا مشروط حل ہے تو دوسری طرف باقی تینوں پارٹیوں کا افغان عوام پر اعتماد کا اظہار ہے' اب اس الجھے ہوئے مسئلے کا یہ حل نہیں کہ زبردستی سے بیچ کی راہ نکالی جائے' اس کا حل اس امر میں مضمر ہے کہ جہاں موجودہ دو طرفہ تناؤ قائم رکھا جائے اور افغان مجاہدین کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا جائے کہ روسی فوجوں کے کمانڈروں اور سیاسی رہنماؤں میں ان پر حملہ اور زیر کرنے کی کوئی طمع پیدا نہ ہو اور انخلاء واقعی امن و سکون کی فضا میں مختصر ترین عرصے میں ہو جائے' وہاں اس بات کا بھی اہتمام ہونا چاہئے کہ سوویت یونین کو افغانستان کے مستقبل میں رویئے سے متعلق پوری طرح مطمئن کیا جائے' مجھے یقین ہے کہ اپنے غیر جانبدارانہ اور دوستانہ طرز عمل کے متعلق افغان مجاہدین کی ساتوں جماعتوں کے قائدین غیر مشروط اور واضح یقین دہانی دینے کو تیار ہوں گے' جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے' اس کا رویہ تو صدر ضیاء الحق کے واشگاف اعلان کا مظہر ہے کہ جونہی ماسکو فوجی انخلاء کا اعلان کرتا ہے وہ بھی فوراً اعلان کر دیں گے کہ پاکستان افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا یعنی آزاد افغانستان سوویت یونین کے بارے میں اپنی پالیسی بنانے میں بالکل آزاد اور خود مختار ہو گا' مزید برآں امریکہ کی پوزیشن قطعی طور پر واضح ہے کہ اگر افغانستان سے روسی فوجیں نکل جائیں تو وہ روس کے ساتھ اس ملک کی غیر جانبداری کی گارنٹی دینے کو تیار ہے' مصلحۃً یونی کے اس مشن کے ضمن میں اگر ظاہر شاہ کے نام کا بھی ذکر ہو' تو اسے نہ افغان مجاہدین کو اور نہ پاکستان کو ناقابل غور نہ گردانا

Marfat.com

چاہئے خصوصاً جبکہ اس قسم کے پبلک اشارے مل چکے ہیں کہ دونوں امریکہ اور روس ظاہر شاہ کو آئندہ کابل حکومت کی سربراہی کے لئے موزوں تصور کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب مسئلہ افغانستان ایسے موڑ تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں ماسکو کے دل سے مزید ملٹری ایکشن کے ذریعے اشو کو فیصل کرنے کا منصوبہ نکل چکا ہے' وہ اپنی ساری سفارتی قوت امریکہ اور پاکستان سے براہ راست مذاکرات پر خرچ کر کے کابل میں ایک قابل قبول حکومت حاصل کرنے میں لگانے پر آمادہ ہے' لیکن چونکہ سلطنتوں کے جنگ و امن کے معاملات ہمیشہ غیر یقینی کی فضا میں ملفوف رہتے ہیں کہ جس طرح

ع ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اسی طرح ان معاملات کا بالآخر فیصلہ کن عامل قوت ہوتا ہے اور اس لئے جہاں مذاکرات کی ہر تحریک کا خیر مقدم ہونا چاہئے خواہ وہ براہ راست ہو یا جنیوا کانفرنس کی بالواسطہ بات چیت کے ذریعے موجودہ کٹھ پتلی کابل حکومت کے خلاف جو سوالاکھ روسی فوجیوں کے زور پر چل رہی ہے' مزاحمت کا تناؤ پوری شدت سے برقرار رہنا چاہئے اس تناؤ میں کوئی ڈھیلا پن نہیں آنا چاہئے۔

میں یہ وارننگ دینے پر اس لئے مجبور ہوا ہوں کہ ملک میں بعض ایسے عناصر اور عوامل سر اٹھا رہے ہیں جو آٹھ سالہ مزاحمتی محاذ کو مختلف جہتوں سے کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' بعض لوگ ملک میں ہر گڑبڑ کو افغان مہاجروں کے سر تھوپ کر ان کے خلاف عوام کے جذبات بھڑکانے پر لگے ہوئے ہیں' بعض زعماء کابل یاترا کر کے ایسے ایسے مایوس کن بیانات دیتے ہیں جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ افغان مجاہدین کی مزاحمت کا جوش و خروش روسی فوجیوں کا بال تک بیکانہ کر سکا اور وہ چاہیں تو ایک سو سال تک وہاں براجمان رہ سکتے ہیں۔ حالانکہ یہی حقیقت کہ روس جیسی سپر پاور آٹھ سال میں بھی افغانستان جیسے چھوٹے اور کمزور ملک کے لوگوں کی مزاحمت کو کرش نہ کر سکی جس کی اسے بڑی تمنا اور امید تھی یہ اس کی ماڈرن سامان جنگ سے لیس سوالاکھ فوج کی شکست فاش نہیں تو اور کیا ہے! یہ جائے افسوس ہے کہ ایسے لیڈر حضرات محض حکومت کی مخالفت میں' اور افغانستان کے بارے میں کسی مثبت پالیسی سے محروم و تہی دامن' اپنے آپ کو عوام میں نمایاں اور ممتاز کرنے کی ایک ہی راہ دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے بیانوں سے ان میں بے دلی اور مایوسی پھیلائی جائے' مزاحمت کی شدت کو برقرار رکھنے کے مقصد کو دوسرا خطرہ اس تاثر کا نفوذ ہے کہ مارشل لاء کے زمانے میں صدر ضیاء الحق کی چلائی ہوئی افغان پالیسی میں سول حکومت کے دور میں لچک آ گئی ہے اور اب اس مسئلے کے حل کے متعلق صدر مملکت اور سربراہ حکومت کے درمیان اختلاف رائے ہے اب نظام حکومت کے ان دو بزرگوں کے مختلف معاملات پر اختلاف رائے کے متعلق کافی عرصے سے افواہوں کا بازار گرم ہے جو بجائے خویش ملک و قوم کے لئے نقصان دہ ہے لیکن مسئلہ افغانستان پر اختلاف رائے کا تاثر سخت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کہ روس جس کی پوزیشن میدان جنگ میں

Marfat.com

نیز عالمی برادری میں بہت کمزور ہو چکی ہے' اس قسم کے حکومتی خلفشار کے تاثر کا بڑا فائدہ اٹھا سکتا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ عین اس وقت جب جنیوا کانفرنس بر سر اجلاس تھی وزیر اعظم سے ملاقات کے بعد مولانا کوثر نیازی کا ماسکو مشن اس تاثر کو تقویت دینے کا باعث ہی بنا ہو گا' بہر حال اس تاثر کا تدارک ضروری ہے (اور جو وزیر اعظم بآسانی کر سکتے ہیں) تاکہ ہم مزاحمتی محاذ کو مضبوطی سے قائم رکھ سکیں' مجھے یقین ہے کہ روس جلد یا بدیر (اور میرے خیال میں جلد نہ کہ بدیر) کابل کی آئندہ حکومت کے کسی ایسے فارمولے پر راضی ہو جائے گا جس میں بالآخر ویت نامیوں کی طرح (حالانکہ فیصلہ کن پیرس کانفرنس میں ہو چی من کے نمائندوں کے ساتھ پرانی حکومت کے نمائندے بھی شریک ہوئے تھے) افغان مجاہدین غالب اور بامراد ہو کر منظر عام پر ابھریں گے' جو نکتہ پاکستانیوں کے دل میں جا گزیں رہنا چاہئے وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر وہ اب تک چلے آئے ہیں اور اس میں کجروی ان کی ہلاکت کا موجب ہو سکتی ہے اور یہ کہ انہوں نے آٹھ سال اپنے افغان بھائیوں کے لئے بے لوث قربانی دی ہے' انہیں آخری لمحے جب اس جنگ کے بادل چھٹنے والے ہیں اور اسی لئے کڑے بھی ہیں' سخت صبر و تحمل اور پامردی کی ضرورت ہو گی کہ اسی وقت جب بہکانے والے اور ورغلانے والے روسی فوجیوں کی جگہ میدان میں ریشہ دوانی کے لئے اُتر رہے ہیں' ہمارے ایمان وایقان کا محاسبہ وامتحان ہو گا کہ افغان مجاہدین کی مزاحمت کے تناؤ کا انحصار اس عقیدت اور اعتماد پر ہو گا جس کا ہم اب ان کے اسلامی حریت مآب مشن کی تائید میں مظاہرہ کریں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

# کہاں کہا اور کہاں نہ کہا

جناب وزیر اعظم نے درست فرمایا کہ ان خطرناک حالات کے پیش نظر جو ملک کو فی الوقت گھیرے ہوئے ہیں، ان کا بہ نفس نفیس اقوام متحدہ کے بیالیسویں اجلاس میں حاضری دینا اور اس کے سامنے عالمی اور پاکستانی مسائل پر قوم کا نقطۂ نگاہ پیش کرنا از حد ضروری تھا چنانچہ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں ان تمام مسائل و معاملات پر واقعی ایک سیر حاصل جائزہ پیش کیا جن پر پاکستان نے روایتی موقف اختیار کیا ہوا ہے۔ مثلاً مسئلہ فلسطین پر ہم نے ہمیشہ عربوں کی پُرزور حمایت کی اور پی ایل او کو فلسطینی عربوں کا واحد معتبر نمائندہ تسلیم کیا ہوا ہے۔ اسی طرح ہم نے ہمیشہ جنوبی افریقہ کی نسلی پالیسی کو مطعون ٹھہرایا ہے اور نمیبیا کی آزادی کا مطالبہ کیا ہے۔ ہم ایران عراق جنگ کو ختم کرانے کی ہر کوشش کا خیر مقدم اور تائید کرتے ہیں کہ دو اسلامی ملکوں میں لڑائی دنیائے اسلام کو کمزور ہی نہیں کر رہی بلکہ خلیج فارس (جس کے دہانے پر پاکستان واقع ہے) کو ایک عالمی جنگ کا نقطۂ آغاز بناتی نظر آ رہی ہے۔ وزیر اعظم نے متمول شمال (امریکہ، یورپ اور جاپان) اور غریب جنوب (افریقہ اور ایشیائے ممالک) کی کشاکش کا بھی ذکر کیا حتیٰ کہ کشمیر کو بھی یاد کیا۔ یوں انہوں نے شاید ہی کوئی اہم عالمی مسئلہ ہے، جو چھوڑا ہو لیکن جن دو مسائل میں پاکستانیوں کو اس وقت خاص طور پر دلچسپی ہے (اور جو وزیر اعظم کے اقوام متحدہ کے اجلاس میں شمولیت کا جواز ہے) وہ تھے افغانستان سے روسی افواج کی واپسی اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت پر اظہار تشویش۔ پہلا مسئلہ ہمارے لئے موت و حیات کی اہمیت کا حامل ہے کہ جب تک افغانستان روس کی فوجی گرفت سے آزاد نہیں ہوتا پاکستان کی اپنی آزادی غیر محفوظ ہے۔ نہ صرف بم بلاسٹ کے خطرات بڑھ جائیں گے بلکہ اگر افغان

Marfat.com

مجاہدین نے یونہی مزاحمت بلکہ یورش جاری رکھی تو روس سے بعید نہیں کہ وہ خود پاکستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنالے۔ اس لئے پاکستان کی دلی آرزو ہے کہ یہ مسئلہ جلد از جلد باعزت بنیاد پر حل ہو جائے۔
وزیراعظم کا خود اس مسئلے پر روشنی ڈالنا اس لئے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ ماسکو اور کابل نے پچھلے دنوں اقوام متحدہ کے اجلاس سے پیشتر جنیوا کانفرنس بلوا کر یہ تأثر پھیلانے کی کوشش کی تھی کہ جہاں وہ افغانستان کا قضیہ چکانا چاہتے ہیں' پاکستان اس معاملے میں تساہل برت رہا ہے۔ دوسرا مسئلہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے متعلق ہے۔ اب ہماری ایٹمی صلاحیت کا کوئی مسئلہ نہ بننا چاہئے تھا۔ ہر ملک کی کسی نہ کسی شعبے میں کوئی صلاحیت ہوتی ہے اور ہندوستان کے علاوہ اسرائیل' جنوبی افریقہ اور برازیل اس سمت میں بہت آگے جا چکے ہیں لیکن اسے مسئلہ بنادیا گیا ہے اور اسے دو وجوہات سے مسئلہ بنایا گیا ہے۔ ایک تو ہندوستان کی طرف سے' وہ کہتا ہے کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے جنوبی ایشیا کے امن کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور وہ "اسلامی بم" کے بارے میں ایسے قصے کہانیاں اختراع کرتا رہتا ہے۔ (وزیراعظم نے ان باتوں کے سلسلے میں شروع سال کلدیپ نیّر کے ڈاکٹر قدیر خان سے جھوٹے انٹرویو کا حوالہ تو دیا لیکن اس پاکستانی صحافی کے کردار کے متعلق کچھ نہ کہا' جنھوں نے اس انٹرویو کا اہتمام کیا تھا) جن کا مقصد مغربی اور خاص طور پر امریکی رائے عوام و خواص کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔ (دوسرا اور حالیہ قصہّ ارشد پرویز کا ہے جس کے متعلق وزیراعظم نے اس شک کا اظہار کیا ہے کہ وہ ہندوستانی ایجنٹ معلوم ہوتا ہے) کیونکہ وہ اسی سال ہندوستان گیا تھا جبکہ مسٹر ایس ایم ظفر کے بیان کے مطابق جو ارشد پرویز کے خلاف کیس کی تفتیش کے ضمن میں امریکہ گئے تھے' اسے سی آئی اے کے ایجنٹوں نے اُدبدا کر پھنسوایا اور Frame up کا شکار بنوایا ہے کہ کانگریس کی رائے پاکستانی امداد کے خلاف بھڑکائی جائے اور جس کے نتیجے میں حقیقتاً امداد عارضی طور پر معطّل ہوئی) دوسری جہت خود امریکہ ہے' وہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کے خلاف ہے کہ اسے خدشہ ہے کہ اگر دنیائے اسلام اس صلاحیت سے لیس ہو گئی تو اسرائیل کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ یہ امریکہ کا اپنا اندرونی خوف ہے جو اسے ہندوستانی قصے کہانیاں باور کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وزیراعظم کا صدر ریگن سے یہ گلہ بالکل بجا تھا کہ چھ سال پہلے تو آپ نے پاکستانی حکومت کی یقین دہانی قبول کرلی تھی کہ اس کا بم بنانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو اب ملٹری حکومت کے برعکس ایک منتخب حکومت کی یقین دہانی ماننے میں کیوں پس و پیش کرتے ہیں۔ آپ کو تو پاکستان میں جمہوریت کو مضبوط بنانا چاہئے' گو ایک معزز مقامی اخبار نے تو ادارتی طور پر وزیراعظم کی صدر ریگن سے اس درخواست کو عبث قرار دیا ہے کہ جمہوریت ملک کے حالات میں پھل پھول سکتی ہے نا کہ امریکہ کی سرپرستی سے جس کا اگر ایک ڈکٹیٹر سے کام نکلے اور اُلّو سیدھا ہو تو اسے استعمال کرنے میں دریغ نہ کرے گا لیکن میری اپنی رائے میں امریکی طرز عمل کا محرک کوئی اور عامل ہے اور شاید امریکی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے اور پاکستان نے ایٹمی میدان

Marfat.com

میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ زیادہ نگرانی کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ یہ موجودہ دور کا عجب ماجرہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام تو چاند ستاروں پر کمند ڈالنے کو اپنا پیدائشی حق گردانتی ہیں اور امریکہ روس کو خلاء میں جنگ کی دھمکی دینے سے نہیں ہچکچاتا لیکن وہ کسی ترقی پذیر ملک کا آگے بڑھنا برداشت نہیں کر سکتیں۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ان دو مسائل پر وزیر اعظم کی تقریر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

میں پہلے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا موضوع لیتا ہوں۔ اوّل تو وزیر اعظم نے اس مسئلے کو صرف ہندوستانی تناظر میں دیکھا ہے اور ہندوستان تک محدود کیا ہے اور کم و بیش انہی تجاویز کو دہرایا ہے جن کی صدر ضیاء الحق نے اقوام متحدہ کے ہی سامنے کچھ سال گئے پیشکش کی تھی۔ البتہ وزیر اعظم نے دو نئے نکات کی ایزادی کی ہے۔ ایک تو یہ کہ اقوام متحدہ جنوبی ایشیا کے ایٹم بم بنانے کی صلاحیت رکھنے والے ممالک کی اس صلاحیت پھیلانے پر قید و بند لگانے کے لئے کانفرنس بلائے' دوسرے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بم ٹسٹ نہ کرنے پر دو طرفہ معاہدہ ہو جائے۔ دوسری تجویز کا عملی نتیجہ اس امر کے مترادف ہے کہ پاکستان از خود یکطرفہ طور پر اپنے ایٹمی ٹسٹ کے حق سے سبکدوش ہو رہا ہے اور اپنے اوپر پابندی قبول کر رہا ہے کہ ہندوستان تو پہلے ہی اپنا ایٹمی دھماکہ کر چکا ہے۔ اب اس پیشکش سے پاکستان کی وسعت ظرفی کا ثبوت تو ضرور روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے لیکن اس سے مسئلہ اس لئے حل نہیں ہوتا کہ بنیادی طور پر پاکستانی اور ہندوستانی مقاصد میں تصادم ہے۔ جہاں پاکستان محض خود حفاظتی چاہتا ہے وہاں ہندوستان فی الفور سپر پاور نہیں تو علاقائی پاور بننا چاہتا ہے اور یہ کوئی نظری نقطۂ نگاہ کا پرچار نہیں بلکہ ایک سوچے سمجھے پروگرام کا عملی تعاقب ہے۔ بھوٹان' سکم' نیپال' سری لنکا میں اسی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے اور اگر ہندوستان نے اس امر کو ایک اصول کی شکل دے دی کہ جہاں جہاں ہندوستانی آبادی ہے وہاں اس کے تسلط کا جھنڈا لہرانا چاہئے تو پورے کا پورا جنوبی ایشیا اس کے حیطہ اقتدار میں آ گرتا ہے۔ اپنی عظمت اور بالادستی کے اس تصور اور نصب العین کے احاطے میں پاکستان اور ہندوستان میں مساوات کے نظریئے کی کوئی گنجائش نہیں جس کی بنا پر وزیر اعظم نے اپنی تجاویز پیش کی ہیں۔ اس لئے مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ تجاویز ہمیں کچھ پروپیگنڈے کی مسافت تو طے کرا دیں' ان سے صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جہاں با ایں اہمیت پاکستان اور ہندوستان میں ایٹمی سوال اکادمی حیثیت رکھتا ہے کہ بحث و نزاع کا ہی موضوع ہے ورنہ اس کا کوئی فوری عملی اثر نہیں وہاں وزیر اعظم نے اسی موضوع کی ذیل میں اپنا روئے سخن امریکہ کی طرف نہیں موڑا اور اس پر اقوام متحدہ میں کچھ نہ کہا حالانکہ ہماری ایٹمی صلاحیت کی بنا پر ہی پاکستان کے لئے امریکی امداد معرض تعطل میں ڈال دی گئی ہے جس کی ہمیں سخت ضرورت ہے کہ اس کے بغیر مسئلہ افغانستان کے حل میں عملی پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ جہاں ہندوستان سے ہمارا ایٹمی سمجھوتہ اس لئے بروئے کار نہیں آتا کہ ہم اس بات پر مصر ہیں کہ دو ملکوں میں سمجھوتہ برابری کی سطح پر ہونا

Marfat.com

چاہئے وہاں امریکہ کے دباؤ تلے ہم یکطرفہ طور پر پابندی قبول کرنے پر تیار نہیں کہ امداد کی خاطر ہم تو یہ کمٹ منٹ کرلیں کہ پاکستان کبھی ایٹمی دھماکہ نہ کرے گا لیکن ہندوستان اس ضمن میں جو چاہے اقدام لینے میں آزاد ہو، لیکن جس نکتے پر اقوام متحدہ میں ہماری طرف سے اس موضوع میں کوئی وضاحت سنی نہیں گئی وہ امریکہ کی جانب سے اس مطالبے کا اعادہ تھا کہ پاکستان اپنی ایٹمی تنصیبات کو معائنہ کے لئے کھولے (اور غالباً یہ معاملہ ریگن جونیجو مذاکرات میں بھی آیا کیونکہ وزیراعظم کو امریکی صدر سے کہنا پڑا کہ آپ ایک منتخب حکومت کے الفاظ پر کیوں اعتبار نہیں کرتے) اب اقوام متحدہ سے بہتر کون سا فورم تھا (اور اس فورم کی اہمیت کے اعتراف کی بنا پر ہی تو وزیراعظم اس کے اجلاس میں شمولیت کے لئے گئے تھے) اور اس سے زیادہ کون سا مناسب موقع تھا جبکہ ہماری ایٹمی صلاحیت پر امریکی اعتراض پر سختی ہماری امداد کی بندش کی نوبت تک پہنچ چکی ہے کہ جہاں سے پاکستان کی خودمختاری اور مطلق العنانی کا واشگاف اعلان کیا جاتا کہ وہ کسی دوسرے ملک کے حکم پر اپنی ایٹمی تنصیبات معائنے کے لئے یکطرفہ طور پر کھولنے کو تیار نہیں۔ اگر وزیراعظم نے ملک و قوم کا مؤقف ہندوستان کے بارے میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے علی الاعلان واضح کیا تو وہ امریکہ کے مطالبے کے متعلق کیوں خاموش رہے؟ انہوں نے ایسے بنیادی نکتے کی وضاحت کے لئے اقوام متحدہ کے فورم کو کیوں استعمال نہ کیا؟ لیکن چونکہ معاملہ اہم تھا اور وقت نازک تھا اس پر آواز اُٹھنی ہی تھی، لیکن وہ اٹھی کہاں سے؟ کوئٹہ سے جہاں صدر ضیاء الحق نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ پاکستان یکطرفہ طور پر کسی غیر ملکی یا بین الاقوامی ادارے کے لئے اپنی ایٹمی تنصیبات کے دروازے کھولنے کو تیار نہیں۔ اس آواز کی گونج پورے عالمی میڈیا پر سنی گئی۔ بے شک بعدازاں پاکستانیوں سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم نے فرمایا کہ اگر پاکستان نے ایٹم بم بنانے کا فیصلہ کیا تو وہ کھلے طور پر ایسا کرے گا' اسے کسی سے چھپ چھپانے کی ضرورت نہیں لیکن یہ بات کس فورم سے کہی گئی؟ اس فورم نے جس کی کارروائی مقامی اخباروں تک میں رپورٹ نہ ہوئی ہوگی۔ اس کے خلاف یہی نکتہ اقوام متحدہ کے فورم سے ایک آزاد قوم کے عزم کا نقیب بن جاتا۔

افغانستان کے مسئلے پر بھی وزیراعظم نے اقوام متحدہ کے فورم سے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ اگر کوئی نئی بات کہنے کو نہ ہوتی تو کوئی بات نہ ہوتی یہ معاملہ چنداں درخور اعتناء نہ ہوتا لیکن وزیراعظم نے تو اس مسئلے پر ایک بم شیل (Bomb shell) پھینکا ایک قیامت خیز دھماکہ کیا جس کا ارتعاش پورے کرۂ ارض پر محسوس کیا گیا یعنی افغانستان کے لئے روسی افواج کے انخلاء پر اقوام متحدہ کی امن فوج کی تجویز پیش کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس اتنی اہم اور دوررس تجویز تھی تو اسے اقوام متحدہ کے اجلاس کے فورم میں کیوں نہ بیان کیا؟ اسے نیویارک ٹائمز کے نمائندے کے سامنے کیوں رکھا؟ وزیراعظم فرماتے ہیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تجویز نہ تھی میں نے تو ٹائمز کے نمائندے کے ساتھ لاؤڈ تھنکنگ (Loud Thinking) کی تھی

Marfat.com

یعنی اسے اپنی سوچ کا رازدار بنایا تھا۔ جب اس نے سوال کیا کہ اگر روسی افواج کی واپسی کے بعد خون خرابہ ہوا تو اس خانہ جنگی پر کون قابو پائے گا تو میں نے جواب میں کہا کہ اس صورتحال کو سنبھالنے کے لئے اقوام متحدہ امن فوج تعینات کر سکتی ہے جس کے بعد لوئی جرگہ میں کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ اگلی افغان حکومت کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اب وزیراعظم کے نیویارک ٹائمز کے اس بیان پر کئی سوالات اٹھتے ہیں۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ وزیراعظم کی اس لاؤڈ تھنکنگ (اونچی آواز میں سوچ) کی اہمیت کیا ہے؟ کیا اسے محض لاؤڈ تھنکنگ کہہ کر ڈسمس کیا جا سکتا ہے کہ اس سے ملک و قوم و حکومت پر کسی عہد کی پابندی عائد نہیں ہوتی اور اس غیر رسمی اخباری انٹرویو سے کسی ایسی تجویز کی شکل متشکل نہیں ہوتی جسے پاکستان سے منسوب کیا جا سکے۔ میرے خیال میں اس سوال کا صاف و صریح جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک عام آدمی کی اونچی سوچ تو کیا اس کا سوچا سمجھا بیان بھی ملک و قوم و حکومت کو کسی بات کا پابند نہیں کرتا۔ مثلاً میرا کوئی مضمون ملک و قوم و حکومت کو چھوڑ 'اس موقر اخبار کو بھی کسی میری بیان کردہ پالیسی یا رائے کا پابند نہیں کرتا لیکن وزیراعظم شخصے دیگر است' وزیراعظم کی رائے کا اظہار اخبار کو ہو یا باقاعدہ طور پر پارلیمینٹ میں 'اس کے گہرے موثرات مرتب ہوں گے۔ وزیراعظم پرائیویٹ طور پر اپنے کابینہ کے رفقاء کے ساتھ حکومت کے اعلیٰ افسروں یا دوستوں کے ساتھ تو لاؤڈ تھنکنگ کر سکتا ہے۔ پبلک میں وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ پبلک میں تو اس کی ہر رائے (خواہ وہ اخبار کے فورم میں ہو یا اقوام متحدہ کے فورم میں) کی سرکاری اہمیت ہوگی۔ اس لئے وزیراعظم یہ تو کہہ سکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے واپسی پر پریس کانفرنس میں وضاحت کی کہ ابھی تک اقوام متحدہ کی امن فوج کی تعیناتی کا خیال باقاعدہ تجویز کی صورت میں کسی کو پیش نہیں کیا گیا یعنی اسے ماسکو' کابل یا اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے سامنے نہیں رکھا گیا لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی نیویارک ٹائمز کے نمائندے سے لاؤڈ تھنکنگ نے پاکستان کو اس پیشکش کا پابند نہیں کیا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس پبلک لاؤڈ تھنکنگ کے بعد پاکستان اس پیشکش کا اس حد تک پابند ہو گیا ہے کہ وہ اب اس موقف سے ہٹ ہی نہیں سکتا۔ اب تو یہ ماسکو اور کابل کے لئے رہ گیا ہے کہ وہ اس پیشکش پر کس ردعمل کا اظہار کرتے ہیں لیکن اگر پاکستان نے اسی ڈگر پر چلنے کا ارادہ کر لیا ہے اور جیسا کہ میں اپنے پہلے مضامین میں کہہ چکا ہوں کہ روس کے لئے اولیت آئندہ کابل حکومت کی ہیئت کو حاصل ہے نا کہ نظام الاوقات کو جو حکومت پر سمجھوتے کے بعد فوری طور پر طے ہو سکتا ہے تو اسے باقاعدہ طور پر اقوام متحدہ کے فورم کے سامنے پیش کرنا چاہئے تھا تاکہ دنیا کو معلوم ہوتا کہ پاکستان نے مسئلہ افغانستان کے حل کے لئے ایک اور قدم اٹھایا ہے اور وہ روس کو مجبور کرتی کہ ماسکو اس کی تشفی بخش طریقے سے پذیرائی کرے۔ لیکن ماسکو اور کابل نے نیویارک ٹائمز میں وزیراعظم کی لاؤڈ تھنکنگ پر مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کریں کہ انہیں قوی توقع ہوگی کہ جن اندرونی یا بیرونی عوامل نے پاکستان کو ایک

Marfat.com

زینہ اترنے پر مجبور کیا ہے وہ اسے دوسرا اور تیسرا زینہ بھی اترنے پر مائل کریں گے اور دریں اثناء روس انتظار کرے گا اور سکوت اختیار کئے رکھے گا۔ وزیر اعظم کی غیر رسمی پیشکش کے بعد مجھے تو ڈر ہے کہ مسئلہ افغانستان کا حل طوالت پکڑ جائے گا۔

بات یہ ہے کہ جب دو پارٹیوں میں کسی اہم معاملے پر مذاکرات ہو رہے ہوں ' سودے بازی ہو رہی ہو خصوصاً جبکہ معاملہ سیاسی ہو اور اس سے بھی سنگین تر ' جب یہ سیاسی معاملہ ملکوں میں تصادم کا باعث ہو تو سودے کو اپنے مفادات کے مطابق طے کرانے کے لئے کمال درجہ نکتہ بینی 'نکتہ وری اور دور بینی کے ساتھ ساتھ صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے مذاکرات میں کبھی جلد بازی سے کسی معینہ اقدام کی طرف بڑھا نہیں جاتا۔ اس موقع میں قائد اعظمؒ نے انگریزوں اور ہندوؤں سے مذاکرات کی یکتا مثال پیش کی ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ پاکستان قائد اعظمؒ کے اس اٹل مؤقف کی کوکھ سے پیدا ہوا جو انہوں نے سالہا سال دوسری پارٹیوں سے اپنے مذاکرات میں قائم رکھا (قائد اعظمؒ کے کردار کو سمجھنے کے لئے ان کے مذاکرات اور خط و کتابت کا مطالعہ از حد ضروری ہے جو انہوں نے انگریزوں اور ہندوؤں کے مہا لیڈروں سے کی) کہا جاتا تھا کہ قائد اعظمؒ اپنے تاش کے پتوں کا پتہ نہ لگنے دیتے تھے ' وہ اپنے پتے اپنی چھاتی کے بہت قریب close to his chest رکھ کر سیاست کی تاش کھیلتے تھے۔ پھر قائدؒ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا تھا کہ انہوں نے "ہاں" کہنا سیکھا ہی نہیں۔

جب آخر کار ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم برصغیر کی سکیم کو آخری شکل دی جس میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم بھی شامل تھی اور جو قائد اعظمؒ کو طبعاً ناپسند تھی لیکن اب قطعی فیصلے کا مرحلہ آن پہنچا تھا تو وائسرائے کے اصرار کے باوجود قائد اعظمؒ نے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے مشورے کے بغیر منظوری کا خط لکھنے سے انکار کر دیا اور لیڈروں کے اجلاس میں صرف اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا جس پر برطانوی اخبار نویسوں اور تاریخ دانوں نے لکھا کہ "پاکستان جناح" کے سر کی جنبش ( Nod ) پر معرض وجود میں آیا"۔ سو اہم قومی معاملات پر مذاکرات اور سودے بازی بدرجۂ اتم ڈپلومیٹک صلاحیت کی مقتضی ہے۔ اب جو وزیر اعظم نے پاکستان کو اقوام متحدہ کی امن فوج کی تعیناتی کی تجویز کا پابند کر دیا ہے (انہوں نے پریس کانفرنس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ جب روس حتمی قابل قبول نظام الاوقات پیش کرے گا تو آئندہ کابل حکومت کی تشکیل تک درمیانی عرصے کے لئے ہم اسے باقاعدہ تجویز کی صورت میں پیش کریں گے) تو ان سوالات کا سلسلہ جن کا میں نے پہلے اس ضمن میں ذکر کیا تھا ' اب تجویز کے حسن و قبح کی روشنی میں سامنے ابھرتے ہیں اور اس سلسلے میں پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ ایسی امن فوج کی ساخت میں پاکستان اور افغان مجاہدین کی جنھوں نے ایک سپر پاور کے خلاف مزاحمت کا انقلاب بپا کیا ہے ' کیا پوزیشن ہو گی؟ ان کی رائے کا کتنا پاس کیا جائے گا؟ موجودہ جنیوا کانفرنس کے بالواسطہ مذاکرات میں پاکستان باقاعدہ اور افغان مجاہدین

Marfat.com

بے قاعدہ پارٹیاں ہیں اوران کے ردعمل کی بڑی اہمیت ہے لیکن امن فوج کی تشکیل میں توامریکہ اور روس کا بڑا ہاتھ ہو گا کہ وہ سلامتی کونسل کے مستقل ارکان ہیں اور وہ جس فارمولے پر بھی راضی ہو جائیں گے وہ لاگو ہو جائے گا۔ ان کے فیصلے یا فیصلوں میں پاکستان اور افغان مجاہدین کی کوئی آواز نہ ہو گی اور تمام کا تمام معاملہ امریکہ اور روس کے ہاتھوں منتقل ہو جائے گا۔ کیا آٹھ سال کی جدوجہد آزادی اور بے بہا قربانیوں کے بعد پاکستان اور افغان مجاہدین کی یہ پوزیشن ہونی چاہئے؟ اگر پاکستان اس بے حیثیتی پر اتار دیا جائے تو اسے امریکہ ایڈ کا کیوں سزاوار تصور کرے؟ اگر وہ معاملہ ہی ختم ہو گیا جس کے لئے ایڈ لا بدی تھی تو ایڈ کا سوال بے محل ہو گیا۔ یہ کچھ اسی قسم کی نفسیات ہو گی جو امریکہ کے مدبرین کو کلدیپ نیئر اور ارشد پرویز جیسے افسانوں کو اتنی اہمیت دینے میں کامیاب ہوئی ہو گی کہ ایک رپورٹ پر ایڈ کو چھ سال کی بجائے دو سال تک محدود کر دیا اور دوسرے زیر تفتیش مقدمے نے انہیں اسے بالکل معطلی پر آمادہ کر دیا اور اب یہ امریکی مدبرین مسئلہ افغانستان کو پس پشت ڈال کر پاکستان سے ایڈ کی یہ قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی ایٹمی تنصیبات کا معائنہ کرائے اور اپنی ایٹمی صلاحیت کو اس قدر محدود کر دے کہ وہ یورینیم کی افزودگی مناسب و محفوظ یعنی پانچ فیصدی کی حد تک ہی کر سکے۔ اب جہاں تک میں نے ایڈ کے مسئلے پر غور کیا ہے اس کا مسئلہ افغانستان سے کوئی واسطہ نہیں رہا وہ تمام تر پاکستان کو ہندوستان اور اسرائیل کے مقابلے میں ایٹمی طور پر غیر مسلح رکھنے کے مقصود پر مرکوز ہے۔ یہ بحث ختم تو یہیں ہو جانی چاہئے لیکن نظری اہمیت کا تقاضا ہے کہ وزیر اعظم کی پیشکش پر دوسرے متعلقہ سوالات بھی کئے جائیں تاکہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔ چنانچہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اقوام متحدہ کی امن فوج کی تعیناتی اور لوئی جرگہ سے برآمد ہونے والی افغان حکومت کے درمیانی عرصے میں کابل میں کون سی حکومت کارفرما ہو گی؟ کیا وہ ڈاکٹر نجیب اللہ کی موجودہ پی ڈی پی اے کی روسی کٹھ پتلی حکومت ہو گی یعنی بالفاظ دیگر ماسکو کا تسلط جاری رہے گا؟ یا پھر روسی افواج کی واپسی کے ساتھ نجیب اللہ کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور اقوام متحدہ کی امن فوج از خود حکومت کا کاروبار سنبھال لے گی حالانکہ اس نے اس قسم کی کہیں اور ذمہ داری نہیں سنبھالی۔ جہاں جہاں وہ متعین کی گئی وہاں مقامی حکومت موجود ہوتی ہے جیسے بیروت میں؟ لیکن اگر بالفرض وہ اس کی اہل بھی ہو تو کیا اقوام متحدہ کی مخلوط فوج جو کئی اقوام کے افراد پر مشتمل ہو گی افغانستان جیسے پیچیدہ ملک کے جو ابھی خانہ جنگی سے گذرا ہے، نظم و نسق پر قابو پا سکتی ہے؟ اور اگر یہ دونوں صورتیں ناقابل عمل ہوئیں تو درمیانی عرصے میں حکومتی خلاء کیسے پُر ہو گا؟ پھر افغانستان میں کمیونسٹ عناصر تو حقیر اقلیت میں تھے' وہ تو محض روس کی مدد سے برسراقتدار آئے' انہیں غیر کمیونسٹ یعنی اسلامیان افغانستان کے ساتھ (لوئی جرگہ کے حوالے سے بھی) کس طرح برابری کی سطح پر بٹھایا جا سکتا ہے جیسا کہ وزیر اعظم کے بیان کمیونسٹ اینڈ نان کمیونسٹ الائنس سے مترشح ہوتا ہے۔ مزید برآں وزیر اعظم نے نیویارک ٹائمز کے نمائندے کا یہ مفروضہ کہ روسی افواج کی واپسی پر

Marfat.com

جنگ و قتال کا بازار گرم ہو جائے گا کیوں قابل تسلیم و غور مانا؟ حالانکہ افغان مجاہدین کی ساتوں پارٹیاں اور ظاہر شاہ دو نکات پر قطعی متفق ہیں۔ ایک یہ کہ روسی افواج چلی جائیں تو مختلف الخیال اور مختلف النوع افغان لیڈر اس اہلیت کے مالک ہیں کہ وہ آپس میں کسی متفقہ فیصلے اور مفاہمت پر پہنچ جائیں اور ایسی حکومت کو تشکیل دے دیں جو سب عناصر کو قبول ہو۔ دوسرا نکتہ جس پر تمام افغان مجاہدین اور ظاہر شاہ یک رائے ہیں وہ یہ ہے کہ موجودہ پی ڈی پی اے کے ساتھ شراکت اقتدار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی حالت کی ابتری دیکھ کر ماسکو اور کابل نے کچھ دنوں سے بالالتزام یہ پراپیگنڈہ شروع کیا ہوا ہے کہ روسی افواج کی واپسی پر خون خرابہ شروع ہو جائے گا گویا کہ افغانستان میں روسی افواج افغانیوں کو زیر کرنے کے لئے مقیم نہیں ہیں بلکہ ان میں صلح و آشتی قائم رکھنے کے لئے بامر مجبوری ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس طرح بیک حرکت لب روسی جارحیت کا کردار ہی بدل دیا گیا اور وہ ایک امن مشن کی شکل اختیار کر گیا۔ دراصل وزیراعظم کو نیو یارک ٹائمز کا مفروضہ مسترد کر دینا چاہئے تھا کہ انہیں وقت سے پہلے اقوام متحدہ کی امن فوج کی تجویز کاذکر نہ کرنا پڑتا اور وہ اپنا ٹرمپ کارڈ نہ کھوتے ورنہ اگر یہ تجویز اقوام متحدہ کے فورم کے سامنے پیش کی جاتی تو دنیا اس کا سنجیدگی سے نوٹس لینے پر مجبور ہوتی۔ اب تو وہی عالم ہوا۔

ع بات کھوئی عرض مدعا کر کے

Marfat.com

# صاحبزادہ یعقوب خاں

چونکہ میں شروع سے صاحب زادہ یعقوب خان کی یونیسکو کی ڈائریکٹر جنرل کی امیدواری کے حق میں نہ تھا، مجھے ان کے ڈائریکٹر جنرل نہ بننے کا قطعی کوئی افسوس نہیں، بلکہ میں نے اطمینان کا سانس لیا ہے کہ وہ اس سخت طوفانی اور بحرانی وقت پاکستان کے خارجہ امور کی کشتی کے بدستور کھیون ہار رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ کسی ملک کے خارجی تعلقات اس ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور اس لئے قوم کے لئے یہ بہت اہم سوال ہے کہ اس کی تقدیر کن ہاتھوں میں ہے، کیا وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے؟ ابتدائے زمانہ سے ملکوں اور سلطنتوں کے خارجی تعلقات نازک اہمیت کے حامل رہے ہیں کہ ان پر امن کے قیام اور جنگ کے بپا ہونے کا انحصار رہا ہے، لیکن موجودہ زمانے میں، جبکہ دور حاضرہ کے ذرائع مواصلات نے کرۂ ارض کو ایک واحد نقطہ انیفک پر لا کھڑا کر دیا ہے اور کوئی ملک کسی دور دراز ملک سے دور نہیں رہا اور مشرق قریب، مشرق اوسط اور مشرق بعید کی اصطلاحیں مہمل ہو کر رہ گئی ہیں، اب گھریلو معاملات پر خارجی تعلقات کا گہرا سایہ پڑتا ہے اور ان کی دیکھ بھال ہر ملک کا مسئلہ اولین بن گیا ہے لیکن ان عمومی طور پر گنجلک حالات میں پاکستان کی صورتحال اور بھی غور و فکر کی متقاضی ہے کہ اسے خاص طور پر سنگین مسائل کا سامنا ہے، سب سے پہلے تو ہمارا قریبی بڑا ہمسایہ ہندوستان اگر پاکستان سے ہمہ وقت بجنگ آمد کا ارادہ نہیں رکھتا تو ہمہ وقت برسرپیکار رہنے پر ضرور مائل ہے، یہ نتیجہ کسی مفروضے یا قیاس پر نہیں بلکہ حقائق پر ہے، ہندوستان اب تک تین جنگیں پاکستان پر مسلط کر چکا ہے وادیٔ کشمیر پر قابض ہو چکا ہے اور بصورت امن مسلسل کسی نہ کسی قسم کا دباؤ اس ملک پر ڈالنے اور قائم رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، اگر سکھ

Marfat.com

خالصتان کا مطالبہ کرتے ہیں اور اپنے مطالبے کو تسلیم کرانے کے لئے تحریک چلاتے ہیں یا امرتسر میں اپنے سب سے بڑے اور مقدس ترین گوردوارے پر فوجی حملے کے جواب میں خون خرابے پر اتر آتے ہیں تو ان کی "دہشت انگیزی" کو پاکستان کے سر تھوپا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب تک یہ ملک سکھوں کی سرپرستی نہیں چھوڑے گا' اس سے صحیح معنوں میں صلح و آشتی سے بسر اوقات نہیں ہو سکتی۔ ہماری سرحدوں پر مشقوں کے بہانے افواج کا جمع کر لینا تو ہندوستان کا معمول بن گیا ہے۔ سیاچن گلیشیر جو ایک غیر جانبدار اور غیر متعلق علاقے کی ذیل میں آتا تھا' اس پر ہمیں ڈرانے دھمکانے کے لئے فوجوں کو تعینات کر کے ایک جنگی چپقلش کی شروعات کرنا بھی ہندوستان کی جبلی جارحانہ انداز عمل کا ہی غماز ہے۔ پھر پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے ہندوستان کے سربراہوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں اور وہ پاکستان پر اس ضمن میں بندشیں لگانے کی کوشش میں اس دور تک چلے گئے ہیں کہ وہ امریکہ پر زور دے رہے ہیں کہ پاکستان کی اقتصادی و فوجی امداد بند کر دو اور کانگریس کے اسے عارضی طور پر معطل کرنے پر نہال ہیں' ایسے جارحیت پسند ہمسائے کے ساتھ رہنا آسان کام نہیں اور یہ میری حقیقت پسندانہ رائے ہے کہ ہم ہندوستان کے ساتھ کبھی امن و دوستی کی فضا میں نہیں رہ سکتے۔ برِ صغیر کے معروضی حالات اس توقع و امید کی اس لئے کاٹ ہیں کہ پاکستان ہندوستان کے مقاصد کے حصول میں سدِراہ ہے' اکھنڈ بھارت کا یہی مطلب و مقصد بھی تھا کہ وہ مشرق اوسط اور مشرق بعید میں انگریزی سلطنت کا وارث بنے اور دنیا کی دو چار عظیم طاقتوں میں گنا جائے' تحریک پاکستان کے دوران جب قائداعظمؒ کا گاندھی سے 1944ء میں ایک سلسلۂ ملاقات و مذاکرات ہوا تو ہندو مہاتما نے سب سے اہم یہی سوال اٹھایا تھا کہ کہیں پاکستان کی منزل "پان اسلام" (دنیائے اسلام کا اتحاد) تو نہیں کہ اس سے ہندوستان کے آئندہ وسیع تر علاقے کو زیر کرنے کے مقصود کو زک پہنچنے کا خطرہ تھا کہ نہ صرف شرق اوسط ہاتھ سے جاتا تھا بلکہ بحیرۂ عرب و بحر ہند میں بھی ہندوستان کی راجدھانی کا خواب شرمندۂ تعبیر رہتا تھا' گاندھی کو اسلام اور مسلمانوں کے اتحاد سے کتنا خطرہ تھا اس بات سے اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ وہ قائداعظمؒ کو پاکستان کا وہی علاقہ دینے کو تیار تھا جو بالآخر پاکستان بنا' لیکن وہ اسے مسلم قومیت کی بنیاد پر دینے کو راضی نہ تھا' ہندوؤں کے نقطہ نگاہ سے پاکستان کی تخلیق ان کے ہندوستان کو ایک عظیم طاقت بنانے کی راہ میں بہت بڑا جسمانی روڑہ اور بہت بڑی نظریاتی رکاوٹ تھی' یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی تخلیق کو کبھی بخوشی تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوا' ظاہر ہے کہ اس تناظر میں دو ملکوں میں بہتر تعلقات کی توقع عبث تھی' بلکہ ہندوستان بلا خوف و خطر و روک ٹوک عظمت کی جستجو میں لگا رہا اور یہی حکمت عملی تھی جس نے اگر ایک طرف پاکستان کو دبانے اور اس کے سائز کو چھوٹا کرنے کے مشن پر لگائے رکھا تو دوسری طرف گرد و نواح کی چھوٹی ریاستوں کو اپنا باج گزار بنانے کے رویئے پر چلنے کی ترغیب دی' جارح ہندوستان سے تعلقات نبھانا تو مشکل تھا ہی پچھلے آٹھ سال سے پاکستان مسئلہ افغانستان میں الجھا ہوا ہے۔

Marfat.com

یعنی جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' ہمارے خارجی مسائل میں اضافہ ہوتا گیا ہے اور وہ لاینحل صورت اختیار کرتے گئے۔ وادیٔ کشمیر کو انصاف دلوانا تو کجا' ہم مشرقی پاکستان کو بھی غیر ملک بنوا بیٹھے۔ جس سے ہمارے وقار و وزن میں کمی واقع ہوئی اور ہمارے دشمنوں نے اس کا پورا فائدہ اٹھایا۔

ابھی ہم ان صدمات سے جانبر نہ ہوئے تھے کہ روسیوں نے افغانستان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں تیس لاکھ مہاجر پاکستان آنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح ایک طرف مہاجرین کی کفالت کا بوجھ تھا تو دوسری طرف افغان مجاہدین کو مزاحمت پر قائم رکھنا موت و حیات کا سوال تھا' گویا پاکستان ہندوستان اور روس کا نشانہ بنا ہوا ہے اور ان کی یکجہتی کی چکی میں پس رہا ہے۔ پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا' خلیج فارس آتش فشاں کا سماں پیش کرتی ہے اور ہم اس کے شراروں کے اثرات سے غیر متاثر نہیں رہ سکتے' مستزاد پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اسے روشنی طبع تو بر من بلا شدی' کے مصداق ہندوستان ہی وجہ نزاع نہیں بنا رہا بلکہ امریکہ بھی اسے ایکسپلائٹ کر رہا ہے اور اس کی بنا پر ہمارے خلاف فرد جرم لگا رہا ہے اور اتنی ترشی کا اظہار کر رہا ہے کہ ہمارے لئے اس کی امداد بھی مخدوش ہو گئی ہے۔ حالانکہ یہ امداد افغانستان میں روسیوں کے خلاف مزاحمت جاری رکھنے کے لئے (جس کا ز کو امریکہ بھی اپنانے کا مدعی ہے) لابدی ہے۔

اب ان حالات میں خارجہ تعلقات کی نگرانی اور نگہبانی جن کی ذمہ داری ہے' میں نے اپنے پچھلے ایک مضمون میں چند ایک بڑے بڑے وزرائے خارجہ کا ذکر کیا تھا جن کے کندھوں پر اپنے ملک کے خارجہ امور کو چلانے کا سنگ گراں پڑا تھا' بے شک ان زعماء نے بڑے مشکل اور صبر آزما حالات کا مقابلہ کیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جتنے خطرناک خارجی حالات سے پاکستان دو چار رہا ہے اور اس وقت درپیش ہیں۔ (کہاں کوئی ملک دولخت ہونے کے المیے سے گزرا اور کہاں کسی چھوٹے ملک کو ایک سپر پاور سے طاقت آزمائی کا حوصلہ ہوا؟) وہ کسی اور ملک کو پیش نہیں' ہم اس بحران سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے علاوہ اپنی فراست اور جرأت مندی سے ہی عہدہ بر آ ہو سکتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ امور خارجہ کی نگہداشت کسی معمولی آدمی کو نہیں سونپ سکتے کہ ان سے ملک کی تقدیر وابستہ ہے' ہمارے وزیر خارجہ کو ہندوستان کی شاطریت ہی کا سامنا نہیں اسے مسئلہ افغانستان کو بھی ایسے خطوط پر حل کرنا ہے کہ افغانستان بھی آزاد ہو تو پاکستان کا مستقبل بھی محفوظ ہو' اسے امریکہ سے کام لینا ہی نہیں' اسے روس سے بھی تعلقات استوار کرنے ہیں' نیز اسے اسلامی اتحاد کی طرف بھی قدم اٹھانا ہے کہ قائداعظمؒ کے فرمان کے مطابق پاکستان اسلامی اتحاد کی کنجی ہے اور اس کنجی کے استعمال سے ہی اسلامی اتحاد کا تالہ کھل سکتا ہے اور جس کے کھلے بغیر اسلامی دنیا' امریکہ' روس' چین اور ہندوستان جیسے ممالک کا ہمسر نہیں بن سکتی اور جب ملکوں میں' بلاکوں میں' ہمسری موجود نہ ہو تو لامحالہ دوسروں کی غلامی اور زیر دستی عائد اور لازم ہو جاتی ہے' میں نے

Marfat.com

پاکستانی خارجہ پالیسی کی مختلف النوع جہات کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن فی الوقت جس مسئلے کو ہمارے لئے اولیّت حاصل ہے وہ ہے مسئلہ افغانستان ' گو مسئلہ افغانستان پر آٹھ سال کی طوالت حاوی ہے لیکن شروع سے اب تک اس میں یکسانیت کی روجاری نہیں رہی (جیسا کہ مسئلہ کشمیر پچھلے قریب چالیس سال سے جمود کا شکار ہے) شروع میں روس غالب تھا لیکن مرور وقت کے ساتھ ساتھ افغان مجاہدین کی جانبازی' قربانی 'بہادری اور پاکستان کی ہمہ تن وجان حمایت کے طفیل 'افغانستان کی صورتحال بدلتی گئی۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ جہاں روس نے قدم رکھ دیا' وہاں سے اس کا قدم کبھی نہیں ہلتا' ڈگمگاتا یا اٹھتا' لیکن افغانستان میں یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ روس نے باقاعدہ اقوام متحدہ کے سامنے اعلان کر دیا ہے کہ وہ افغانستان کو آزاد اور غیر جانبدار دیکھنے کا متمنی ہے' لیکن جوں جوں فیصلے کا مرحلہ قریب آرہا ہے' توں توں ڈپلومیسی کی تکنیکیں جنگ کی شدت کی جگہ لے رہی ہیں اور تاریخ میں یہ حادثہ ایک بار نہیں ' کئی بار ہوچکا ہے کہ جیتی ہوئی جنگ مذاکرات کی میز پر ہار دی گئی ہے ' روس افغان مجاہدین اور پاکستان کے خلاف سب حربے آزما چکا ہے۔ اس نے ماڈرن ہتھیاروں سے لیس سوالاکھ فوج سے افغانوں کو زیر کرنے کی کوشش کی ' پاکستان کی فضائی حدود کو پار کر کے نہتّے مہاجرین اور پاکستان پر بمباری کی ' اپنے تربیت یافتہ اور کرائے کے تخریب کاروں سے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں دہشت پھیلانے کے لئے بم بلاسٹ کرائے ' لیکن جب یہ سب حربے افغان مجاہدین اور پاکستانیوں کو خوفزدہ کرنے میں ناکام رہے تو کابل کے حکمرانوں نے اپنا پینترہ بدلا اور مجاہدین سے تالیف قلوب اور دوستی کی حکمت عملی اختیار کی اور انہیں حکومت میں حصہ دار بننے کی دعوت دی ' لیکن جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو نظام الاوقات دینے کی بجائے جو کہ جنیوا کانفرنس کا آخری اور فیصلہ کن مرحلہ تھا) آئندہ کابل حکومت کی ساخت پر بحث ونزاع کا موضوع کھڑا کر دیا اور اسی پر معاملہ اٹکا ہوا ہے ' اب یہ معاملہ کیسے طے ہو؟ اس معاملے کو اپنی مرضی اور مفاد کے مطابق طے کرنے کے لئے ماسکو نے ایک طرف واشنگٹن سے سلسلہ جنبانی شروع کیا ہوا ہے (یہ امر ملحوظ نظر رہنا چاہئے کہ گورباچوف کے زیر قیادت روس کے امریکہ سے تعلقات میں گرمی اور قربت آرہی ہے) اور اس بات کی ضمانت دیتے ہوئے کہ وہ روسی افواج کو واپس بلالے گا اسے اس ممکنہ پیش رفت سے ڈرا رہا ہے کہ اگر کابل کلیتہً مزاحمتی جماعتوں یعنی افغان مجاہدین کے ہاتھوں پڑ گیا تو وہاں ایران کی طرز پر اسلامی بنیاد پرستوں کی حکمرانی ہوگی جس کا مزا امریکن پہلے ہی خوب چکھ چکے ہیں ' کیا وہ افغانستان میں ایک اور ایران بنانا چاہتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ بات امریکنوں کے دل کو لگے گی ' بلکہ لگی ہوگی کیونکہ واشنگٹن نے جو وطیرہ پاکستان کی امداد کے بارے میں اس کی ایٹمی صلاحیت کے بہانے اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جیسا کہ میں نے اپنے ایک پچھلے مضمون میں عرض کیا تھا ' افغانستان میں صورتحال کو اس طرح منجمد کر دینا چاہتے ہیں کہ جہاں روسی افغانستان سے نکل جائیں ' وہاں افغان مجاہدین مکمل کامیابی سے سرفراز نہ ہوں

Marfat.com

تاکہ معاملہ بین بین رہے اور ملک بظاہر غیر جانبداری کے پردے کے پیچھے امریکہ اور روس کے مشترکہ اثر کے تابع رہے۔

دوسری طرف ماسکو نے براہ راست اور کابل حکومت کی معرفت پاکستانی سیاستدانوں کو روس اور افغانستان کے دوروں پر بلانا شروع کیا' جس کا مقصد ان کے ذریعے حکومت پاکستان پر مصالحت کے لئے دباؤ ڈالنے کا اہتمام کرنا مطلوب ہے' چنانچہ ان حضرات نے وطن واپس آ کر جو بیانات دیئے وہ ماسکو کابل کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے مشورے سے کمتر نہیں تھے۔

انہی حضرات میں ایک صاحب نے جو بزعم خویش امور خارجہ کے علم کے ایک نئے پنڈت کے روپ میں منظر عام پر ابھرے ہیں' روس کے دورے کے بعد حکومت کو افغانستان کے سلسلے میں فوری طور پر پالیسی کا کانٹا بدلنے پر زور دیا ہے' انہوں نے انتباہ کیا ہے کہ اگر ہم نے جلد از جلد امریکہ کا دامن چھوڑ کر ماسکو سے افغانستان پر مفاہمت کا اقدام نہ کیا تو وہ اس سال کے آخر تک یکطرفہ طور پر اپنی افواج افغانستان سے نکال لے گا' جس کے نتیجے میں ایک تو کابل میں کمیونسٹ حکومت ہمیشہ کے لئے برا جمان ہو جائے گی اور دوسرے پاکستان میں تیس لاکھ مہاجرین کا اپنے وطن واپس جانے کا سوال ہی نہ پیدا ہو گا' سچی بات ہے کہ ایک لمحہ کے لئے تو اس بیان کو پڑھ کر مجھے جھرجھری سی آ گئی کہ افغان بے چارے جو آٹھ سال سے روسیوں کے محکوم اور خوگر ہیں کس طرح ان سے داغ مفارقت برداشت کر سکیں گے! پھر مجھے اس خیال سے اطمینان ہوا کہ وہ تو کسی نہ کسی طرح روسیوں کی جدائی کا غم سہہ لیں گے (آخر انہوں نے صدیاں روسیوں کی سرپرستی کے بغیر گزاری ہیں) لیکن نجیب اللہ کی کٹھ پتلی حکومت کا کیا بنے گا جس کا سہارا ہی روس ہے اور جس قسم کی حکومتوں کو قائم رکھنے کے لئے ہی روسی افواج نے افغانستان آنے کی صعوبت گوارا کی اور اپنے ہزاروں فوجیوں کو افغان مجاہدین سے مقابلے میں مروایا' میں نے یہ بات ہلکے مزاحی انداز میں اس لئے کہی ہے کہ ان حضرات کے مقولات و نکات سنجیدگی کے سزاوار نہیں ہوتے' لیکن جب یہ لوگ اپنی سیاحت کی رپورٹیں وزیراعظم کو پہنچانے پر تُل جائیں تو معاملہ قدرے سنجیدہ ہو جاتا ہے' اب ذرا غور فرمایئے کہ روسی افواج افغانستان میں داخل اور قابض کیوں ہوئیں! محض اس لئے کہ وہ ایک اقلیتی کمیونسٹ پارٹی کو کابل میں حکمران بنائیں اور اس کے واسطے سے افغانستان کو روسی سلطنت کا نوٹ انگ بنا سکیں' ماسکو اگر افغان مجاہدین کے ہاتھوں اپنی افواج کی شکست (ایک سپرپاور کی اس سے بڑی اور کیا شکست ہو سکتی ہے کہ وہ آٹھ سال بعد بھی ایک چھوٹے سے ملک کو قابو میں نہ لا سکا) برداشت کرنے کے بعد ملک چھوڑنے کو تیار نہیں اور وہاں ٹھہرے رہنے کے لئے ڈپلومیسی کا تنکا ڈھونڈ رہا ہے تو محض اس لئے کہ وہ وہاں ایسی حکومت قائم کروا سکے جس میں اس کے کمیونسٹ چیلے چانٹے شامل ہوں اور جب تک اسے اس بات کا یقین نہیں ہو جاتا وہ افغانستان سے ٹس سے مس نہ ہو گا' اس صورتحال کے پیش نظر' یکطرفہ

Marfat.com

طور پر روسی افواج کے انخلاء کی دھمکی کا ایک پاکستانی کے منہ سے اعلان مذاق نہیں تو کیا ہے؟ اب اگر اس قماش کے ماہران عالمی سیاست مدبرین قوم کے رتبے پر متمکن ہونے کی ٹھان لیں اور حکومت کی رہبری کا فریضہ ادا کرنے پر اڑ جائیں تو اس ملک کی قسمت کا کیا ہو گا؟ اسی لئے متاسف ہونے کی بجائے میں خوش ہوا کہ قوم وملک صاحبزادہ یعقوب خان کی خدمات سے محروم نہ ہو گا اور وہ بدستور وزارت خارجہ کے عہدے پر فائز رہیں گے۔

البتہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ صاحبزادہ کی یونیسکو کے سربراہ کے امیدوار کے ضمن میں چند ٹیکنیکل غلطیاں یقیناً سرزد ہوئی ہیں اول تو ہماری حکومت کو وزیر خارجہ کو اس پوزیشن کے لئے نامزد نہ کرنا چاہئے تھا' جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہم اپنی قومی زندگی کے کٹھن مرحلے سے گزر رہے ہیں اور وزارت خارجہ میں فراست اور دور اندیشی کی اس قدر ضرورت ہے کہ ہم صاحبزادہ یعقوب خان جیسی منفرد شخصیت کو ایسے موقع پر کھو نہیں سکتے۔ دوسرے اگر صاحبزادہ صاحب کو نامزد کر ہی دیا گیا تھا تو ہماری وزارت خارجہ کا فرض تھا کہ افروایشیائی حلقے کے ملکوں کے نمائندوں سے بھی مشورہ کرتی' چونکہ موجودہ ڈائریکٹر (افریقی' سنگالی اور مسلم) مغربی ملکوں کے معتوب ہیں اور ان کی وجہ سے امریکہ اور برطانیہ تو یونیسکو کو چھوڑ بھی چکے ہیں' یہ خدشہ ہمیشہ موجود تھا کہ کہیں صاحبزادہ صاحب مغرب کے امیدوار کی شکل میں نظر نہ آئیں۔ جو کچھ مستحسن امیج نہ تھا اور اس امیج کو مٹانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ خود مسٹر ایم بو سے براہ راست پوچھا جاتا کہ کیا وہ سہ بارہ امیدوار بننے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کے جواب کے بعد ہی پاکستان کو اپنے امیدوار کے متعلق فیصلہ کرنا چاہئے تھا' ساتھ ہی ساتھ لاطینی' افریقی اور ایشیائی ملکوں سے عمومی طور پر ان کا عندیہ معلوم کیا جاتا' بین الاقوامی سیاست میں ہزار قسم کی جزئیات پر نظر رکھنی پڑتی ہے اور عام طور پر ہماری وزارت خارجہ کے لوگ اس فیلڈ میں خاصے چاق وچوبند رہتے ہیں' لیکن اس دفعہ کچھ چوک ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ آخر میں افریقہ ہی نہیں بلکہ لاطینی امریکہ اور سوویت یونین کے امیدوار بھی آدھمکے اور معاملہ چوپٹ ہو گیا' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس بار تو اس چوک کا ملک کو فائدہ پہنچا کہ صاحبزادہ یعقوب خان پاکستان کی تحویل میں رہے اور قوم کا اثاثہ قوم کے پاس محفوظ رہا' ورنہ یہاں ایسے موقع پرست امیدواروں کی کمی نہیں جو ملک کی ساکھ اور لاج کی قیمت پر اپنا اُلو سیدھا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے اور خریداروں کی تلاش میں ہر سو سرگرداں ہیں' وہ نہ کسی شخص سے نہ جماعت سے' ملک وقوم سے وفاداری کا بوجھ اٹھانے کے قائل اور لائق ہیں' لیکن جنس وفاداری کا ہمہ وقت سودا کرنے کو مستعد ہیں۔

Marfat.com

# خارجہ پالیسی بدلئے ؟

آخر ش 28 اکتوبر کی پھیلائی ہوئی اخباری افواہوں کی تصدیق ہو گئی اور ہمارے کرشمہ ساز، ہفت زبان، تجربہ کار، قابل اور محنتی وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان رخصت ہو گئے۔ کسی ملک کے وزیر خارجہ کا بدلنا کبھی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ پاکستان میں جبکہ افغان پالیسی کی گتھیاں سلجھنے کا کام نہایت نازک مرحلے پر پہنچا ہوا ہے اچانک ایک بین الاقوامی شخصیت کی تبدیلی ایک سانحے سے کم نہیں۔ وجہ عمل کا حاصل ہے، محترم وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو کا فرمان ہے کہ انہوں نے صاحبزادہ کی "ذاتی وجوہ" پر ان کا استعفیٰ "بادل نخواستہ" قبول کیا۔ عجب ماجرا یہ ہے کہ میں صاحبزادہ صاحب سے 25 اکتوبر کی سہ پہر ملا اور ڈھائی گھنٹے ان کے ساتھ رہا۔ چونکہ عرصے کے بعد ملا تھا میں ان سے پاکستان کو درپیش مختلف خارجی مسائل کا پس منظر سمجھنا چاہتا تھا اور انہوں نے کمال مہربانی اپنے قیمتی وقت سے فرصت نکال کر مجھے اتنا طویل انٹرویو مرحمت فرمایا۔ مسائل کے علاوہ ذاتی پروگرام پر بھی گفتگو ہوئی اور انہوں نے مجھے بتایا کہ شاید وہ سارک کانفرنس میں تو شریک نہ ہوں لیکن نومبر کے پہلے ہفتے میں نیویارک روانہ ہو جائیں گے۔ بعد میں یہ بھی طے ہوا کہ ان کی واپسی پر میں دوبارہ انہیں 17 یا 18 نومبر کو ملوں۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس وقت تک رخصت کے لئے اپنی "ذاتی وجوہ" کا علم تو کیا احساس تک نہ تھا۔ میں نے 25، 26 اکتوبر اسلام آباد میں گزارے اور 27 اکتوبر کو واپس لاہور آ گیا۔ ان تین دنوں میں مجھے حکومت کے اعلیٰ ترین اصحاب سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے کسی کونے کھدرے میں صاحبزادہ کے "ذاتی وجوہ" کی بنا پر استعفیٰ کی بھنک نہیں سنی۔ میں یہ واقعہ اس لئے بیان نہیں کر رہا کہ مجھے کسی گوشے میں مداہنت کا شائبہ نظر آ رہا ہے بلکہ اس

Marfat.com

لئے کہ صاحبزادہ یعقوب خان کی علیحدگی کی ماہیت سمجھ سکوں اور اس نکتے کو واکر سکوں کہ یہ مسئلہ محض شخصی نوعیت کا تھا یا اس کے جلو میں ہماری خارجہ پالیسی کی لائن میں کوئی اہم تبدیلی آنے والی ہے۔

خارجہ پالیسی میں تبدیلی کا خیال اس لئے آتا ہے کہ آج کل جہاں خارجہ پالیسی پر رائے زنی کرنے کا معاملہ صلائے عام بن گیا ہے وہاں اس میں فوراً تبدیلی کا مطالبہ بھی ترویج پکڑ گیا ہے اس ردعمل کے کئی عوامل ہیں ایک تو افغان جنگ نے کافی طوالت پکڑلی - جو آٹھ سال سے جاری ہے' افغان مجاہدین کو مزاحمتی ہمت و حوصلے اور حربی سازوسامان سے لیس رکھنے کا ملک پر بوجھ ہے' اس پر مستزاد تین لاکھ مہاجرین کی دیکھ بھال کا ملکی اقتصادی حالت پر اثر انداز ہونا بھی لازمی ہے پھر ہمارے شہروں پر بمباری کا ہولناک سماں ہے' بم بلاسٹ کے واقعات سے دہشت انگیزی بھی منطقی نتیجہ ہے' حکومت کے نکتہ چین ہیروئن کا ملک گیر نفوذ بھی افغان مہاجرین کے کھاتے میں ڈالتے ہیں حالانکہ یہ افغان ایجنٹوں اور ان کے کرائے پر لئے ہوئے پاکستانی پٹھوؤں کا کارنامہ ہے پھر اپوزیشن کا رول ہے' وہ عوام کی جنگ سے اکتاہٹ کو حکومت کے خلاف پروپیگنڈے کے لئے ایکسپلائٹ کرنے سے قطعاً نہیں ہچکچاتی حالانکہ ان کی حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ نہ صرف وہ حقیقت کو خود پہچانیں بلکہ لوگوں پر بھی واشگاف کریں کہ دراصل افغانستان کی جنگ آزادی پاکستان کے بقا کی جنگ ہے اور اگر خدانخواستہ افغان مزاحمت کے لئے نہ کھڑے ہو جاتے تو روسی فوجوں کا ریلا پاکستان تک پہنچتا اور بحیرہ عرب کے گرم پانی تک پھیل جاتا جس سے خلیج فارس کے ممالک بھی اس کی زد میں آجاتے اور پورے مشرق وسطیٰ کو خطرہ لاحق ہو جاتا' سچی بات تو یہ ہے کہ افغان مجاہدین کے طفیل ہم یہ پاکستان کی جنگ بہت کم قیمت اور قربانی پر لڑ رہے ہیں مسئلے کی کم فہمی یا جان بوجھ کر صدر ضیاء الحق کے خلاف محض بغض اور کینے کی بنا پر (چونکہ افغانستان پر روسی یلغار مارشل لاء کے زمانے میں ہوئی تھی اس لئے صدر ضیاء الحق کو ہی افغان پالیسی کا منصف کہا جاتا ہے) اس پر تنقید کر رہے ہیں چنانچہ اپوزیشن کے ایک لیڈر ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان نے کابل یاترا کے بعد فرمایا کہ افغانستان کی موجودہ انتظامیہ بہت قابل اور اہل .......... ہے گویا مسئلہ روسی مقبوضہ افغانستان کی گلوخلاصی اور آزادی کا نہیں بلکہ انتظامیہ کی اہلیت کا ہے اور یہ صاحب سالہا سال سے پاکستان میں جمہوریت کے احیاء کی جدوجہد فرما رہے ہیں۔

بالفاظ دیگر اگر روسیوں کے تحت کابل حکومت ''اہل'' ہے تو افغانستان کی آزادی ثانوی مسئلہ ہے یا کوئی مسئلہ ہی نہیں لیکن اگر پاکستان کے بحرانی وقت میں اپنے ہم وطن سپاہیوں کی حکومت ہو (جسے مارشل لاء کا نام دیا جاتا ہے) جس کی اہلیت کو مخالفوں نے بھی شک وشبہ کی نگاہ سے نہیں دیکھا (جس بے مثال پامردی اور کمال سفارتی صلاحیت سے پاکستانی قیادت نے پچھلے چند سالوں میں لاکھوں روسی فوجیوں

Marfat.com

کی یورش اور ان کے افغانستان میں مستقل قیام اور قبضے کے منصوبے کو اس طرح خاک میں ملا دیا کہ اب خود ماسکو اپنے فوجیوں کے انخلاء کا اعلان کر رہا ہے) تو اس کے خلاف جہاد اتنا اہم ہے کہ اسے جڑ سے اکھاڑنے کے لئے ہر حربہ جائز ہے پھر مزا یہ کہ مخالفت جاری ہے حالانکہ مارشل لاء اٹھ چکا ہے اور ایک منتخب حکومت ملک کا کاروبار چلا رہی ہے' ایسی ہی اندھی عصبیت کا مظاہرہ ایک اور صاحب نے کیا انہوں نے دورۂ ماسکو کے بعد فرمایا کہ اگر ہم نے فوراً ماسکو سے مفاہمت نہ کی تو روس اس سال کے آخر تک اپنی فوجیں واپس لے جائے گا کمیونسٹ پارٹی کے قدم افغانستان میں جم جائیں گے اور مہاجرین اپنے وطن واپس نہ لوٹ سکیں گے' جہاں ہمارے لئے موت و حیات کے مسئلہ افغانستان پر ایسی بے تکی اور پوچ باتیں کہی جاتی ہیں جن سے ماسکو کو اپنے موقف میں تقویت ملتی ہے وہاں عام خارجی معاملات پر اتنی سطحی مین میخ نکالی جا رہی ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ ہمیں سوائے پاکستان کے مفاد کے ہر چیز سے شغف ہے مثلاً ایک صاحب نے بزعم خویش بڑے عالمانہ انداز اور لہجے میں خارجہ پالیسی کے چھ اس طرح نقائص گنوائے' ایک' ہم نے یونیسکو میں وزیر خارجہ کو ڈائریکٹر جنرل کے عہدے کا امیدوار بنا کر افروایشیائی اتحاد میں پھوٹ ڈالی' دو انسانی حقوق کی پامالی کی بناء پر بنکاک کی ایک یونورسٹی نے صدر ضیاء الحق کو ڈاکٹریٹ دینے سے انکار کر دیا' تین' کینیڈا میں منعقدہ کامن ویلتھ کانفرنس میں پاکستان کی شمولیت کا سوال نہ اٹھایا گیا اب جہاں تک بنکاک کے واقعے کا (گو وہاں ایک یونیورسٹی کی طرف سے صدر کو باقاعدہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی) اور کامن ویلتھ کانفرنس کی کارروائی کا تعلق ہے' اس میں پاکستان کی وزارت خارجہ کا کیا قصور! یہ تو ایسی باتیں ہیں جن کا سر ہے نہ پیر' البتہ یونیسکو کے لئے وزیر خارجہ کی امیدواری کے متعلق توضیح کی ضرورت ہے۔ اب حق یہ ہے کہ صاحبزادہ یعقوب خان بہت ممتاز شخصیت ہیں اور ان کی طرف بہت سے ملکوں کا رجوع تھا اول تو مسٹر ایم بو جو پچھلے بارہ سالوں سے ڈائریکٹر جنرل چلے آ رہے تھے اور انہوں نے اپنی حکمت سے کئی مغربی ملکوں کو ناراض کر دیا تھا (امریکہ اور برطانیہ نے تو یونیسکو چھوڑ ہی دیا) صاف طور پر اعلان کر دیا تھا کہ وہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے' صاحبزادہ ذاتی طور بھی مسٹر ایم بو کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے ان سے کئی بار ملے اور انہیں یقین دہانی کرائی گئی کہ حالیہ ڈائریکٹر جنرل سہ بارہ امیدوار نہ ہوں گے بلکہ انہوں نے کہا کہ اس بار یہ عہدہ ایشیا کے کسی ملک کو جانا چاہئے' ساتھ ہی سلامتی کونسل کے پانچ میں سے چار مستقل نمائندوں نے صاحبزادہ کو اپنی تائید کا یقین دلایا اس طرح یوں نظر آیا کہ افریقی ایشیائی دونوں (ماسوائے ہندوستان اور انڈونیشیا کے جس نے اپنا امیدوار نامزد کیا ہوا تھا) کے علاوہ مغربی ممالک کے ووٹ بھی ملیں گے اور صاحبزادہ کا انتخاب یقینی تھا لیکن بعد میں انتخابات سے کچھ ہی دن پہلے ایم بو نے افریقی کانفرنس کے ایما پر اپنی امیدواری کا اعلان کر دیا اب میدان چھوڑنا مشکل تھا اور امتحان سے گزرنا ناگزیر تھا' اگر پہلے راؤنڈ میں ایم بو کو صاحبزادہ سے دو ووٹ زیادہ نہ ملتے تو تمام مغربی ممالک پاکستان کی طرف

Marfat.com

جھک جاتے اور صاحبزادہ کامیاب ہو جاتے 'لیکن جب انہوں نے ایم بو کو پھر آگے بڑھتے دیکھا تو انہوں نے سپین کے امیدوار کے لئے جوڑ توڑ شروع کر دیئے کہ انہیں صاف نظر آیا کہ افروایشیائی حلقہ متحد نہیں ہے اور دوسرے راؤنڈ میں ان کا منصوبہ بالکل عیاں ہو گیا کہ صاحبزادہ کی ووٹیں کم ہوئیں تو ایم بو کی ووٹیں بھی کم ہوئیں اس مرحلے پر افروایشیائی طاقت کو ایم بو کے پیچھے مجتمع کرنے کی کوشش میں صاحبزادہ صاحب نے وہی کچھ کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا انہوں نے امیدواری سے اپنا نام واپس لے لیا اور اپنی اور اپنے حامیوں کی سپورٹ ایم بو کے سپرد کر دی لیکن اب معاملہ دور جا چکا تھا اور مغرب کسی صورت ایم بو کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا پھر جہاں مغربی ممالک متحد تھے وہاں افروایشیائی ممالک بٹے ہوئے تھے چنانچہ مغرب نے افروایشیا تقسیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سپین کے نمائندے کو جتوا دیا مجھے اس ساری کارروائی میں صاحبزادہ صاحب کی کوئی غلطی نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ انہوں نے ملکی خدمت پر یعنی وزارت خارجہ کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کو سنبھالنے پر بین الاقوامی خدمت کو کیوں ترجیح دی اور یونیسکو کی جہت کی طرف کیوں قدم بڑھایا۔

بہرحال اس ضمن میں خارجہ پالیسی کے کسی اہم رکن کی رکن شکنی نہیں ہوئی اور اگر اس سبکی کی کسی پر ذمہ داری پڑتی ہے تو ان پر جنہوں نے صاحبزادہ کو اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے کے عہدے کو حاصل کرنے کی ترغیب دی یا اس کے لئے نامزد کیا' خارجہ پالیسی کی خامیوں کی نشاندہی کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ہم نے ہندوستان کے خلاف سری لنکا کی کماحقہ 'مدد نہیں کی' اب سوال یہ ہے کہ جب پاکستان ہندوستان سے خود اپنی سرحدوں پر (جہاں وہ وقتاً فوقتاً فوجی گھیراؤ کرتا رہتا ہے اور اس وقت بھی خبر گرم ہے کہ وہ سندھ کی سرحد پر اپنی فوجیں جمع کر رہا ہے) حتی الوسع مڈھ بھیڑ سے اجتناب کرتا ہے تو وہ سینکڑوں میل خشکی اور تری کے بعد ہندوستان سے کیونکر بھڑنے کے لئے تیار ہو سکتا تھا خصوصاً جبکہ سری لنکا کے صدر جے وردھنے نے ہندوستان کے وزیر اعظم راجیو سے معاہدے کے ذریعے تاملوں کے خلاف ہندوستانی کمک طلب کر لی تھی؟ پھر کہا گیا ہے کہ سعودی عرب سے ہمارے جوان واپس آ رہے ہیں' اس سے بھی ہماری ہیٹی ہوئی ہے حالانکہ انہیں واپس بلانے کی ہزار وجوہات ہو سکتی ہیں اور ایک تو ظاہراً یہ ہے کہ ان کی ڈیوٹی کی میعاد ختم ہو گئی ہے' دنیا جانتی ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب میں قریب ترین تعلقات ہیں اور یہی حقیقت ہمارے لئے کافی ہونی چاہئے سپر پاورز سے تعلقات کا بھی ذکر ہوا ہے لیکن یہ ذکر تو آج کل کا روزمرہ بن گیا ہے۔

میں نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا اس لئے نوٹس لیا ہے کہ آپ کو علم ہو کہ خارجہ پالیسی جیسے گنجلک اور ادق موضوع و مضمون پر ہمارے تنقید نگار کس تنگ زاویہ نگاہ سے تجزیہ کرتے ہیں یہ اچھی بات ہے کہ عوام میں خارجہ پالیسی کے متعلق جستجو بڑھ رہی ہے اور ایسا ہونا چاہئے کہ ملک و قوم کے المناک ترین مراحل خارجہ پالیسی کی غلطیوں کی کوکھ سے ہی جنم لیتے ہیں اور اس کی عوامی نگہداشت اور پرکھ ضروری ہے'

Marfat.com

کشمیر کے معاملے میں بھی ہم نے غلط خارجہ پالیسی کی وجہ سے مات کھائی۔ خارجہ پالیسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جس نقطۂ نظر پر جنگ اختتام پذیر ہوتی ہے' اسی نقطے سے بر سر پیکار اقوام میں ڈپلومیسی کے میدان کارزار میں نبرد آزمائی شروع ہو جاتی ہے یعنی ڈپلومیسی جنگ کا متبادل ہوتی ہے' اب اگر ہم چالیس سال پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ ہمارے رہنما موزوں وقت سے پہلے ہی ڈپلومیسی کے میدان میں داخل ہو گئے حالانکہ جنگ ہمارے حق میں جارہی تھی اور انہیں ابھی جنگ کے میدان میں ہی ڈٹے رہنا چاہئے تھا' ایسے وقت جب ہندوستان مجموعی طور پر کمزور تر تھا اور ہماری قوم اور فوجیوں میں جوش و خروش کے فوارے چھٹ رہے تھے جنگ بندی پر راضی ہو جانا خارجہ پالیسی کی فاش غلطی تھی اور اس کی غالباً وجہ ناتجربہ کاری تھی کہ غلام قوم کو آزاد ہوتے ہی ڈپلومیسی کی پیچیدگیاں رموز اور گر سمجھ نہیں آجاتے اس غلطی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہندوستان 48۔ 47ء سے سینکڑوں درجے زیادہ مضبوط ہے اس کی عسکری طاقت بھی فراواں ہے اور اس کی عالمی ساکھ بھی اونچی ہے اور اسی لئے اب ہندوستان "وادی کشمیر" کو اپنے ملک کا اٹوٹ انگ" بتاتا ہے اور استصواب رائے کے وعدے وعید قعر فراموشی میں گم ہو گئے ہیں۔ کشمیر سے ہی ہمیں سبق سیکھنا چاہئے تھا کہ لڑنے مرنے کے عزم کے بغیر کسی ڈپلومیسی کی صورت گری نہیں ہوتی پھر مشرقی پاکستان میں کیا ہوا؟ بے شک اس میں اندر والوں کی غداری بھی شامل تھی لیکن باہر والوں نے بھی کچھ کم تباہ کن کردار ادا نہیں کیا کہ اگر ایک طرف یحییٰ آخر تک امریکہ کے ساتویں بیڑے کی حرکت کے منتظر رہے تو دوسری طرف روس نے ہندوستان سے دوستی کے عہد و پیمان کے بہانے اسکو خوب اسلحہ فراہم کیا۔

خارجہ پالیسی دریا کی طرح ایک ہی رخ بہے جاتی ہے ٹھیک ہے کہ کبھی کبھی دریا کے بہاؤ سے قدرے سرکتے ہوئے زاویئے کی طرح خارجہ پالیسی کی سمت میں بھی ہلکی سی تبدیلی آجاتی ہے لیکن جس طرح از خود دریا کا بہاؤ تبدیل کرنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح ہر حکومت اس امر کی مجاز نہیں ہوتی کہ وہ جس طرح چاہے خارجہ پالیسی کا اس طرف رخ موڑ دے ——— چونکہ خارجہ پالیسی کی بنیاد ملک و قوم کے اساسی مفاد کی چٹان پر اٹھائی جاتی ہے اسے قومی مفاد پر ہی متمکن رکھنا پڑے گا اگر بھٹو نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو تہہ و بالا کیا تو اس لئے کہ اس نے تو ملک و قوم کے مفاد کی چٹان کو پاش پاش کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چونکہ اس نے مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کی ٹھان لی تھی اس نے پہلے یحییٰ کو ایسے سبق پڑھائے کہ خانہ جنگی ہوئی اور ملک ٹوٹا' پھر اس نے ایسی خارجہ پالیسی اختیار کی جس سے یہ بٹوارہ مستقل ہوا' نہ صرف اسلامی کانفرنس کے ذریعے بنگلہ دیش کو تسلیم کروایا بلکہ ہندوستان سے شملہ معاہدہ کیا جس نے مسئلہ کشمیر کو کھٹائی میں ڈالا اور اسے بین الاقوامی تحویل سے خارج کروایا اب آپ شملہ معاہدہ کی رو سے ہندوستان کی مرضی اور اجازت کے بغیر مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں نہیں اٹھا سکتے تو عام طور پر نارمل حالات

Marfat.com

میں خارجہ پالیسیاں الٹ پلٹ نہیں کی جاسکتیں، کسی ملک کی تاریخ پڑھ لیجئے وہ عشروں بلکہ قرنہا قرن ایک ہی خارجہ پالیسی کی ڈگر پر قائم رہا (خصوصاً جبکہ وہ پالیسی ثمربار ہو رہی ہو) کہ جغرافیے کی طرح ملکی مفاد میں کم ہی فرق آتا ہے کیا پاکستان کی کوئی حکومت کشمیر سے پیٹھ موڑ سکتی ہے؟ جب تک مسئلہ کشمیر پاکستان اور ہندوستان میں باعث نزاع رہے گا ان ملکوں کے تعلقات معمول پر نہیں آسکتے خواہ دوسری' معاشی و معاشرتی جہات میں ہزار خوشگوار تبدیلی آجائے اور پیش رفت ہوجائے۔

اب میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے دو بنیادی موضوعات کی طرف آتا ہوں' ایک ہے مسئلہ افغانستان اور دوسرا ہے مسئلہ ہندوستان' جب تک ہم ان سے عہدہ بر آ نہیں ہوتے پاکستان کی سلامتی معرض خطر میں رہے گی' جہاں تک مسئلہ افغانستان کا تعلق ہے ہم بہ ہزار مشکل اور بہ لاکھ قربانی ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ روسی افواج کا انخلاء حد امکان حل میں داخل ہو چکا ہے' روسی اپنی فوجوں کو واپس لے جانے پر راضی ہو چکے ہیں اور صرف معاملہ آئندہ کابل حکومت کی ساخت کا رہ گیا ہے' روسی اس بات پر مصر ہیں کہ ان کے جانے کے بعد نہ صرف آئندہ کابل حکومت دوستانہ رجحان رکھتی ہو بلکہ اس میں ان کے کمیونسٹ حمائیتیوں کا عنصر بھی موجود ہو کیونکہ انہیں خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ روسی تائید کے بغیر ان کا مستقبل مخدوش ہے اس لئے جب تک نجیب اللہ اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ ان کے نقطۂ نظر سے بخیر و بخوبی طے نہیں پاتا وہ اپنی افواج کے انخلاء کے نظام الاوقات کے بارے میں لیت و لعل کرتے رہیں گے بلکہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ان کے نکلنے کے بعد خانہ جنگی اور خون خرابے کا خدشہ ہے' اس خدشے کا جواب تو پاکستان کی طرف سے وزیر اعظم جونیجو نے دے دیا کہ درمیانی عرصے کے لئے حالات پر قابو رکھنے کے لئے اقوام متحدہ کی امن فوج تعینات کر دی جائے لیکن جہاں تک آئندہ کابل حکومت کی تشکیل کا سوال ہے وہ تو صرف اور صرف افغانوں کی ذمہ داری ہے جو وہ بخوبی نبھا سکتے ہیں کہ وہ روایتاً اپنے سب اہم معاملات پر لوئی جرگہ میں فیصلہ کرتے ہیں اور جیسا کہ وزیر اعظم نے تجویز کیا جونہی روسی فوجیں واپس ہونی شروع ہوں اور اقوام متحدہ کی امن فوج ذمہ داری سنبھالے' ایک عارضی اور غیر جانبدار حکومت (ایسی حکومت کے ضمن میں اجماع ظاہر شاہ کے حق میں معلوم ہوتا ہے) کے زیر نگرانی لوئی جرگہ بلایا جائے جس میں معاشرے کے تمام عناصر بشمول (پی ڈی پی اے کے) روسی حمایتی موجود ہوں' یہ افغانستان کی موجودہ صورت حال کا بہت منصفانہ حل ہے' کیونکہ یہ ادارہ علاوہ دوسرے اہم معاملات کے آئندہ کابل حکومت کا فیصلہ بھی کرے گا۔ توقع ہے کہ روس کے ڈپٹی وزیر خارجہ ورسناف اس ماہ کے آخر تک پاکستان آئیں گے اور ان سے کسی قسم کی فیصلہ کن بات ہوگی اس مختصر رویداد سے معلوم ہوگا کہ دسمبر 79ء میں روسی افواج کے افغانستان پر قبضے اور آج جب ان کی واپسی کا نظام الاوقات ترتیب دیا جا رہا ہے کتنی بڑی پیش رفت ہوئی ہے اور پاکستان نے کتنی لمبی اور جانکاہ مسافت کاٹی ہے۔ سوال ہے کہ یہ عظیم

Marfat.com

پیش رفت' یہ کٹھن مسافت کا اختتام کیونکر بروئے کار آیا؟ کیا وہ اصغر خان اور کوثر نیازی کے علی الترتیب کابل اور ماسکو نواز بیانوں کے طفیل بروئے کار آیا یا وہ افغان مجاہدین کے بے پناہ جذبۂ آزادی اور پاکستان کے بے پایاں جذبۂ قربانی سے ممکن ہوا، یہ افغان مجاہدین اور پاکستانیوں کی سرتوڑ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ افغانستان میں حالات نے ایسا انقلابی پلٹا کھایا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ کمیونزم اسلام کو مات نہ دے سکا' اسی کایا پلٹ کے صدقے اور سبب دور اندیش ابن الوقت سیاست کاروں کو موقع ملا کہ وہ ایک سپر پاور کی کمزور پوزیشن کے پیش نظر اس سے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کریں اور ملک کے مفاد کی قیمت پر اس کے تشکر و امتنان کے مستحق ٹھہریں جو بوقت ضرورت کام آئے۔ اب بتایئے جس حکمت عملی نے آپ کے لئے افغانستان میں سرخروئی کے امکانات پیدا کئے ہیں کیا اس حکمت عملی کو بدل دیا جائے؟ اس وقت ہماری افغان پالیسی میں تبدیلی کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں کہ ہم اپنی تمام طویل جدوجہد آزادی و بقا کو ضائع کر دیں اور ایک شکست خوردہ روسی کٹھ پتلی کابل حکومت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں! یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہمارے ہاں ایسا نا آشنائے احساس عزت سیاسی ماحول ہے کہ وہ ایسے تصورات ابھارنے کی بجائے جس سے ملک کا بول بالا ہو ایسے افراد کا نام چمکا رہا ہے جو اغیار کی بالا دستی کے ڈراؤنے خواب دکھا کے قوم میں مایوسی پھیلاتے ہیں۔

ہمارا دوسرا اہم مسئلہ ہندوستان ہے ہماری حکومت نے بڑے سوچ بچار کے بعد اور نہایت صحیح خطوط پر یہ فیصلہ کیا کہ خواہ ہندوستان ہمیں جتنا چاہے اُکسانے کی کوشش کرے ہم اس سے نہیں الجھیں گے صدر ضیاء الحق تو امن پسندانہ جارحیت ( Peace offensive ) کی تحریک کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اور کرکٹ کے میچوں کو بھی اپنے مقصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے سے گھبراتے ہیں نہ کتراتے ہیں' جب تک ہندوستان پاکستان پر حملہ ہی نہ کر دے (اس کی صبح و شام کی دھمکیوں اور تیاریوں سے یہ بعید بھی نہیں) پاکستان ہندوستان سے مڈھ بھیڑ کی طرف مائل نہیں ہو گا اور یہی حقیقت پسندانہ پالیسی ہے کہ ہم ابھی تک 65ء کی جنگ کے خطرناک مؤثرات سے جانبر نہیں ہو سکے' یہ جنگ بھٹو کی اشتعالات پر بپا ہوئی تھی کہ وہ صدر ایوب کی حکومت کو ماؤف کر کے خود اپنے اقتدار کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتا تھا' بھٹو ایوب کی پوزیشن کو کمزور کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن ساتھ ہی وہ دفاعی طور پر مشرقی پاکستان کو دشمنوں کی آنکھوں میں نہتا اور ننگا دکھانے میں بھی کامیاب ہو گیا کیونکہ یہ تھیوری کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان کی عسکری قوت میں مضمر ہے بے بنیاد ثابت ہوا اور اگر ہندوستان کو جوابی طور پر چینی پیش قدمی کا ڈر نہ ہوتا تو وہ 65ء کی جنگ میں ہی مشرقی پاکستان پر حملہ آور ہو جاتا۔ چنانچہ جہاں اندرونی طور پر مجیب نے گورنر منعم خان کو یو ڈی آئی یعنی صوبہ کی یکطرفہ اعلان آزادی کی جسارت پر اکسایا' وہاں خارجی دشمنوں سے مداخلت کے منصوبے بنانے کا حوصلہ پایا۔ پاکستان کا سائز چھوٹا ہونے کے ساتھ ہی ملک کا مرتبہ بھی

Marfat.com

گر گیا اور بہت حد تک ہمارے موجودہ مسائل مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا نتیجہ ہیں' اسی لئے ہندوستان سے تعلّقات پہلے سے بھی زیادہ نزاکت کے حامل ہیں کہ پچھلے تین عشروں میں جوں جوں ہندوستان کی قوّت میں اضافہ ہوا ہے توں توں پاکستان کے مسائل اور مشکلات میں اضافہ ہوا ہے' سو ان حقائق کے پیش نظر حکومت نے نہایت دانشمندانہ حکمت عملی اختیار کی ہے کہ جہاں وہ نیوکلیئر صلاحیت اور دوسرے نزاعی معاملات میں ہندوستان کو جنوب ایشیا کی عظیم طاقت تسلیم کر کے اس کی یکطرفہ ڈگریاں قبول کرنے کو تیار نہیں اور اس سے ہمیشہ برابری کی سطح پر معاملہ کرے گا وہاں وہ خوا مخواہ ہندوستان سے کوئی جھگڑا مول نہیں لینا چاہتا کہ اس کی پلیٹ میں پہلے ہی بہت حل طلب مسائل پڑے ہیں۔

اب بتایئے کہ اس پالیسی میں کیا تبدیلی ہو؟ کیا ہم ہندوستان کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینا شروع کر دیں؟ اگر عاقلانہ خارجہ پالیسی کا مطلب ملکی مفاد کا تحفظ ہے تو ہندوستان سے تعلقات بہتر بنانے میں ہی ملکی مفاد ہے نا کہ اس سے بگاڑ پیدا کرنے میں' تو اگر مسئلہ افغانستان پر موجودہ پالیسی بدلنے میں پاکستان کا نقصان ہے اور مسئلہ ہندوستان پر پالیسی بدلنے میں بھی ملک کا خسارہ ہے تو پھر خارجہ پالیسی بدلنے کا مطالبہ کیوں؟ خارجہ پالیسی کا کوئی لباس تو ہے نہیں جو موسم کے بدلنے پر بدل دیا جائے۔ خارجہ پالیسی میں تو زمانے کا تسلسل ہوتا ہے' حالات بدلتے ہیں' حکومتیں بدلتی ہیں لیکن ملک کے بنیادی مسائل با آسانی نہیں بدلتے اس لئے سوچے سمجھے تجربہ کئے ہوئے معاملات سے جو اصول اور نکات اخذ' واضح اور اجاگر ہوئے ہیں جن سے ہم نے استفادہ کیا ہے اور جنہیں ہم نے اپنایا ہے اور جن پر قومی اجماع ہے ان سے وقتی نفع کے لئے یا ذاتی فائدے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھا لینا چاہئے اور انہیں پس پشت نہ ڈال دینا چاہئے' قومیں ہٹ دھرمی پر ہی جیتی ہیں جیسا کہ اقبالؒ نے فرمایا۔

اس دور میں سب مٹ جائیں گے باقی وہی رہ جائے گا
جو قائم اپنی ضد پر ہے اور پکّا اپنی ہٹ کا ہے

مثلاً حکومت اور قوم نے صحیح فیصلہ کیا ہے کہ امریکی امداد ملے یا نہ ملے پاکستان اپنی ایٹمی صلاحیت سے ہرگز دست کش نہ ہو گا۔

میں نے خارجہ پالیسی کے دو مسائل کا ہی ذکر کیا ہے مسئلہ افغانستان اور مسئلہ ہندوستان اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ان دونوں مسائل کے ضمن میں موجودہ حکمت عملی میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے لیکن ایک اور غور طلب معاملہ بھی ہے جسے میں مسئلے کی ذیل میں نہیں لانا چاہتا اور جس پر بحث و مباحثہ تو ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے لیکن فی الوقت کچھ زیادہ ہی شدّت اختیار کر گیا ہے اور وہ معاملہ ہے ہمارے سپر پاورز سے تعلّقات کا اب جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ ہمارے جیسے ملک کے لئے جو غیر جانبدار ملکوں کے حلقے سے تعلق رکھتا ہے اور جس کی سلامتی کا تقاضا ہے کہ ہمسایہ ملکوں سے خصوصی طور پر اچھے تعلّقات

Marfat.com

قائم کرے اور روس ہمارا ہمسایہ ملک ہے اور سپر پاور بھی ہے اور ہمیں اس سے قریبی رشتہ پروان چڑھانا چاہئے تو اس استدلال سے اتفاق کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہونی چاہئے لیکن روس سے بہتر تعلقات بنانے کا یہ کیوں تقاضا اور لازمہ ہو کہ امریکہ سے پھڈا ڈال لیا جائے' ایک سانس میں سپر پاورز کے ساتھ متوازن تعلقات کا مطالبہ اور دوسری سانس میں امریکہ کی جگہ پاکستان کے حلقۂ دوستی میں خالصتاً روس کی تخت نشینی کا منصوبہ آپس میں لگا نہیں کھاتا بے شک روس کو دوست بنایئے لیکن امریکہ کو کیوں چھوڑیئے یہ تو ایک حماقت کی جگہ دوسری حماقت کا ارتکاب ہو گا ویسے تو دوستی ہر ملک سے ہونی چاہئے دشمنی کسی سے زیب دیتی ہے نہ فائدہ' یوں بھی فی زمانہ دنیا اس طرح ایک ناقابل تقسیم وحدت بن چکی ہے کہ اگر آپ کسی ملک سے بُعد رکھنا بھی چاہیں تو ذرائع مواصلات اس کی اجازت نہ دیں گے' لیکن اس جغرافیائی و نفسیاتی یگانگت کے باوجود دوستیاں وہیں قائم ہوتی ہیں جس سمت قومی مفاد کا حکم اور حکمرانی ہو یہ ضروری نہیں کہ ہمسایہ ملک آپ کا دوست بھی ہو' پاکستان کا کیا تجربہ ہے؟ نہ ظاہر شاہ' داؤد خان کا افغانستان پاکستان کا دوست رہا ہے نہ نہروؤں کا ہندوستان' تو دوستیاں قومی مفاد کے زیر نگیں ہوتی ہیں اب چونکہ ہندوستان شروع سے پاکستان کی طرف مائل بہ جارحیت رہا ہے اور ساتھ ہی روس کی عالمی سیاست اور نہروانی سوشلزم کے طفیل دہلی کو ماسکو کی سرپرستی حاصل رہی ہے تو نوزائیدہ اور کمزور پاکستان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ مغرب کی طرف رجوع کرے اور اپنے دفاع کا بندوبست کرے۔ اس طرح ہماری امریکہ سے دوستی کی شروعات ہوئی لیکن دوستیوں کی تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی' امریکہ نے بھی ہماری طرف اس لئے ہاتھ بڑھایا کہ ہم اسلامی مملکت ہونے کی بناء پر کمیونزم کے خلاف تھے اور اس سے شیر و شکر نہ ہو سکتے تھے۔ بالفاظ دیگر دوسری جنگ عظیم کے بعد جب امریکہ اور روس میں ٹھنی ہوئی تھی امریکہ نے پاکستان کو اس کی جغرافیائی سیاسی اہمیت کے پیش نظر اسی طرح استعمال کیا جس طرح ہم نے ہندوستان کے خلاف اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے امریکہ سے اسلحی واقتصادی امداد حاصل کی۔ دراصل ملکوں میں دوستیوں کا مدار قومی مفادات کی ہم آہنگی پر ہوتا ہے مفادات مل جائیں تو ملکوں میں دور دراز فاصلے بھی غائب ہو جاتے ہیں' اگر نہ ملیں تو ان کی نزدیکیاں وبال جان بن جاتی ہیں' اگر ملکوں میں جذبات کی گرمی بھی پیدا ہوتی ہے تو اسی لین دین اور سودے بازی کی حدت کے صدقے میں' بلکہ جتنی قومی مفادات میں یکجہتی پیدا ہو گی اتنی ہی جذبات میں فراوانی ہو گی اور جہاں مفادات ٹکرائیں گے گرمجوشی کی جگہ سرد مہری لے لے گی' یہ بین الاقوامی دوستیوں کا معمول ہے ہمارے امریکہ سے تعلقات میں بہت گرمی رہی تو ان میں سردی بھی آئی' 65ء کی جنگ کے بعد امریکہ نے پاکستان کی اسلحی مدد بند کر دی تھی اور اس وقت ایٹمی جھگڑے کی بنا پر امداد معطل ہے لیکن سردی گرمی برطرف حقیقت یہ ہے کہ اب تک پاکستان کے امریکہ سے تعلقات کے ہنگام پر سالہا سال گزر گئے ہیں اور ان میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور ٹھہراؤ آ چکا ہے پھر بزنس تو اپنی جگہ مسلم لیکن کچھ

Marfat.com

نظریاتی یکسانیت کا بھی دباؤ ہوتا ہے ہم لاکھ حقیقت پسند ہو جائیں مسلمان ہونے کی بنا ' دہریت مآب کمیونزم ہضم نہیں کر سکتے۔ افغانستان میں روس کے خلاف مزاحمت کی تحریک نے کیوں قوت پکڑی؟ اس لئے کہ اسلام اور کمیونزم میں کوئی جوڑ نہیں وہ متضاد متخالف نظریات زندگی ہیں مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ عیسائی بہرحال اہل کتاب ہیں اور وہ مسلمانوں کے قریب تر ہیں تو مادی نیز وسیع نظریاتی محرکات کی بنا پر پاکستان اور امریکہ میں جو تعلقات ایک عرصہ دراز کی طوالت پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں نشیب و فراز کے باوجود ایک استحکام دوستی کی دیوار اٹھائی جا چکی ہے جو بعجلت و آسانی ڈھائی نہیں جا سکتی اگر ہندوستان امریکہ سے تعلقات بڑھانے کو مستحسن گردانتا ہے تو پاکستان انہیں کیوں معیوب ٹھہرائے گا؟ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے جس طرح ہمارے تعلقات امریکہ سے استوار ہوئے ہیں بعینہٖ ایک لمبی مدت کے عمل کے نتیجے میں روس اور ہندوستان کے تعلقات میں گہرائی اور گیرائی آئی ہے ' بلکہ ان کے درمیان تو ایک فوجی امداد کا معاہدہ بھی کارفرما ہو گیا ہے (اسی معاہدے کو دوستی کے معاہدے کا نام دیا جاتا ہے جس کا مشرقی پاکستان کشتہ ہوا تھا) انہی تعلقات اور معاہداتی دوستی کی رو سے روس سے ہندوستان کو اربوں کھربوں کی مالیت کی اسلحی واقتصادی سائنسی اور ٹیکنولاجیکل امداد منتقل ہوئی اور ان میں بھی رشتوں کی ایسی میخ لگی اور ٹھکی ہوئی ہے جو اگر امریکہ کی ہندوستان کو ہر نوع کی بیش بہا امداد کی تحریص اور ترغیب ' نکال اور اکھاڑ نہیں سکی تو وہ روس کو ہماری دوستی کی پیشکش سے بھی نکالی اور اکھاڑی نہ جا سکے گی۔

پاکستان روس سے آہستہ آہستہ ہی تعلقات بڑھا سکتا ہے اور وہ بھی تب تک نہیں بڑھ سکتے جب تک مسئلہ افغانستان کا خاطر خواہ منصفانہ حل بروئے کار نہیں آتا پھر فرض کیجئے کہ اگر مسئلہ افغانستان کے حل کی شرط پوری بھی ہو گئی تو اس کا یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ آپ روس سے دوستی کر کے روس میں ہندوستان کی جگہ سنبھال لیں گے ' ہرگز نہیں ' ہندوستان بدستور پاکستان کے مدمقابل کھڑا رہے گا جب تک وہ اسے زیر نہ کر لے۔ ہندوستان اور روس کے تعلقات جغرافیائی ' سیاسی نیز تاریخ کے پس منظر اور پیش منظر میں مستقل مقام اور حیثیت رکھتے ہیں ہندوستان کی وسعت ' اس کی جغرافیائی پوزیشن اور چین سے تقابل کی سکت مزید براں اس کی گنجان ' غریب آبادی جس میں کمیونزم پنپ سکے ایسے عوامل ہیں جو اس ملک کو روس کے لئے ہی بہت اہم نہیں بناتے بلکہ امریکہ کے لئے بھی اس سے تعلقات پیدا کرنا ناگزیر تصور کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہندوستان کو پاکستان پر ایک فوقیت حاصل ہے جس کی پاکستان تب تک تاب نہ لا سکے گا جب تک مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے اتحاد سے اسلامی ملکوں کے فیڈریشن کا اتنا ہی بڑا بلاک نہ معرض وجود میں لایا جا سکے جو دوسری طاقتوں کے حریف کا درجہ حاصل کر سکے تو سپر پاورز سے تعلقات کی نوعیت کسی سوئمبر ممبر کے انتخاب کی سی نہیں کہ جو پسند آیا اس کے گلے میں ہار ڈال دیا اور اپنا لیا ' سپر پاور سے تعلقات یا عام ملکوں میں تعلقات کے شگوفے تاریخی تناظر کے پھلدار درختوں کی شاخوں سے ہی پھوٹتے ہیں ' یونہی

Marfat.com

ہوا میں ہویدا نہیں ہو جاتے' اب یہی دیکھئے کہ اگر ہندوستان پاکستان کے ظہور کا خیر مقدم کرتا اسے دوست بناتا چھوٹا بھائی سمجھتا تو اس تمام علاقے کی سیاست کی فضا ہی کچھ اور ہوتی۔ اگر پاکستان اور ہندوستان ایک دوسرے کے خلاف اسلحہ جمع کرنے کے لئے علی الترتیب امریکہ اور روس کے پیچھے دوڑنے کی بجائے آپس میں حلیف ہوتے تو یہ سپر پاور زبر صغیر سے دوستی اور قربت کی خواہشمند ہوتیں' بحر ہندان کے بیروں کی یلغار سے آزاد ہوتا اور پورا جنوبی ایشیا پُرامن خطۂ ارض ہوتا' اس ایک مثال سے واضح ہوتا ہے کہ اقوام عالم کی تاریخ بین الاقوامی تعلقات کی تصویر کشی اور تشکیل میں کس قدر فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے پچھلے چالیس سال ہم نے کتنے جتن کئے کہ ہمارے ہندوستان سے دوستانہ تعلقات ہو جائیں، لیکن کوئی جتن کام نہ آیا قائد اعظمؒ کا تقسیم کے موقع پر پُرخلوص اعلان کہ دونوں ملک قریبی ہمسایوں کی طرح رہیں گے صدا صحرا ثابت ہوا جو تاریخ قوموں کی مورتیاں تراشتی ہے وہی ان کی ذہنیت بھی صیقل کرتی ہے اور اس کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔

اس بحث کے نتیجے میں چند نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں ایک مسئلہ افغانستان کے حل کے لئے جو حکمت عملی بروئے کار لائی گئی وہ بار آور ثابت ہوئی' اس لئے اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ اور مسئلہ ہندوستان سے بھی اسی طرح عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے کہ موجودہ مصالحت کی حکمت عملی کو جاری رکھا جائے ورنہ ملک کی بقا کے لئے شدید خطرات پیدا ہو سکتے ہیں یعنی کہ اس مسئلہ پر یہی فیصلہ ہے کہ جاریہ پالیسی کو برقرار رکھا جائے جہاں تک کہ سپر پاورز سے تعلقات کا معاملہ ہے ان کے متعلق جو توضیحات پیش کی گئی ہیں' ان سے ظاہر ہے کہ سپر پاورز اور دوسرے ممالک کے درمیان صورتحال خواہشات و تصورات کے مطابق ارتجالاً نہیں بدل جاتی اگر آزادی اور خود مختاری عزیز ہے اور قائم رکھنی مطلوب ہے تو چیڑو دیودار کے درختوں کی طرح ان کی نشوونما بھی لمبے وقت کی متقاضی ہے' اب اگر یہ مسئلے پر تبدیلی خارج از امکان ٹھہری تو پھر ہماری خارجہ پالیسی کے اس کڑے امتحان کے لمحے وزارت خارجہ کے حامل ذمہ داری کو کیوں بدلا گیا جبکہ وہ ماہرانہ خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کر رہا تھا؟ نہ کسی ذمہ دار صاحب اقتدار نے کہا کہ صاحبزادہ یعقوب خان اپنی ذمہ داریاں بدرجہ اتم لیاقت سے نبھا نہیں رہے اور نہ کسی نے لفظاً یا عملاً (تاوقتیکہ ایک سینئر حکومت کا نفس ناطقہ بن گئے ہوں) اشارہ کیا کہ خارجہ پالیسی کا کانٹا بدلنے والا ہے' اس کے برعکس نہ صرف وزیر اعظم نے موجودہ خارجہ پالیسی کی اصابت پر اصرار کیا ہے بلکہ وزیر خارجہ کی خدمات کی پُرجوش تعریف کی ہے مجھے ڈر ہے ہمارے بحرانی گردونواح میں صاحبزادہ صاحب کی تبدیلی کے نقصان دہ اثرات ہی مرتب ہو سکتے ہیں جہاں امریکہ یہ سمجھے گا کہ پاکستان اس سے کٹ رہا ہے وہاں روس اس وہم میں مبتلا ہو گا کہ پاکستان اسے مراعات دینے کو آمادہ ہے اور اپنے موقف کو اور سخت کر دے گا پھر اس وقت موجودہ پارلیمینٹ سے صاحبزادہ کا نعم البدل تو کیا دستیاب ہو گا ان کی آدھی

Marfat.com

قابلیتوں کا شخص بھی نہ ملے گا۔ نئے وزیر خارجہ کی تلاش میں آخر اسی نتیجے پر پہنچنا پڑے گا

ع "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے"

سب سے بڑھ کر اس کا یہ مضر رساں تاثر پھیلے گا کہ صدر مملکت اور سربراہ حکومت میں اختلاف رائے ہے اور مؤخرالذکر نے صدر کے مارشل لاء کے دنوں کے مقرر کردہ وزیر خارجہ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ جہاں تک میرے علم میں ہے صاحبزادہ صاحب کو کوئی ایسی "ذاتی وجوہ" لاحق نہ تھیں کہ وہ بغیر کسی نوٹس دیئے اپنا عہدہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے' جیسا کہ میں نے شروع میں کہا میں 25 اکتوبر کو انہیں ملا تھا اور ان سے تفصیلی گفتگو کی تھی اور انہوں نے مجھے اپنے آئندہ چند ہفتوں کے پروگرام سے بھی مطلع کیا تھا جس میں نیویارک جانے اور مسئلہ افغانستان پر اقوام متحدہ کے اجلاس میں شمولیت کا بھی ذکر تھا' 27 اکتوبر (جب میں ابھی اسلام آباد میں ہی تھا) مجھے وزارت خارجہ کے ایک اعلیٰ افسر نے کہا کہ ہمیں تو خوشی ہے کہ صاحبزادہ صاحب یونیسکو سے منسلک نہیں ہو گئے' جن مشکل حالات سے ملک گزر رہا ہے قومی مفاد کا یہی تقاضا تھا کہ وہ حسب معمول وزارت خارجہ کی رہبری کرتے رہتے کہ ان سے زیادہ تجربہ کار اور لائق وزیر خارجہ ملنا محال ہے اس افسر کے الفاظ میں "یونیسکو کے نقصان سے پاکستان کو فائدہ ہوا ہے"۔ یہ ہمارا کمال ہے کہ ہم نے پاکستان کے فائدے کو اس کے نقصان میں بدل دیا ہے۔

Marfat.com

# منزل ما دور نیست

مسئلہ افغانستان بہت نازک موڑ پر پہنچ چکا ہے۔ یہ بات قطعی واضح ہے کہ روس نے افغانستان پر سے اپنا فوجی قبضہ ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن وہ ابھی اپنی فوجوں کی واپسی کی تاریخ مقرر کرنے کو تیار نہیں۔ ایسا نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں کہ روس کو اپنی فوجوں کو افغانستان سے ہٹانے میں کسی جسمانی یا ٹیکنیکل مشکل یا مزاحمت در پیش ہے' اس کی اصل وجہ جیسا کہ میں پہلے کئی بار عرض کر چکا ہوں' یہ ہے کہ روس کی نظر میں اولیت نظام الاوقات کو نہیں بلکہ اس کابل حکومت کی تشکیل اور ساخت کو ہے جو اس کی فوجوں کے انخلاء کے بعد قائم ہو گی۔ اگر روس واقعی افغانستان کے آزاد' خود مختار اور غیر جانبدار ہونے پر اعتقاد رکھتا' جس کا وہ اظہار و اعلان کر رہا ہے تو حکومت بنانے کا کام افغانستان کے عوام پر چھوڑ دینا چاہئے تھا لیکن روس نے حکومت سازی کو ہی اصل مسئلہ بنا لیا ہے کہ جب تک اسے اس امر کا یقین نہ ہو جائے کہ آئندہ حکومت ایسی ہو گی جس میں کمیونسٹ عناصر (موجودہ پی ڈی پی اے کے نمائندے) موجود ہی نہیں بلکہ مؤثر مرتبے کے حامل نہ ہوں گے' وہ جنیوا مذاکرات کی چوتھی شق یعنی نظام الاوقات کے تعین پر رضامند نہ ہو گا لیکن روس کی خواہشات ایک چیز ہے اور حقائق دوسری چیز۔ اب حقائق یہ ہیں کہ روس جدید ترین اسلحہ سے مزین اور لیس لاکھ سوا لاکھ افواج کی قریب آٹھ سالہ (اواخر ماہ آٹھ سال پورے ہو جائیں گے) انسانیت و جہاں سوز تباہ کاریوں کے باوجود افغانستان کے باشندوں کو زیر نہیں کر سکا۔ کسی سپر پاور کی ایسی مکمل عسکری ناکامی کی مثال صرف ویت نام کی جنگ پیش کر سکتی ہے جہاں سے سالہا سال کی جنگ و جدال کے بعد امریکنوں کو خاسر و نامراد لوٹنا پڑا تھا ورنہ اگر روسی جیت گئے ہوتے تو فوجوں کو واپس

Marfat.com

بلانے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ مشرقی یورپ کے ممالک کو روس کے زیرِ دست آئے پچاس سال ہونے کو آئے ہیں لیکن وہاں سے ان کی افواج کی واپسی کا سوال آج تک پیدا نہیں ہوا اور نہ ہو گا۔ پھر نہ صرف روسی افواج افغانستان میں مستقل طور پر مقیم رہتیں بلکہ وہاں ماسکو کے چیلے چانٹے ہی حکومت کرتے۔ اس کے برعکس صورتحال یہ ہے کہ جہاں روسی کابلی فوجیوں کی دن بدن حالت دگرگوں ہو رہی ہے اور نجیب اللہ حکومت کا دائرہ اثر روز سوخ سکڑ رہا ہے (خود نجیب اللہ کا بھائی افغان مجاہدوں سے آملا ہے) وہاں مجاہدین کے حوصلے بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں کہ ملک کے عوام کی اکثریت بھی ان کے ساتھ ہے اور اس کا بہت بڑا حصہ بھی ان کے زیرِ نگیں ہے اور کُل دنیا کی اخلاقی و مادی حمایت ان کی پشت پر ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ روسیوں اور مجاہدین کی پوزیشن میں بین فرق ہے کہ اگر روسی مراجعت کے وعدے وعید کرنے پر مجبور ہیں تو مجاہدین کابل پر اپنا تسلط جمانے کے لئے قدم تیز کر رہے ہیں۔ روسی دو اطراف سے دباؤ میں ہیں۔ عالمی رائے کے دباؤ میں جو انہیں افغانستان سے نکل جانے پر زور دے رہی ہے۔ افغان مجاہدین کے دباؤ میں جن کی آٹھ سالہ بے مثال قربانیوں اور جذبۂ جہاد نے اظہر من الشمس کر دیا ہے کہ کوئی طاقت ان کی آزادی کو سلب نہیں کر سکتی۔ ابھی ابھی یقیناً روسیوں کے حکم پر 'نجیب اللہ نے روسی فوجوں کی واپسی کے لئے بارہ ماہ بلکہ اس سے کم کے عرصے کی پیشکش کی ہے بشرطیکہ مجاہدین فوری جنگ بندی پر راضی ہو جائیں۔ اس سے جہاں مجاہدین کی عسکری بالادستی کا کھلا اعتراف ہوتا ہے وہاں ہی ایک گہرے فریب کی غمازی ہوتی ہے کہ اس طرح مجاہدین کی کارروائی تو بند ہو جائے لیکن پرنالہ وہیں گرے کہ نجیب اللہ حکومت کو گزند بھی نہ پہنچے اور روسی فوجیں بھی جوں کی توں مقیم رہیں۔

سو روسی زعماء مخمصے میں ہیں کہ کریں تو کریں کیا؟ افغانستان میں "پائے ماندن" کی گنجائش نہیں تو "جائے رفتن" کی جہت سوائے سُوئے ماسکو کوئی نہیں لیکن بالآخر روس سپر پاور ہے۔ وہ امریکنوں کی طرح جو ویٹ نام سے لشتم پشتم جھنڈا لپیٹ ہیلی کاپٹر سے اڑ آئے تھے افغانستان سے ذلیل ہو کر نہیں نکلنا چاہتے۔ وہ سمجھوتے کے ذریعے وہاں سے واپس ہونا چاہتے ہیں اور چونکہ ان کا ملک افغانستان سے متصل ہے (جو امریکنوں کی ویٹ نام میں صورت نہ تھی جہاں وہ گھر سے ہزاروں میل دور تھے) وہ سمجھتے ہیں کہ اپنی اس بہتر پوزیشن کا فائدہ اٹھا کر نہ صرف کچھ عرصہ مزید افغانستان میں ذمہ داری کا بوجھ سنبھالنے کی تاب رکھتے ہیں بلکہ یہ امید رکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی جتن سے (اب نجیب اللہ کی تجویز ایک جتن ہی ہے) آئندہ کے لئے ایسا انتظام بھی کر سکیں گے (اس کوشش کی ذیل میں ہی اگلی حکومت کی تشکیل آتی ہے) کہ ان کے کمیونسٹ پیروکار محفوظ رہ جائیں گے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ماسکو نے کئی ایک اقدام کئے ہیں۔ سب سے اہم اقدام...... اور یہی پیش رفت کی وہ شاہراہ ہے جس پر اس نازک موڑ کا جائے وقوع ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے...... ڈپلومیسی ہے کہ جنگ ہارنے کے بعد ڈپلومیسی کا آلہ کار ہی باقی رہ جاتا

Marfat.com

ہے، تو اس وقت روس کا دارومدار و زور ڈپلومیسی پر ہے۔ اس ڈپلومیسی کی مختلف النوع چالیں ہیں، اب ایک طرف تو روس نجیب اللہ کی حکومت کو جائز ( Legitimate ) ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے، عین اس وقت جبکہ امریکہ اور روس کے سربراہوں کی ملاقات ہونے والی ہے اور مسئلہ افغانستان مذاکرات کے ایجنڈے پر ہے، نقلی کابلی حکومت نے ایک ''لوئی جرگہ'' کا عظیم الشان اہتمام کیا جس میں دور ونزدیک سے نمائندے بلائے گئے تاکہ دو امور کا مظاہرہ ہو ایک یہ کہ نجیب اللہ نجیب الاصل مسلمان ہے اور دوئم یہ کہ اس کی حکومت کو قوم کی تائید حاصل ہے۔ در آنحالیکہ جیسا کہ جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد نے فرمایا کہ لوئی جرگہ صرف دستوری بادشاہ کی دعوت پر ہی منعقد ہو سکتا ہے اور یہ اب تک امان اللہ، نادر شاہ اور داؤد خاں نے بلایا تھا۔ اور دوسری طرف قومی مودت و تالیف قلوب National Reconciliation کی مہم چلا کر اور اس کٹھ پتلی حکومت میں مخالف عناصر کو شامل کر کے (اس سمت میں ماسکو اس حد تک گیا ہے کہ وہ ایک غیر کمیونسٹ کو حکومت کا سربراہ بنانے کو تیار ہے) اسے مقبولیت اور عزت سے سرفراز کرنا چاہتا ہے۔ جہاں روس ہر طریقے سے نجیب اللہ حکومت کی ساکھ کو مضبوط کرنے کی جستجو میں ہے وہاں وہ امریکہ سے محبت کی پینگیں بڑھانے میں کوشاں ہے اور اسی لئے درمیانی درجے کی مار کرنے والے میزائلوں کے بارے میں واشنگٹن سے سمجھوتے کا ڈرافٹ تیار کرا چکا ہے جس پر دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے تو ظاہر ہے کہ سربراہی ملاقات میں یہ سمجھوتہ صرف دستخطوں کے لئے پیش ہو گا تاکہ بحث کے لئے، تو چار دن کی کانفرنس میں (سات سے دس دسمبر تک) کچھ اور امور پر تبادلہ خیال ہو گا اور ان امور میں افغانستان سرفہرست ہو گا۔ اب جو نکتہ ذہن میں رکھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ افغانستان ہو گا تو سرفہرست لیکن اس پر غور و فکر اور فیصلہ ہو گا عالمی حالات پر اختلافات و اتفاقات کے پس منظر میں۔ جب عالمی طاقتیں اپنے اپنے مفادات کی روشنی میں ایک دوسرے سے دیگر چھوٹی طاقتوں کی قیمت پر سودے بازی کرتی ہیں جیسے کہ جنگ عظیم کے اختتام کے معاً بعد یالٹا کانفرنس میں حلقہ ہائے اثر ورسوخ کی تقسیم ہوئی اور مشرقی یورپ روس کے حصے میں آیا۔ ریگن گورباچوف کانفرنس بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کہ ان کی پچھلی کانفرنس کے متضاد اس میں کسی نزاعی تجویز پر گفتگو و بحث ہونے والی نہیں ہے بلکہ ایک طے شدہ معاہدے پر دستخط ہوں گے اور اس رسمی عمل سے فارغ ہو کر دو سپر پاورز کے سربراہوں کا مقصد اولین عالمی سطح پر ایک دوسرے کی پوزیشن کا جائزہ لینا ہو گا کہ وہ یالٹا کے خطوط پر دنیا کو کس مطمح نظر سے دیکھتے ہیں اور کس کو کہاں طرح دے سکتے ہیں اور کہاں مراعات مانگ سکتے ہیں اور آپس میں کس درجہ اور کیونکر ہم گامی پیدا کر سکتے ہیں۔ عام فہم سیاسی زبان میں یہ ٹھیٹھ اور دو کا معاملہ بنتا ہے جو جذبات سے قطعی پاک ہوتا ہے۔ عالمی سیاست میں یہ معاملات ہوتے رہتے ہیں (برطانیہ اور فرانس نے کس طرح 38ء میں جرمنی کے سامنے چیکوسلواکیہ کی توڑ پھوڑ پر ہتھیار ڈال دیئے تھے اور 39ء میں

Marfat.com

جرمنی اور روس کس طرح پولینڈ کے بٹوارے پر راضی ہو گئے تھے ) اور سدا ہوتے رہیں گے۔

اس لین دین کے پس منظر اور ماحول میں مسئلہ افغانستان کو دیکھئے ' جہاں کچھ عرصے سے روس یہ بات کہے بغیر نہیں رہتا کہ وہ کم سے کم وقت میں اپنی فوجوں کو واپس بلانے پر آمادہ ہے وہاں اس کے ڈپٹی وزیر خارجہ ولڈ میسر پیٹروسکی نے سربراہی کانفرنس کے انعقاد سے چند ہی دن پہلے (یقیناً اسی کی ساعت کے لئے ) یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ اصل سوال روسی فوجوں کے انخلاء کا نہیں بلکہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں خارجی مداخلت کی بندش کا ہے۔ اب بتائیے کہ حالیہ افغان مجاہدین کی جدوجہد کے علاوہ افغانستان پر روسی فوجی قبضے سے پہلے اس ملک کے اندرونی معاملات میں کبھی کسی نے مداخلت کی ؟ داؤد خان نے ظاہر شاہ کو تخت سے اتار دیا ' کسی نے کچھ نہ کہا۔ پاکستان نے کابل کی نئی حکومت سے تعلقات جاری رکھے ' کمیونسٹ انقلاب آیا تو پاکستان نے انگلی نہ اٹھائی اور انقلابی حکومت سے تعلق برقرار رکھا ' دو تین انقلابی حکمران بدلے لیکن پاکستان نے افغانستان کے اندرونی معاملات میں کوئی دخل نہ دیا ' پاکستان نے کابل سے ترک تعلق کیا تو تب جب ببرک کارمل پراگ سے ( جہاں وہ اپنے ملک کا سفیر تھا ) روسی لیڈروں کے بلاوے اور ان کے ٹینکوں پر سوار ہو کر کابل پر حملہ آور ہوا اور اپنے پیشرو حفیظ اللہ امین کو تہ تیغ کر کے روسی فوجوں کے جلو میں سریر آرائے حکومت ہوا پاکستان کا مؤقف تھا کہ کارمل کی حکومت بدیشی ہے وہ آزاد افغانستان کی آزاد حکومت نہیں ہے اور وہ اس سے تعلقات کارروادار نہ ہو سکتا تھا تب سے ہی افغانستان کی جنگ آزادی شروع ہوئی اور پاکستان کو فخر ہے کہ اس نے مجاہدین و مہاجرین کی حتی الوسع خدمت کی لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ روسیوں نے کابل پر قبضہ جماتے ہوئے یہ تو کہا کہ انہیں جنوب سے اپنے "نرم پیٹ" کو محفوظ کرنا مقصود ہے لیکن کوئی حرف شکایت منہ پر نہ لائے کہ پاکستان یا کوئی اور ملک ( اور ملک تو ہندوستان ہی ہو سکتا تھا جو روس کا قریبی دوست ہے ) افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ روس اور اس کے "نرم پیٹ" کو ہرگز کسی جسمانی چبھن کا خطرہ لاحق نہ تھا۔ جہاں ہندوستان روس کا حلیف ہے وہاں پاکستان نے برٹش امپائر کی جگہ نہیں لی کہ روس کے لئے کسی خطرے کا باعث بنے۔ دراصل روس کو خطرہ لاحق تھا تو نظریاتی کہ ایک نظریاتی ملک ( مارکسسٹ کمیونسٹ روس ) دوسرے نظریاتی ملک کے اثر و نفوذ کے متعلق حد درجہ حساس ہوتا ہے

ع عشق اک سیلاب ہے سیلاب کو لیتا ہے تھام

اوّل پاکستان کی تخلیق کمیونسٹ روس کے لئے نظریاتی چیلنج کا سبب بنی کہ اس کے پیغام کی لہریں ضرور وسط ایشیائی مسلم مملکتوں کے باسیوں کو پہنچی ہوں گی کہ سمرقند و بخارا کے تہذیبی ' مذہبی و جذباتی اثرات نے ہی مسلمانان برصغیر کے معاشرے کی بنا ڈالی تھی اور وہ ان کے مستقبل سے کبھی لاتعلق نہ رہ سکتے تھے۔ روس کے کابل میں بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ نے افغانستان اور پاکستان کے تعلقات کو ضرور مکدر رکھا لیکن

Marfat.com

اسلامی حمیت کے جذبات کو مثالیانہ جا سکتا تھا اور اس لئے باوجود تحتیلی ناہمواریوں کے پاکستان نے انقلابی حکومتوں سے بھی تعلقات قائم رکھے لیکن پھر ایران میں بھی اسلامی انقلاب بپا ہو گیا اور روس کا اپنے "نرم پیٹ" کے بارے میں احساس غیر سلامتی اتنا شدید ہو گیا کہ وہ وسط ایشیا اور پاکستان و ایران کی درمیانی مسلم مملکت کی آزادی بھی نہ برداشت کر سکا حالانکہ وہ مملکت روس انقلاب کا دم بھرتی تھی اور سوشلزم کی مالا جپتی تھی، اب آخر ماسکو وسط ایشیا کی مسلم مملکتوں کو "نرم پیٹ" کا کیوں لقب دیتا ہے۔ ان کی سرزمین اتنی ہی سخت ہے جتنی سوویت سلطنت کے کسی اور علاقے کی، زمین۔ مسلم مملکتوں کی نرماہٹ دراصل نام ہے اس ذہنی کیفیت کا جس پر مارکسٹ سامراجیت کی رسوم وقیود تو مستولی ہیں لیکن جس کے اندر تاریخ پارینہ کی اسلامی عصبیت حلول کئے ہوئے ہے جو کسی ساز گار لمحے پھٹ پڑ سکتی ہے اور اس لئے سلامتی کے نقطہ نگاہ سے ناقابل اعتماد ہے۔ اس "نرم پیٹ" کو محفوظ کرنے کے لئے افغانستان پر قبضہ لازم ہو گیا لیکن نتیجہ اُلٹا نکلا۔ اگرچہ پاکستان ہندوؤں اور انگریزوں سے مقابلے میں مسلم قومیت کی بنیاد پر عام ظہور میں آیا اور ایران میں اسلامی انقلاب شاہ کی حکومت کا تختہ الٹنے سے بروئے کار آیا تو افغانستان میں افغان مجاہدین نے ایک قدم آگے لیا اور اسلام کے نام پر کمیونسٹ الحاد کے خلاف ایسا تابناک جہاد کیا کہ پی ڈی پی اے کا کمیونسٹ سربراہ بھی مسجدوں میں نماز پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان حالات میں روسی فوجیوں کی واپسی ہو تو صورتحال کیا ہو گی؟ صورتحال یہ ہو گی کہ افغانستان پر قبضہ کر کے روسیوں نے جو دیوار پاکستان اور وسط ایشیا کی مسلم مملکتوں میں اٹھانے کی کوشش کی تھی وہ دیوار ڈھے جائے گی اور نہ صرف پاکستان افغانستان سے ملحق ہو جائے گا بلکہ اس کے نظام اسلام اور ایران کے اسلامی انقلاب کے اثرات کے سرایت کے لئے روس کا "نرم پیٹ" کھل جائے گا صاف اور سیدھی زبان میں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ گو مسٹر ریگن اس صورت حال سے بخوبی واقف ہیں، مسٹر گورباچوف اس صورت حال کی تمام و کمال نقشہ کشی کرنے پر، اس نقطہ نگاہ سے، مصر ہوں گے کہ روس کی اس زک سے امریکی مفادات یہاں تک متاثر ہوں گے۔ کیا امریکہ اسلامی بنیاد پرستوں ("بنیاد پرست مسلم" کی اصطلاح سے امریکہ الرجک ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے دانشوروں نے ہی اس بے معنی اصطلاح کو گھڑا ہے جس کا ہر اس مسلم کمیونٹی پر اطلاق ہو سکتا ہے جو اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتی ہو) کے اس خطرناک اکٹھ (پاکستان، افغانستان، ایران نیز وسط ایشیا کی مسلم مملکتیں) کی تاب لا سکے گا؟ یاد رکھئے کہ سربراہی کانفرنس میں ایک دوسرے کو غلط صحیح، جھوٹا سچا، نہیں ثابت کیا جا رہا ہے، معاملے اور سودے کی بات ہو رہی ہے، مفادات کی نشاندہی ہو رہی ہے، اس لئے گورباچوف کو افغانستان میں روس کی کمزور پوزیشن کا اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں، وہ تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کمزور تر کر کے آپ کو

Marfat.com

کیافائدہ حاصل ہو گا؟ اگر آپ نے (یعنی مسٹر ریگن نے) روس کو ذلیل کروا کے افغانستان سے نکلوا دیا اور اس کا وہاں کوئی اثرورسوخ نہ رہنے دیا' تو ایک زبردست مسلم بلاک کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائے جس میں اتنی طاقت ہو گی کہ وہ عربوں کی پشت پناہی کر کے آپ کے چہیتے اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بجوا دے گا' اس دلیل و منطق کا مسٹر ریگن اور امریکہ کے زعماء پر ضرور اثر ہو گا کہ مغرب کے سر پر پان اسلام ازم کا بھوت سوار ہے' چونکہ سیاست میں ہر چیز ممکن ہے اور اس میں کوئی لفظ آخر نہیں ہوتا' تو ہزار اعلانات کے باوجود مسٹر ریگن مسٹر گورباچوف کے مدد کے لئے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں اور اثبات میں جواب دے سکتے ہیں۔ خصوصاً جب انہیں اس بات کی بھی قوی توقع ہو کہ افغانستان میں روس کی مدد کے عوض امریکہ کو روس سے کسی اور جگہ یا معاملے میں قیمتی بدلے کی امید ہو سکتی ہے' اور پھر روس امریکہ سے چاہتا کیا ہے؟ یہی نا کہ امریکہ بہرجہت اپنے اثرورسوخ کو کام میں لا کر کابل میں ایسی حکومت بنوانے میں روس کا ہاتھ بٹائے جو اس کے پیروکاروں کو محفوظ اور مضبوط رکھے اور وہاں اسلامی بنیاد پرستوں کو بالادستی حاصل نہ ہو۔ اب بے شک امریکہ افغانستان سے روسی افواج کا انخلاء چاہتا ہے لیکن وہ بھی وہاں اسلامی بنیاد پرستوں کی سربراہی کے خلاف ہے تو اس حد تک روس کے ساتھ جانے میں کیا حرج ہے' سو سودا ہو سکتا ہے۔ یوں روس جنگ کا میدان چھوڑ کر ڈپلومیسی کے میدان میں قدم مار رہا ہے اور یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ جب اس ڈپلومیسی کی کاٹ کے لئے ہمیں بہت بڑی ڈپلومیٹک کاوش کی ضرورت تھی' ہم نے تنگ نگہی سے اپنے سب سے بڑے ڈپلومیٹ کو ............ نہ جانے کس کس رکیک جذبے کی قربان گاہ پر چڑھا دیا ہے' اس وقت ہمیں واشنگٹن میں بڑی پہنچ کی ضرورت تھی اور صاحبزادہ یعقوب خان واحد شخص تھا جو صدر ریگن سے لے کر سیکرٹری شلز تک' سابق صدر نکسن (جن کا موجودہ ری پبلکن حکومت پر بہت اثر ہے) سے لے کر سابق سیکرٹری کسنجر (جو اب بھی مشورہ دہی میں فعال کردار ادا کرتے ہیں) تک' بطریق احسن اور بدرجہ اتم قابلیت سے ملک کا پیام پہنچانے کا اہل تھا' یقین مانئے کہ صاحبزادہ کے جانے سے ان امریکی رہبران کو شاق ہوا ہے تو پاکستان کو سخت دھچکا پہنچا ہے' مجھے ریگن گورباچوف مذاکرات کے نتائج پاکستان کے افغان موقف کے حق میں چنداں روشن نظر نہیں آتے۔

اس ڈپلومیسی کی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ' جیسا میں نے پہلے ذکر کیا' ماسکو موجودہ کٹھ پتلی کابل حکومت کو مضبوط و مقبول بنانے کی سعی شاقہ میں مصروف ہے! اس کی ایک صورت یہ نکالی گئی ہے کہ باہر سے چیدہ چیدہ لوگوں کو بلایا جائے' خاص طور پر پاکستان کے سیاستدانوں اور دانشوروں کو' گو یہاں سے زیادہ تر ایسے اصحاب کو بلایا گیا جو حزب اختلاف سے تعلق رکھتے تھے۔

تحریک استقلال کے لیڈر ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان کابل ہو آئے ہیں اور نجیب اللہ حکومت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں' بائیں بازو کی پارٹی' اے این پی کے متعدد لیڈران (ولی خان تو آتے

Marfat.com

جاتے ہی رہتے ہیں) کابل یاترا کر آئے ہیں اور کابلی حکومت کی واہ واہ کر رہے ہیں' بزنجو تو روس کی پالیسیوں کو سراہتے ہی رہتے ہیں لیکن ایک علوم دینی میں ماہر سیاست کار نے تو کمال ہی کر دیا' انہوں نے روس کی افغان حکمت عملی کی پرزور تائید ہی نہیں بلکہ پاکستانی حکومت کو یہ تنبیہہ بھی کی کہ اگر اس نے فوری طور پر موجودہ خارجہ پالیسی کو بدل نہ دیا اور واشنگٹن کو تیاگ کر ماسکو نہ اپنالیا تو ملک کے حق میں اچھا نہ ہو گا بلکہ تاجکستان ریڈیو کو انٹرویو دیتے ہوئے کہ "روس میں اسلام کا مستقبل محفوظ ہے" "ایمان کی سطح پر تو ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بالآخر تمام دنیا مسلمان ہو کر رہے گی' ان الدین عندالله الا سلام لیکن جب تک روس پر مارکسٹ کمیونزم کا تسلط ہے' اس رائے کا اظہار بہت بڑی جسارت ہے ...... اپنی بات کی تائید میں ان صاحب نے روسی دستور کی ایک شق کا حوالہ دیا ہے جس کی رو سے ہر شہری کو مذہب اپنانے یا اسے ترک کرنے کی آزادی ہے' اس روسی دستوری شق کی وہی اصلیت ہے جو روسی دستور کی ایک اور اہم شق کی اصلیت ہے جس کی رو سے سوویت یونین کی ہر ممکن کو حق خود اختیاری حاصل ہے۔ یعنی ہر مملکت چاہے تو یونین سے علیحدگی اور آزادی اختیار کر سکتی ہے' لیکن عجوبہ یہ ہے کہ انقلاب روس کے پچھلے ستر سال میں کسی روسی مملکت کو جرأت یا توفیق نہیں ہوئی کہ وہ سوویت یونین کی آہنی گرفت سے نکل سکے! اس کی وجہ؟ کیا وجہ یہ ہے کہ یہ مملکتیں یونین میں مکمل طور پر مطمئن ہیں اور اپنی خوشی و رضامندی سے ماسکو سے وابستہ ہیں؟ اگر یہ صورت ہے تو سوویت یونین کی مملکتوں کو لوہے کے پردے میں ملفوف کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہاں کے حالات صیغۂ راز میں ہی رہتے ہیں' پھر جب کبھی کسی کھلاڑی' موسیقار' مصنف یا سائنس دان کو روس سے باہر جانے کا موقع ملتا ہے تو وہ اپنے ملک کے پنجے سے رہائی ڈھونڈتا اور دوسرے دیس میں جلاوطنی کو ترجیح دیتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ مملکتوں کو حق خود اختیاری کی دستوری شق کے باوجود' راہ مفر میسر ہی نہیں' باور کیجئے کہ وجہ یہی ہے کہ انہیں راہ مفر میسر نہیں' بات یہ ہے کہ سوویت یونین میں صرف ایک پارٹی کی طاقتی اجارہ داری ہے' وہ کمیونسٹ پارٹی ہے جو ماسکو میں ہی حکمران نہیں بلکہ ہر مملکت میں حکمران ہے' اس کی سینٹرل کمیٹی کا (جس میں اکثریت روسیوں کی ہے) اپنی ہزاروں شاخوں کے توسط سے یونین کے قریئے قریئے اور کونے کونے میں سکہ چلتا ہے' چونکہ وہی پارٹی یعنی کمیونسٹ پارٹی جو مرکز میں حکومت کرتی ہے' ہر مملکت میں بھی حکومت کرتی ہے اور چونکہ پارٹی انتہائی واحدانی خطوط پر منضبط اور متشکل ہوئی ہے اور اس کی مرکزی قیادت ہی تمام پالیسیاں بناتی ہے اور تمام احکامات جاری کرتی ہے' مملکت اپنے طور پر کوئی آزادانہ اقدام نہیں لے سکتی وہ حق خود اختیاری تو کیا علاقائی طور پر کوئی داخلی پالیسی تک نہیں بنا سکتی کہ حکمرانی کا ٹھیکہ پارٹی کی سینٹرل کمان کے پاس ہے جو روسیوں کی تحویل میں ہے' تو اس کا دستوری حق خود اختیاری محض کاغذی ہے' اسی طرح کاغذی جیسی مذہبی آزادی! چونکہ حقیقت یہ ہے روس ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس کا مثبت مذہب اور

Marfat.com

رویہ مارکسٹ الحاد پر مبنی ہے جس کی حکومت سختی سے تبلیغ، تشہیر اور تدریس کرتی ہے، اگر اسلام پر عقیدہ رکھنے اور اس کے ارکان پر عمل کرنے کے لئے روس میں مسلمان اتنے ہی آزاد ہیں تو انہیں اسلامی نام رکھنے کی آزادی کیوں نہیں اور وہ کیوں قانونی طور پر مجبور ہیں کہ اپنے اسلامی نام میں "اوف" کی ایزاد کریں؟ پرانی ریاست جموں کشمیر میں جب وہاں ہندو ڈوگروں کا راج تھا تو اذان بند تھی کہ اس سے وہ لوگ (بانگ سے) "بانگے" جاتے تھے، پھر بھی، اس تنگ نظری اور سختی کے باوجود، مسلمانوں کو پکارا جاتا ان کے اصلی نام سے ہی تھا، لیکن روس میں (جہاں بقول مولانا اسلام کا مستقبل محفوظ ہے) مسلمانوں کو اپنے اسلامی نام سے پہچانا جانا بھی ممنوع اور ارتکاب جرم ہے، کسی مذہبی اقلیت کو بے نام کرنے کا اس کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے کہ اسے بے نشان کر دیا جائے اور اس کے تشخص کو مٹا دیا جائے! کیا کوئی معاشرہ اس سے بدتر مسلم دشمنی اور غیر رواداری کا اہل ہو سکتا ہے؟ حق تو یہ ہے کہ اسلام اور کمیونزم میں کوئی جوڑ نہیں، بہر حال یہ بھی روسی ڈپلومیسی کا ایک اہم پہلو ہے کہ با ایں وصف روس کو مسلمانوں میں اسلام دوست مشہور کروایا جائے۔

ڈپلومیسی اور پراپیگنڈا تو عالمی میدان میں اپنی کٹھ پتلی کابل حکومت کی تقویم و استحکام کیلئے تھا لیکن پاکستانیوں کو افغانستان میں روسی تحکم کا لوہا بزور منوانے کے لئے کچھ اور طریقے اختیار کرنے تھے اور وہ تھے سرحدوں پر بمباری، بم بلاسٹ، تخریب کاری اور دہشت انگیزی کہ اس ملک کے عوام ہراساں اور خوفزدہ ہو کر ایک طرف افغان مہاجرین اور مجاہدین سے نفرت کے جذبات کا اظہار کریں کہ وہ ہم پر کیا مصیبت لائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف انہی جذبات سے سرشار ہو کر اپنی حکومت پر زور ڈالیں کہ وہ اپنی روس کے خلاف مزاحمت کی حکمت عملی بدلے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہ قوم ان ہتھکنڈوں سے مرعوب ہوئی اور نہ حکومت نے اپنا مؤقف بدلا کہ بات واضح تھی، افغان مجاہدین صرف آزادی افغانستان کی لڑائی نہیں لڑ رہے تھے، وہ پاکستان کے دفاع کی جنگ بھی لڑ رہے تھے لیکن یہاں ایسے سربر آوردہ لیڈروں کی آوازوں کی کمی نہ تھی جو حکومت کو یہ مشورہ دیتے رہے (اور ستم بالائے ستم کہ اس وقت بھی جبکہ روس کم از کم حربی طور پر گھٹنے ٹیک چکا ہے اور کسی امن پسندانہ مفاہمت کے لئے بے تاب ہے) اور دے رہے ہیں کہ کابل حکومت سے براہ راست مذاکرات کئے جائیں، بالفاظ دیگر افغان مجاہدین اور پاکستان کی بے پناہ جدوجہد اور قربانیوں کو رائیگاں کر دیا جائے اور خاک میں ملا دیا جائے تاکہ ان کی انا کی تسکین ہو اور کابل و ماسکو میں ان کا قول و مقام بالا ہو، حالانکہ بالادستی حاصل ہونی چاہئے تو ان لوگوں کو جنہوں نے مسلسل آٹھ سال محض اسلام پر ایمان کے بل بوتے پر ایک سپر پاور کے خلاف جہاد کیا اور ان لاکھوں لوگوں کی جنہوں نے

Marfat.com

مسلسل آٹھ سال گھر سے بے گھر ہونے کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن ولی خان ان مجاہدین اور مہاجرین کو افغانستان کی آزادی کا متوالا کہنے کی بجائے انہیں امریکہ کے مفاد وخیمہ بردار کے نام سے گالی دیتے ہیں' دراصل ولی خان اس لئے سیخ پا ہیں کہ افغان مجاہدین کو اسلام پرستی نے پاکستانیوں اور افغانیوں کو یک جان و دو قالب کر دیا۔ ان میں حدود و ثغور کی تمیز و تفریق مٹ گئی اور نسلی پختونستان کا واہمہ مسلم قومیت کی فضائے بسیط میں ریزہ ریزہ ہو گیا۔ میں نے پچھلے مضمون میں بڑے ملکوں سے چھوٹے ملکوں کے خطرات کا تجزیہ کیا تھا اور کہا تھا کہ چونکہ مسلم ممالک چھوٹے ہیں وہ خطرات سے گھرے ہوئے ہیں اور انہیں جلد از جلد مل ملا کر اپنی الگ الگ چھوٹائی کو یکجائی کی بڑائی میں تبدیل کر لینا چاہئے تاکہ وہ بڑی طاقتوں کے مدمقابل کھڑے ہو سکیں۔ ایسا نظر آتا ہے کہ اس نصب العین کی طرف پاک افغان دوستی و یگانگت پہلا اہم قدم ہو گا کہ پھر یہ علاقہ راوی سے لے کر ہندوکش تک پھیل جائے اور جہاں اس علاقے کا طول و عرض' گہرائی اور گیرائی کسی حد تک مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی تلافی کر سکے' وہاں دشمنان اسلام کے لئے ناقابل عبور دیوار چین ثابت ہو' اگر اس ایک ممکنہ پیش رفت کے تناظر میں افغانستان کی جاریہ جنگ آزادی کو دیکھا جائے تو افغان مجاہدین کے کردار اور پاکستان کی پالیسی (جس کا تمام تر کریڈٹ صدر ضیاء الحق کو جاتا ہے اور جس کریڈٹ کا صحیح اندازہ' وزن اور ذکر آئندہ تاریخ کے صفحات میں ہی ہو سکے گا کہ فی الوقت ہم واقعات کی گھمسان رن کی الجھنوں میں کھوئے ہوئے ہیں) کی اہمیت کا کچھ درک و انکشاف ہو سکتا ہے' اب مسئلہ افغانستان کا حل ناگزیر ہے کہ جو جنگ روس نے افغانستان پر مسلط کی تھی۔ وہ انجام کو اس طرح پہنچ چکی ہے کہ روسی اپنے مقصد کو نہ پا سکے (اس سے بڑھ کر افغان مجاہدین کے غلبے کا کیا ثبوت ہو گا کہ نجیب اللہ نے جو "لوئی جرگہ" اپنے صدر کے طور پر تاجپوشی کے لئے بلایا تھا اس میں ان کی تقریر کا ترکی بہ ترکی جواب مجاہدین کی چار راکٹوں کی چیخ نے نفی میں دیا) اس حل میں قدرے تاخیر تو ہو سکتی ہے کہ روس افغانستان سے رسوا ہو کر نہیں نکلنا چاہتا (نجیب اللہ کی بارہ ماہ یا کم کی پیشکش بشرطیکہ مجاہدین کو جنگ بندی قبول ہو' روسی ٹال مٹول کے حربے کے سوا کچھ نہیں جس کا مقصد عالمی رائے کو متاثر کرنا ہے) لیکن اس حل کو غیر معینہ طور پر ٹالا نہیں جا سکتا اور حل وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو افغانستان کے باشندوں کے حق خود ارادیت پر مبنی ہو' جس چیز کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ بہترین حل وہی ہو گا جو افغانستان میں فتح و شکست کے اعتراف و اعلان کے بغیر بروئے کار آئے کہ نہ صرف روس ایک سپر پاور ہے جو اپنی تذلیل برداشت نہیں کر سکتا بلکہ جغرافیہ کی ناقابل انکار حقیقت نے اسے ہمارا افغانستان اور پاکستان کا ہمسایہ بنایا ہے جس کے ساتھ ان دو مسلم ملکوں کو خیر سگالی کے جذبات کے ساتھ رہنا ہے۔ سو مفاہمت کی ایسی صورت ہونی چاہئے جس میں افغانستان کا اسلامی کردار اور مجاہدین و مہاجرین کی بالادستی تسلیم ہو تو ساتھ ہی دوسرے افغان عناصر سے شراکت و تعاون گوارا ہو' وسعت ظرف کے بغیر کام

Marfat.com

نہیں چلے گا۔ یاد رکھئے کہ جب جنگ کے بعد ویٹ نام پر پیرس میں امن کانفرنس ہوئی تھی تو فاتح اور شکست خوردہ دونوں پارٹیاں مذاکرات کی میز پر موجود تھیں لیکن مفاہمت کے بعد عملاً ملک میں ہوچی من کا جھنڈا ہی بلند ہوا اور مخالفین کافور ہو گئے۔ اسی طرح مجھے پختہ یقین ہے کہ سمجھوتہ کسی شرائط پر ہو بالآخر بول بالا افغان مجاہدین و مہاجرین کا ہو گا کہ انہوں نے ہی ملک کی آزادی کو بچایا ہے۔

Marfat.com

# سربراہی کانفرنس اور افغانستان

واشنگٹن میں ریگن گورباچوف کے حالیہ سربراہی مذاکرات کو نتائج کے اعتبار سے "تاریخی" قرار دیا گیا ہے۔ امریکی روسی سربراہوں کے سامنے ویسے تو بہت سے عالمی مسائل اور معاملات تھے جن میں ریجنل (علاقائی) تنازعات (افغانستان، ایران عراق جنگ، کمپوچیا، نکاراگوا) خاص طور پر مذکور تھے لیکن دراصل اس کامیابی کا حدود اربعہ امریکہ اور روس کے نیوکلیئر آئی اسلحہ جات کی حدبندی تک محدود رہا۔ سب سے پہلے تو درمیانے درجے کی مار کرنے والے میزائلوں (INF) کے معاہدے (جس کا ڈرافٹ پہلے ہی دو طاقتوں میں منظور ہو چکا تھا) پر باقاعدہ دستخطوں کی رسم ادا ہوئی لیکن اس ذیل میں مذاکرات کی اصل کامیابی اس امر میں مضمر ہے اور اسے Break throug یعنی غیر معمولی پیش رفت سے تشبیہ دی جا رہی ہے کہ لمبی مار کرنے والے میزائلوں (Longrange Arms) کے بارے میں بھی مفاہمت کی طرف اقدام کئے گئے ہیں۔ یہ پیش رفت اس لئے اہم ہے کہ اب تک اس کی راہ میں روسیوں کا یہ شدید اعتراض حائل تھا کہ اگر صدر ریگن خلاء میں ایس ڈی آئی یعنی سٹاروار Starwar میزائل کی تیاری پر مصر ہے اور 1972ء کے اے ایم بی (ABM) معاہدے کی طے شدہ حدود کو ملحوظ نہ رکھا تو وہ لمبی مار والے میزائلوں کی حدبندی پر بات چیت کرنے کو راضی نہ ہوں گے لیکن معجزہ یہ ہوا کہ روسی سربراہ نے اچانک اپنا اعتراض ترک کر دیا اور واشنگٹن اور ماسکو اس سمجھوتے پر پہنچے کہ دونوں ملک اپنے اپنے تجربات جاری رکھتے ہوئے بھی لمبی مار کرنے والے میزائلوں کی حدبندی پر مذاکرات کریں گے اور شاید اگلے سال جون تک جب صدر ریگن مسٹر گورباچوف سے ملنے ماسکو جائیں اس مسئلے پر

Marfat.com

بھی پچاس فیصدی کٹوتی کا معاہدہ طے پا جائے جیسا کہ درمیانی میزائلوں پر طے پا چکا ہے۔ اسی طرح چند دوسرے مسئلوں مثلاً کیمیکل ہتھیاروں کی بندش پر بھی مفاہمت ہوئی ہے بلکہ فضا اتنی صاف اور خوشگوار ہوئی ہے کہ واشنگٹن اور ماسکو کے درمیان ہوائی جہازوں کی آمدورفت کی توسیع کا بھی راستہ کھل گیا۔ ایک امر واضح و واثق ہے کہ ابھی سربراہی کانفرنس کے اصلی مباحث' موضوعات اور فیصلوں کی تفصیل صیغۂ راز میں ہی ہے۔ اعلامئے میں چند نکات کے تنکے ہی نظر آئے ہیں جن سے ہوا کے رُخ کا پتہ لگتا ہے جو دو سپر پاورز کے تعلقات کی نشوونما کے لئے بہت سازگار اور جانفزا ثابت ہو رہی ہے۔

سربراہی کانفرنس کے اعلان کردہ نتائج سے مترشح ہوتا ہے کہ نہ اس کی روح عالمی تھی اور نہ وہ خالصتاً عالمی مسائل پر محیط تھی بلکہ اس کا میدان دو سپر پاورز کے درمیان تعلقات و معاملات کو سلجھانے اور سنوارنے تک محدود تھا اور اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ امریکہ اور روس کے درمیان دور و نزدیک نیوکلیئر آئی مسابقت کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض ہوا لیکن علاقائی تنازعات کو حل کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ گفتگو اور کوشش نہیں ہوئی۔ دراصل کسی قسم کے مسائل کو حل کرنے سے کہیں زیادہ اوّلیت اور فوقیت اس امر کو حاصل تھی کہ کس طرح امریکی روسی تعلقات کی نہج میں درستگی بروئے کار لائی جائے اور اس مقصود میں

ع۔ دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

اور اس مقصود کے حصول کے لئے دونوں طرف سے مراعات بخشی اور کشادہ ظرفی کا واشگاف مظاہرہ ہوا۔ صدر ریگن نے سٹار وار کے لئے خلائی ہتھیار بنانے پر اصرار میں نرمی اختیار کی تو مسٹر گورباچوف نے اس جہت میں امریکی "ریسرچ اور ڈویلپمنٹ" چھوڑنے کی ضد چھوڑ دی' گویا کہ دونوں میزائلوں کے ایک اور معاہدے کے لئے بھی تیار ہو گئے۔ ساتھ ہی 1972ء کے اے بی ایم معاہدے کی پابندی پر بھی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ میں کانفرنس کے تعلقاتی پہلو پر اس لئے زور دے رہا ہوں کہ نہ آج درمیانے میزائلوں کے معاہدے سے اور نہ کل مجوزہ دور مار کرنے والے میزائلوں کے معاہدے سے دنیا نیوکلیئر جنگ کے جہنم سے بچ سکتی ہے کہ درمیانے میزائلوں کے معاہدے کی رو سے انہیں ضائع کرنے میں دونوں طاقتوں کے نیوکلیئر آئی اسلحہ خانوں میں بمشکل تمام تین فیصدی کی کمی واقع ہو گی اور اگر دور مار کرنے والے میزائلوں کا معاہدہ طے پا جائے تو چند فیصدی کی اور کمی ہو جائے گی' لیکن 90 فیصدی نیوکلیئر آئی آگ دہکتی رہے گی اور انسانیت بدستور تباہی کے دہانے پر کھڑی رہے گی' البتہ اس معاہدے سے امریکہ اور روس کے حق میں ضرور چند فائدے برآمد ہوں گے۔ اوّل تو یہ کہ دونوں میں تعلقات استوار ہوں گے۔ امریکی نقطۂ نگاہ سے مغربی یورپ کے سر پر سے روسی نیوکلیئر آئی جنگ کا بھوت کافور ہو گا (کیونکہ زیادہ تر روسی میزائل مغرب کے رخ ہی نصب ہیں) اور مغرب و مشرق میں فضا بدلنے سے روس کی اشیائے صرف سے وسیع محروم آبادی مغربی یورپی اور امریکی منڈیوں کی طرف جھکے گی اور کاروبار بڑھے گا (ایک روسی اقتصادی وفد یورپی منڈی کا پہلے

Marfat.com

ہی دورہ کر آیا ہے اور اسے تسلیم کرنے کی سفارش کر رہا ہے ) روسی نقطۂ نظر سے اخراجات کا بوجھ کم ہو گا اور مسٹر گورباچوف ہیجان سے معرّا ماحول میں اپنی دور رس اقتصادی اصلاحات نافذ کر سکیں گے نیز مغربی یورپ سے تجارتی تعلقات بڑھا کر اس کے ملکوں میں روس کے لئے اثر و رسوخ پیدا کر سکیں گے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جہاں موجودہ معاہدے کو امریکی روسی تعلقات کی بہتری میں "تاریخی" قرار دیا جا رہا ہے اور آئندہ کے معاہدہ سے ان ملکوں میں محبت کی اور پینگیں بڑھنے کی امیدیں وابستہ کی جا رہی ہیں وہاں دونوں کو بخوبی علم ہے کہ نیوکلیئر آئی جنگ ناممکنات میں سے ہے کہ دونوں نے علی الاعلان کہا ہے کہ اس جنگ سے کوئی فاتح نہیں نکل سکتا جس کا مطلب ہے کہ دونوں میں سے کوئی کلّی تباہی مول لینے کے لئے اس میں داخل ہونے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ بالفاظ دیگر کانفرنس کی غرض امن عالم کی مضبوطی نہ تھی بلکہ اپنے اپنے بوجھ کم کر کے ایک دوسرے کا سامنا کرنے کی بجائے باقی دنیا کا یکجہتی سے سامنا کرنا تھا اور یہ امر اس حقیقت کا مظہر ہے کہ کسی علاقائی معاملے پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ان آویزشوں کے راستے سپر پاورز کے پھیلنے کی گنجائش قائم رہے۔

اب اس موضوع میں افغان روس تنازعہ کو دیکھئے۔ سربراہی کانفرنس کے حوالے سے مسئلہ افغانستان کے حل کے بارے میں بہت امید افزا اطلاعات اور بیانات آ رہے تھے لیکن میں نے 5 ر دسمبر کو آمدہ کانفرنس کے متوقع نتائج کے خدوخال کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا "مجھے ریگن گورباچوف مذاکرات کے نتائج پاکستان کے افغان مؤقف کے حق میں چنداں روشن نظر نہیں آتے"۔ میرا مؤقف تھا کہ ایسی سربراہی کانفرنسیں کسی اصول کے نفاذ و اجراء کے تعاقب میں منعقد نہیں ہوتیں، وہ سودے بازی کے لئے ہوتی ہیں نا کہ حق و باطل کا فیصلہ کرنے کے لئے، اور وہ کامیاب ہوتی ہیں تو دوسرے چھوٹے ملکوں اور قوموں کی قیمت پر اور اس ضمن میں، میں نے یالٹا کانفرنس کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اب جہاں بی بی سی نے اطلاع دی کہ امریکی ڈیلی گیشن نے کانفرنس میں افغانستان پر بغیر کسی تیاری کے شرکت کی، وہاں اس ملک کی قسمت کے متعلق کلیدی جملہ مسٹر گورباچوف کی زبان سے ادا ہوا۔ انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں فرمایا "میں یہ نہیں کہوں گا کہ ہم نے علاقائی مسائل پر بہت گہرائی میں بحث کی لیکن پھر بھی مجھے احساس ہے کہ ریاست ہائے متحدہ (امریکہ) کی انتظامیہ نے علاقائی مسائل پر پہلے سے زیادہ حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا شروع کر دیا ہے"۔ علاقائی مسئلوں میں ہمیں تو سب سے زیادہ افغانستان سے سروکار تھا تو مسٹر گورباچوف کے بیان سے ظاہر ہے کہ امریکی سربراہ نے روسی سربراہ کے بیان کے مطابق افغانستان کے متعلق "حقیقت پسندانہ رویہ" اختیار کیا اور انہیں اس کے بارے میں کسی مخمصے میں نہیں ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر گورباچوف کٹھ پتلی کابل حکومت کے سربراہ ڈاکٹر نجیب اللہ کے بیان سے آگے نہ بڑھے اور کوئی متعینہ نظام الاوقات دینے کی بجائے وہی "بارہ ماہ یا اس سے کم" کا فارمولا دہرانے پر قانع رہے۔

Marfat.com

گویا سربراہی کانفرنس نے مسئلہ افغانستان کو حل کرنے میں کوئی اقدام نہیں کیا۔ اس کی وجہ؟ کیا مسٹر ریگن مسٹر گورباچوف کے مقابلے میں افغانستان کے متعلق کمزور پوزیشن سے بات کرنے پر مجبور تھے؟ امریکی ذرائع ابلاغ سے تو یہ تاثر نہیں ملتا بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف افغان مجاہدین فاتح و ناصر ہیں بلکہ امریکہ ان کی پشت پر ہے! پھر اس امریکی انتظامی و عوامی مؤقف کو کانفرنس میں کیوں چپ لگ گئی کہ مسٹر گورباچوف نے اس مسئلے پر کسی کمٹ منٹ کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کی دو وجوہ ہی ہو سکتی ہیں 'ایک تو یہ کہ امریکہ روس کے سربراہ باہمی تعلقات کے پیچ و خم میں ہی گم رہے' دوسرے علاقائی تنازعات پر سودے بازی ہوئی جس کے تقاضے کے مطابق انہیں جوں کا توں چھوڑ دینا قرار پایا اور یہ فیصلہ ہوا کہ جس بڑی طاقت کا جو مسئلہ ہے وہ اسے خود اپنی مرضی و مفاد کی روشنی میں نمٹائے۔ میں یہاں آپ کو اپنے 5 ر دسمبر کے مضمون کے عالمی سیاست کے داؤ پیچ کے تجزیئے کا ایک ٹکڑا پڑھنے کی تکلیف دیتا ہوں "یاد رکھئے" میں نے سربراہی کانفرنس کی نقشہ کشی کرتے ہوئے لکھا "کہ سربراہی کانفرنس میں ایک دوسرے کو غلط صحیح 'جھوٹا سچا' نہیں ثابت کیا جا رہا ہے 'معاملے اور سودے کی بات ہو رہی ہے' مفاہمت کی نشاندہی ہو رہی ہے اس لئے گورباچوف کو افغانستان میں روس کی کمزور پوزیشن کا اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں۔ وہ تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کمزور تر کر کے آپ کو کیا فائدہ حاصل ہو گا" اگر آپ نے (یعنی مسٹر ریگن نے) روس کو ذلیل کروا کے افغانستان سے نکلوا دیا اور اس کا وہاں کوئی اثر و رسوخ نہ رہنے دیا تو (اس علاقے میں) ایک زبردست مسلم بلاک کے مقابلے کے لئے تیار ہو جایئے جس میں اتنی طاقت ہو گی کہ وہ عربوں کی پشت پناہی کر کے آپ کے چہیتے اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بجوا دے گا۔ اس دلیل و منطق کا مسٹر ریگن اور امریکہ کے زعماء پر ضرور اثر ہو گا کہ مغرب کے سر پر پان اسلام ازم کا بھوت سوار ہے چونکہ سیاست میں ہر چیز ممکن ہے اور اس میں کوئی لفظ لفظ آخر نہیں ہوتا 'تو ہزار اعلانات کے باوجود مسٹر ریگن مسٹر گورباچوف کی مدد کے لئے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں اور اثبات میں جواب دے سکتے ہیں"۔

اب سربراہی کانفرنس سے پہلے اور بعد مسئلہ افغانستان کے حل کے امکانات کو دیکھئے آپ دیکھیں گے کہ صورت حال میں بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ مسٹر گورباچوف کا لہجہ ہی بدل گیا ہے۔ انہوں نے علاقائی تنازعات پر امریکہ کو "حقیقت پسندانہ" طرز عمل کی سند دے کر کھلے بندوں مگر بالواسطہ اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اب مزید افغانستان پر امریکہ کے دباؤ تلے نہیں رہے اور اپنی اس نفسیاتی طمانیت کا اظہار افغانستان پر چند نئے نکتے بیان کر کے کیا ہے۔ سب سے پہلے تو انہوں نے مسئلہ افغانستان کی نوعیت ہی کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ وہ اسے "خانہ جنگی" کے نتیجے سے تعبیر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس صورت حال کا ایسا حل تلاش کیا جائے کہ ملک روسی افواج کے انخلاء کے بعد دوبارہ از سر نو "خانہ جنگی" میں

Marfat.com

پھنس اور دھنس جائے۔ گویا روسی افواج کا داخلہ افغانستان میں خون خرابے کو بند کرنے کے لئے ہوا تھا نا کہ اس پر قبضہ کرنے کے لئے (حالانکہ روسی افواج کے حملے کے وقت جو سرکاری بیان دیا گیا' اس نے اس عمل کا محرک جنوب سے خطرہ بتایا تھا) سو اس وقت سربراہی کانفرنس کے طفیل روسی پوزیشن امن قائم رکھنے کے ایک آلہ کار کی ہے۔ ایک قابض' غاصب خارجی استعمار کی نہیں ہے۔ امریکی طرز عمل کے پیدا کردہ اطمینان نے روس کے سربراہ میں جو خود اعتمادی کی روح پھونکی ہے اس نے جہاں مسٹر گورباچوف سے یہ کہلوایا کہ وہ کابل میں آئندہ روس نواز حکومت پر مصر نہیں (گو وہ امریکہ نواز حکومت کے بھی روادار نہیں ہو سکتے) وہاں انہوں نے فوجوں کے انخلاء کے نظام الاوقات کے لئے کوئی تاریخ متعین نہ کی کہ اس تاریخ سے "بارہ ماہ یا کم" کے دورانئے کا اندازہ لگایا جا سکے لیکن یہ کڑی پابندی ضرور لگا دی کہ افواج کی واپسی اسی تاریخ سے شروع ہو گی جس دن افغان مجاہدین کی باہر سے اسلحی و مالی امداد بند ہو گی۔ یوں روسی افواج کے انخلاء کا مسئلہ بدل گیا ہے۔ اگر میں کہوں کہ پہلے سے بدرجہا کٹھن ہو گیا ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ پہلے ماسکو کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ آئندہ کابل حکومت کی ایسی ساخت اور تشکیل منوا سکے جس میں اس کے کمیونسٹ پیروکاروں کا غلبہ نہ ہو تو کم از کم مؤثر عنصر شامل ہو لیکن وہ اس میں غیر کمیونسٹ ارکان کے علاوہ اس کا غیر کمیونسٹ سربراہ بھی تسلیم کرنے کو تیار تھا (اور اس کے طرز عمل میں صاف لچک محسوس ہوتی تھی) اور یہ کام چنداں مشکل بھی نہ نظر آتا تھا کہ ظاہر شاہ کی صورت ایک ایسا افغان لیڈر موجود تھا جو مختلف النوع مکاتب فکر کو اکٹھا کر کے ایک ایسی حکومت ترتیب دے سکے جو روس کو قابل قبول ہو تو افغان مجاہدین اسلام آباد اور واشنگٹن کے لئے بھی موجب اعتراض نہ ہو اور سربراہی کانفرنس سے پیشتر انہی خطوط پر کچھ حرکت اور سعی ہو بھی رہی تھی۔ صدر ضیاء الحق نے تو صاف طور پر ایسے تین طبقات (مجاہدین' مہاجرین اور موجودہ حکمران پارٹی کے پیروکار) کی نشاندہی کر دی تھی جو آئندہ حکومت کے ارکان ثلاثہ بن سکتے تھے لیکن مسٹر ریگن اور مسٹر گورباچوف کے مذاکرات کے بعد روسی سربراہ کے مؤقف میں سختی آ گئی ہے۔ ایک طرف تو وہ نجیب اللہ کو لوئی جرگہ کے منتخب صدر کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں کہ انہوں نے اس کی صدارت پر مہر توثیق ثبت کر دی ہے گو وہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ کابل حکومت کا سوویت نواز ہونا ضروری نہیں' دوسری طرف وہ کوئی نظام الاوقات دیئے بغیر روسی افواج کی واپسی کو مجاہدین کو امداد کی بندش سے مشروط کرتے ہیں۔ اس فارمولے سے ڈیڈلاک کی کیفیت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے کیونکہ صورتحال یہ ہو گی کہ جہاں نجیب اللہ حکومت جاری رہے گی وہاں روسی افواج موجود ہوں گی کہ ان کی واپسی کی نگرانی کے لئے کوئی مشینری تجویز نہیں کی گئی (نجیب اللہ نے اقوام متحدہ کی امن فوج کی تعیناتی کی تجویز کو رد کر دیا ہے اور اگر روسیوں کے نزدیک نجیب اللہ ہی سب کچھ ہے تو شاید ماسکو کی بھی یہی رائے ہو) اس پس منظر میں شواہد یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ ماسکو کا اصل مقصد افغان مجاہدین کو نہتا کرنا مطلوب

Marfat.com

ہے جیسا کہ نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار نے واشنگٹن سے لکھا ہے کہ روسیوں کی یہ کوشش معلوم ہوتی ہے کہ دنیا پر یہ ظاہر کیا جائے کہ مسئلہ ان کی ایک لاکھ بیس ہزار افواج کی واپسی کا نہیں ہے بلکہ امریکہ کی افغان مجاہدین کو امداد کی بندش کا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ لیا' جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لیکن یہ کرشمہ یونہی بروئے کار نہیں آ رہا' اس کے عقب میں کچھ عوامل کار فرما ہیں' اوّل تو امریکی سربراہ نے مسئلہ افغانستان کے حل پر خاطر خواہ دباؤ نہیں ڈالا' انہیں اپنے کچھ معاملے روسی سربراہ سے طے کرنے تھے۔ ایک تو میزائلوں میں کٹوتی کا معاملہ ہی تھا لیکن علاقائی معاملات بھی تھے جن پر اعلامئے کی زبان میں بہت "کاروباری انداز" (لفظ Businesslike استعمال ہوا ہے) میں تبادلۂ خیال ہوا اور بی بی سی کی رپورٹ (آہستہ آہستہ ہی اندرونی راز کھلیں گے) کے مطابق روس نے امریکہ کو نکاراگوا (امریکہ کا مسئلہ) کے بارے میں یہ رعایت دی کہ وہ اب اس کی روس نواز گورنمنٹ کو مزید بھاری اسلحہ فراہم نہ کرے گا۔ اس رعایت سے یقیناً امریکہ نے اطمینان کا سانس لیا ہو گا کہ نکاراگوا میں (بالآخر جنوبی امریکہ ریاست ہائے متحدہ کے حلقۂ اثر کا حصہ ہے) اس کے "جمہوریت پسند" گوریلے سوشلسٹ حکومت سے نبرد آزما ہیں۔ اس رعایت کا جواب رعایت سے ہی دیا جا سکتا ہے (ھل جزاء الاحسان اِلّا الاحسان) اب یہ رعایت مسئلے کے مقابلے میں کسی مسئلے سے گھرے ایسے ملک میں دی جا سکتی تھی جو امریکہ کے زیر اثر ہو لیکن روس کے لئے باعث تصدیق ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ملک افغانستان ہی ہو سکتا ہے جہاں روسی افواج افغان مجاہدین کے محاصرے میں ہیں جنہیں امریکہ سے امداد ملتی ہے۔

اس رعایت کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی تھی کہ مسئلہ افغانستان کے حل پر زور نہ دیا جائے چنانچہ اس پر کوئی زور نہ دیا گیا۔ جتنے بھی امریکی ترجمانوں نے سربراہی مذاکرات میں مسئلہ افغانستان پر زبان کھولی ہے یہی کہا کہ اس پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ وہائٹ ہاؤس کی ترجمان مارلن فٹز واٹر نے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "کچھ حاصل نہیں ہوا"۔ ان تمام اظہار آراء سے اگر کوئی بات نکلی ہے تو یہ کہ امریکہ اپنے مؤقف سے نہ ٹلے گا روسی افواج کے انخلاء شروع ہونے کے بعد ساٹھ دن تک افغان مجاہدین کی اسلحی و مالی امداد جاری رہے گی۔ اب اگر نظام الاوقات کا دورانیہ روس کے تجویز کردہ بارہ ماہ اور پاکستان کے تجویز کردہ سات ماہ کے درمیان نو ماہ یا اس کے لگ بھگ پر طے پاتا ہے تو امریکی مؤقف کے مطابق مجاہدین کو صرف دو ماہ تک امداد ملے گی اور باقی سات ماہ وہ روسی افواج اور نجیب اللہ حکومت کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ایک اطلاع مظہر ہے کہ روسیوں نے اگلے اپریل تک چالیس ہزار افواج کی واپسی کا پروگرام بنایا ہے۔ باقی اسی ہزار افواج کی واپسی کا بعد میں پروگرام بنے گا تو اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ مسئلہ

Marfat.com

افغانستان پہلے سے زیادہ الجھ گیا ہے۔ پہلے اجماع اور زور اس نکتے پر تھا کہ روسی افواج نے افغانستان پر جارحانہ قبضہ کر کے اپنی کٹھ پتلی کیمونسٹ حکومت قائم کی ہے اور کل مہذب دنیا کا مطالبہ تھا کہ روس اپنی فوجیں واپس بلائے تاکہ افغانستان کے باشندوں کو اپنی آزاد حکومت منتخب کرنے کا موقع ملے اور اسی مطلب و معنی کی قراردادیں اقوام متحدہ کے ارکان کی اکثریت منظور کرتی رہی ہے لیکن اب روس نے سربراہی کانفرنس کی راہ مسئلے کی نوعیت کو بدل دیا ہے اور اس کی صورت یہ ہو گئی ہے کہ افغان مجاہدین کو امریکی امداد روسی افواج کی واپسی میں مزاحم ہے۔ پہلے اس امداد کو روکا جائے پھر افواج کی واپسی کا سوال پیدا ہو سکے گا اور امریکہ نے ازراہ ترحم کمٹ منٹ کی ہے کہ واپسی شروع ہونے پر ساٹھ دن تک وہ امداد نہیں روکے گا لیکن اس کے بعد مجاہدین کی امداد سے ہاتھ اٹھالے گا اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دے گا۔

میرے خیال میں سوال نہ امداد کا ہے (آخر کار پہلے کتنے سال جب امریکی امداد کا نام و نشان نہ تھا افغان مجاہدین اور پاکستان نے اپنی بساط پر ہی روسی قبضے کی مزاحمت کی تھی) اور نہ آئندہ کابل حکومت کی ساخت و تشکیل کا کہ اسے عوامی رائے کا منعکس ہونا پڑے گا' سوال ہے تو روسی افواج کو نکالنے کے آلہ کار کا، قریب ڈیڑھ لاکھ روسی افواج کی بلی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے گا؟ ورنہ افغان مجاہدین کی خارجی امداد نظام الاوقات کی تاریخ کے تعین کے بعد فوراً ختم ہو جائے یا ساٹھ دن جاری رہے' اصل خطرہ یہ ہے کہ روسی افواج کی معقول تعداد دورانیے کے آخر تک ملک میں موجود رہے گی اور اس قابل ہو گی کہ نہتے مجاہدین کو ملیامیٹ کر دے اور اس طرح روسی اپنی راہ میں مزاحمت ختم کر کے ہمیشہ کے لئے افغانستان میں قدم جما سکیں یعنی وہ مقصد جو وہ آٹھ سال کے جنگ و قتال کے ذریعے نہ حاصل کر سکے وہ اب ڈپلومیسی کی چال سے حاصل کرنا چاہتے ہیں اس لئے اصل سوال یہ ہے کہ روسی افواج کے انخلاء کا کیا فول پروف انتظام ہو گا؟ اگر اس سوال کا مؤثر جواب مل جائے تو مسئلہ افغانستان کی باقی چولیں ٹھیک بیٹھ جائیں گی اور یہی سوال تھا جو امریکی سربراہ کو مسٹر گورباچوف کے سامنے دوٹوک پیش کرنا چاہئے تھا۔ روسی طرز عمل سے ظاہر ہے کہ مسٹر گورباچوف اس سوال سے درپیش نہیں ہوئے اور یہی امر سربراہی کانفرنس کی کنہ کو الم نشرح کرتا ہے کہ معاملہ لین دین کا تھا۔ مسٹر گورباچوف نے نکاراگوا پر ہی رعایت نہیں دی بلکہ ایران پر بھی واشنگٹن کی اس طور ہم نوائی کی کہ تہران کو سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو ماننے کی ترغیب دی جس کے اسنہزاد سے اسلحی فراہمی پر پابندی لگ سکتی ہے۔ درانحالیکہ ایران روس سے قریبی تعلقات قائم کرنے کا خواہشمند ہے۔ ماسکو کی اس لائن سے واشنگٹن کی خلیج فارس کی پالیسی کو تقویت ملتی ہے' بے شک اقوام متحدہ افغان مجاہدین کی پشت پر ہے لیکن اس پشت کی ریڑھ کی ہڈی امریکہ ہے اور اگر اس کے مؤقف میں لرزش آجائے تو نہ صرف عالمی ادارے کی کوششیں بیکار ہو جاتی ہیں بلکہ روس پر افغانستان کے معاملے میں آگے اقدام کرنے کا جو اس کا دباؤ پڑتا ہے' وہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔ بات سمجھنے کی یہ ہے کہ

Marfat.com

فیصلے کے مرحلے تک پہنچنے میں دو ہی طاقتیں کام کر سکتی اور مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں اور وہ ہیں امریکہ اور روس، ان میں جو مفاہمت ہو گی وہی کارگر ہو گی اور وہ جس پلڑے میں اپنا وزن ڈالیں گی وہی پلڑا وزنی ہو جائے گا۔ اب افغانستان کا منظر یوں نظر آتا ہے کہ سربراہی کانفرنس تک تو بظاہر امریکہ مجاہدین کا ساتھ دے رہا تھا اور روسی مقابلے میں اِن کا پلڑا بھاری نظر آ رہا تھا لیکن کانفرنس کے بعد روس افغان مجاہدین کے متقابل تو رہ گیا ہے لیکن امریکہ کا اسے سامنا نہیں رہا اور اس کے طرز عمل میں اتنا فرق پڑ گیا ہے کہ وہ اب اپنے آپ کو ان نکات کا بھی چنداں پابند نہیں گردانتا جو پچھلے بالواسطہ جنیوا مذاکرات میں قبول کئے جا چکے ہیں مثلاً تمام متعلقہ پارٹیوں (امریکہ، روس، پاکستان، افغانستان) کا روسی افواج کے انخلاء، خارجی امداد اور مداخلت کی بندش مہاجرین کی اپنے گھروں کو واپسی وغیرہ امور پر سمجھوتہ ہو چکا تھا کہ اس سمجھوتے پر دستخطوں کے ساتھ (60) دنوں بعد عمل درآمد شروع ہو جائے گا کیونکہ اب ماسکو کا کہنا ہے کہ فوجوں کی واپسی افغان مجاہدین کو امداد کی فوری بندش کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس ذہنی اور حکمت عملی کی تبدیلی کے تناظر میں مسٹر کارڈوویز (جو واشنگٹن میں بات چیت کر کے اب ماسکو میں مذاکرات کر رہے ہیں) کیا مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں جو اگلی بالواسطہ جنیوا کانفرنس (جو شاید مارچ 88ء تک متوقع ہے) کو فیصلہ کن بنا سکتا ہے۔ میرے خیال میں سربراہی کانفرنس کے بعد مسئلہ افغانستان کے حل کی نوعیت میں معنوی و خصوصیاتی (Qualitative) تبدیلی آ چکی ہے اور اب جو کچھ اس کے متعلق واشنگٹن اور ماسکو میں کہا جا رہا ہے، محض لفاظی ہے۔

جن خارجی مبصروں نے سربراہی کانفرنس کے ماحول کا نظارہ کیا ہے انہوں نے امریکی شرکائے کار کو ایک عالم وجد و وارفتگی (Ecstacy) میں مستغرق پایا (یہ اسی استغراق کا اثر تھا کہ بعض امریکی اخباروں میں گورباچوف کو عیسائیت کا قائل و حامل تک بتایا گیا) اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ جو نکتہ ہدف مفاہمت ہے وہ یہ ہے کہ آپس کی نیوکلیئر آئی تخریب کاری سے بچ کر اپنا روئے سخن باقی دنیا پر غلبہ حاصل کرنے پر وقف کیا جائے۔ نیوکلیئر آئی معاہدات سے (درمیانی مار کرنے والے میزائلوں پر ہو چکا، آئندہ جون تک دور مار کرنے والی میزائلوں پر بھی پچاس فیصدی کٹوتی کے سمجھوتے کی امید ہے) ایک طرف مغربی یورپ و امریکہ تباہی سے محفوظ و مصئون ہوتا ہے تو دوسری طرف روس اقتصادی پس ماندگی سے نجات پاتا ہے کہ اسے ڈر ہے کہ اگر وہ اسی رفتار سے امریکہ کے ساتھ نیوکلیئر آئی مسابقت کی دوڑ دوڑتا رہا تو عسکری طور پر وہ ضرور طاقتور ہو جائے گا لیکن معاشی طور پر پھانک ہو کر رہ جائے گا اور بقول کسنجر اگلی صدی میں تیسری دنیا کی معیشت میں داخل ہو گا۔ اس منفعت بخش سودے پر جذباتی ہو جانا دور از قیاس نہیں لیکن علاقائی معاملات پر دونوں سربراہ حقیقت پسندانہ طور پر "کاروباری" رہے اور اسی کاروباری معاملہ فہمی کا نتیجہ ہے (جس خدشے کا میں نے اپنے پچھلے مضمون میں اظہار کیا تھا) کہ اس سربراہی کانفرنس کے نتائج سے

Marfat.com

یالٹا کانفرنس کی صدائے بازگشت سنائی دی ہے۔ اس پس منظر میں اپنی وزارت خارجہ کے ترجمان کی اس خوش فہمی میں مبتلا ہونے سے قاصر ہوں جو انہوں نے مسٹر کارڈوویز کی نقل و حرکت کے نتائج سے وابستہ کر لی ہے کہ روسی فوجوں کے انخلاء کا نظام الاوقات طے ہو جائے گا' جس طور طریق سے ہماری امریکی امداد کا معاملہ چھوٹی چھوٹی وجوہ کی بنا پر الٹ پلٹ کے پھیروں سے گزارا گیا ہے اس سے یہ نکتہ خوب اجاگر ہوتا ہے کہ امریکہ دباؤ کے استعمال کا بادشاہ ہے' وہ جب چاہے دباؤ ڈال سکتا ہے اور جب چاہے دباؤ کی باگ کو ڈھیل دے سکتا ہے۔ سربراہی کانفرنس کے بعد دباؤ پاکستان اور افغان مجاہدین پر ہے تاکہ ماسکو اور کابل پر اور اب اس جہاد کو پاکستان اور افغان مجاہدین ہی اپنی جبلی ہمت اور قوت ایمان سے توڑ تک پہنچا سکتے ہیں۔ امریکہ ہمارے شامل حال نہ ہو گا کیونکہ اگر وہ ہوتا تو افغانستان کے حالات روس کے لئے اتنے مخدوش تھے کہ حل کے لئے مسٹر گورباچوف مسٹر ریگن کے پرزور مطالبے کی تاب نہ لا سکتے۔

Marfat.com

Marfat.com

# امریکی یقین دہانی کی افادیت

ادھر امریکی نائب سیکرٹری آف سٹیٹ مسٹر مائیکل آرماکوسٹ مسئلہ افغانستان پر مذاکرات کیلئے اسلام آباد پہنچے 'ادھر روس کے وزیر خارجہ مسٹر ایڈورڈ شیورڈناڈزے اسی موضوع پر مذاکرات کیلئے کابل وارد ہوئے۔ جس کے نتیجے میں بیان جاری ہوا کہ وقت آ گیا ہے کہ افغانستان پر ایسا قابل اعتماد سمجھوتہ بروئے کار آئے جس کی رو سے روسی فوجیں تیزی سے نکل جائیں افغان قوم کو حق خود اختیاری حاصل ہو' ملک کے ایک غیر جانبدار مملکت ہونے کا درجہ بحال ہو اور مہاجرین کو بلاٹوک اپنے گھروں کو لوٹنے کی کھل ملے' مسٹر آرماکوسٹ نے اپنے مطالبے کا ابھی نہلا ہی مارا تھا کہ دوسری طرف سے روسی وزیر خارجہ کے اعلان کا دہلا لگا کہ ماسکو اپنی افواج کا انخلاء اس سال کے آخر تک مکمل کر لے گا اور اگر جنیوا کانفرنس میں متوقع سمجھوتہ ہو گیا جس کے تحت افغان مجاہدین کو امداد بند کرنی لازمی ہو گی تو روس ایسے سمجھوتے کے ساٹھ دن بعد اپنی افواج کو نکال لے جانے کے عمل کو شروع کر دے گا۔اگر روسی اعلان کا اس طرح تجزیہ کیا جائے کہ چونکہ جنیوا کانفرنس وسط فروری میں منعقد ہو گی جو اہم موضوعات کو سرانجام پہنچانے کے مقصود کی روشنی میں دو تین ہفتے کی طوالت پکڑ سکتی ہے تو شاید سمجھوتے کی رونمائی مارچ کے پہلے ہفتے سے پیشتر نہ ہو سکے 'اس کے بعد ساٹھ دن کے حساب سے انخلاء کی تاریخ شروع مئی تک پہنچتی ہے اب انخلاء اواخر سال تک بھی جاری رہے تو نظام الاوقات کیلئے پاکستان کا آٹھ ماہی مطالبہ پورا ہو سکتا ہے گویا کہ مسٹر شیورڈ ناڈزے نے بغیر تاریخ مقرر کئے بالواسطہ طور پر وہ نظام الاوقات دے دیا ہے جس کی جنیوا سمجھوتے کی چوتھی شق کے خلاء کو پر کرنے کیلئے طلب تھی لیکن منزل تک پہنچنے میں کئی مشکل مقامات سے گزرنا ہو گا اگر آپ

Marfat.com

بنظر غائر امریکی نائب سیکرٹری آف سٹیٹ اور روسی وزیر خارجہ کے بیانات دیکھیں تو آپ کو فوراً احساس ہو گا کہ یہاں بھی۔

ع عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

والا قصہ ہے اور معاملات شرائط اور اگر مگر کے ایچ پیچ سے گھرے پڑے ہیں' پاکستان اور امریکہ روس کو کہتے ہیں "نکلئے" روس جواب دیتا ہے کہ جی ہاں ہم نکلنے کو تیار ہیں لیکن آپ بھی افغان مجاہدین کو اپنی امداد بند کیجئے کیونکہ یہی سمجھوتے کا تقاضا ہے کہ انخلاء کے ساتھ خارجی مداخلت فوراً بند کر دی جائے' اس پر پاکستان اور امریکہ کہتے ہیں کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ ہم امداد بند کر دیں گے تو آپ نکل جائیں گے انخلاء کو یقینی بنانے کیلئے ضروری ہے کہ فوجوں کی واپسی کیلئے کوئی ایسا کڑا پروگرام بنایا جائے اور اس کی تعمیل کی نگرانی کیلئے کوئی ایسی بین الاقوامی مشینری معرض وجود میں لائی جائے کہ اس عمل کی تکمیل میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہ رہے' اس بیت بازی پر امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ مسٹر جارج شلز نے یہ گرہ لگائی ہے کہ مجاہدین کی امداد تبھی بند کی جائے گی جب روسی افواج کی واپسی ناقابل تبدیل اور اٹل صورت اختیار کر لے اور ماسکو موجودہ کابل حکومت کی افواج کو اسلحہ دینا بند کر دے' یہاں یہ نکتہ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ مسٹر شلز کا بیان سوویت وزارت خارجہ کے نائب سربراہ کے اس ریمارک کے چند ساعت بعد ہی آ گیا کہ اب عدم مداخلت کے سوال پر کریملن اور وہائٹ ہاؤس میں قریب قریب مفاہمت ہو چکی ہے' ان صاحب نے (مسٹر یوری الیگزوف) جو روسی وزارت خارجہ کے نائب سربراہ ہیں اور وزیر خارجہ کے ہمراہ کابل گئے تھے یہ ریمارک غالباً اس تاثر کے تحت کیا ہو گا کہ مسٹر شیورڈ ناڈزے کا فوجی انخلاء کا "دہلا" کارگر ثابت ہوا نہیں کیا معلوم تھا کہ

ع ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

مسٹر شلز کی نئی شرط سے سمجھوتے میں ایک اور رکاوٹ آڑے آ گئی تو آپ دیکھیں گے کہ روسیوں کے نظام الاوقات کی کم و بیش نشاندہی کرنے کے باوجود مسئلہ افغانستان کے حل کی راہ میں موانعات کی فصیل کھڑی ہے! اس فصیل کو گرا کر ہی آگے قدم بڑھایا جا سکتا ہے اور یہ کیونکر گرائی جائے؟ واشنگٹن اور ماسکو کے رہنماؤں میں ترکی بہ ترکی بیانات سے یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ دراصل اب معاملہ اتنا اسلام آباد اور "کابل حکومت" کے درمیان بالواسطہ مذاکرات کا نہیں جتنا وہ امریکہ اور روس کے درمیان نمٹنے کا ہے کہ وہ قطعی طور پر طاقتی آزمائش کے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے جس طرح ماسکو کے حکم پر افواج نکالی جائیں گی اور "کابل حکومت" کا رنگ بدلے گا اسی طرح واشنگٹن کے اشارے پر افغان مجاہدین کی امداد بند ہو سکتی ہے۔ سوالوں کا سوال یہ ہے کہ جب ان معاملات کو امریکہ اور روس کے درمیان ہی فیصلہ پانا تھا تو انہیں ریگن گورباچوف سربراہی کانفرنس میں کیوں نہ اٹھایا گیا اور ٹھکانے لگایا گیا

Marfat.com

اور انہیں جنیوا کانفرنس کیلئے کیوں چھوڑ دیا گیا کہ وہاں بھی وہ ان طاقتوں کی بالواسطہ شمولیت و مداخلت کے بغیر فیصل نہ پاسکیں گے۔

اس کے برعکس ہم ایک عجب تماشا دیکھ رہے ہیں کہ جب سے سربراہی کانفرنس ختم ہوئی ہے امریکی زعماء نے ایک لامتناہی سلسلہ بیانات شروع کر رکھا ہے جن میں بار بار کہا جاتا ہے کہ امریکہ مسئلہ افغانستان کے حل کے حصول میں پاکستان کی کوششوں میں برابر کا شریک ہے اور اس ضمن میں وہ اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ صدر ریگن نے اس یقین دہانی کو دہرایا ہے تو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے حکام نے بھی اس بیان کا اعادہ کیا ہے اور اس نکتے پر مزید زور ڈالنے کیلئے مسٹر آرماکوسٹ پچھلے دنوں پاکستان کے تین روزہ دورے پر اسلام آباد آئے ہوئے تھے جہاں انہوں نے صدر مملکت سے شرف باریابی حاصل کیا۔ وزیراعظم سے ملاقات کی اور وزارت خارجہ کے سیکرٹری عبدالستار اور ان کے ساتھیوں سے مفصل مذاکرات کئے۔ مذاکرات کے موضوعات میں ویسے تو امریکی امداد کا معاملہ بھی تھا' دو طرفہ تعلقات کی نہج کا جائزہ بھی تھا اور خلیج کی لڑائی بھی تھی لیکن اصل موضوع گفتگو مسئلہ افغانستان تھا اور اس کی خصوصیت اور اہمیت کا اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ افغان مجاہدین کی پانچ جماعتوں کے لیڈروں کو بھی بطور خاص ان سے ملاقات کیلئے بلایا گیا تھا بظاہر یہ اقدامات اگلی بالواسطہ جنیوا کانفرنس کی تیاری کیلئے کئے جا رہے ہیں (اس ماہ کے تیسرے ہفتے اقوام متحدہ کے نمائندے مسٹر کارڈوویز کی آمد بھی متوقع ہے) تاکہ جنیوا کانفرنس کے مذاکرات میں پاکستانی اور امریکی مؤقف میں سر مو فرق نظر نہ آئے اس قیاس کو اس امر سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ انہی دنوں روسی وزیر خارجہ کابل وارد ہوئے اور کٹھ پتلی حکومت کے سربراہ ڈاکٹر نجیب اللہ سے مصروف مذاکرات ہو گئے کہ دوسری پارٹی بھی اپنے مؤقف کو جنیوا کانفرنس کیلئے درست کر لے۔

باالفاظ دیگر طرفین میں آمنے سامنے کیلئے میدان تیار ہو رہا ہے لیکن آمنا سامنا ہو گا کس بات پر؟ نظام الاوقات پر؟ تو روسی وزیر خارجہ نے کہہ دیا ہے کہ اس سال کے آخر تک ان کی افواج افغانستان سے نکل جائیں گی جیسا کہ میں نے اوپر حساب کر کے بتایا ہے اس بیان کے مطابق کانفرنس کے انعقاد اور فوجوں کو نکالنے کی تیاری کے مذکورہ ساٹھ دن کی میعاد کے بعد انخلائی تاریخ مئی کے شروع میں پڑتی ہے اس سے پہلے ماسکو میں مذاکرات کے بعد مسٹر کارڈوویز بھی کہہ چکے ہیں کہ روس ایسا نظام الاوقات دینے کو تیار ہو گیا ہے جو پاکستان کو قابل قبول ہو گا تو شاید یہ نکتہ باعث نزاع نہ بنے لیکن جو نکتہ متنازعہ بننے کا حکم رکھتا ہے وہ روسی افواج کے انخلا کے ساتھ افغان مجاہدین کی خارجی امداد کی بندش کا ہے۔ روسیوں کا کہنا ہے کہ مسئلہ افغانستان کے حل میں ان کی افواج روڑہ نہیں کہ وہ تو انہیں لے جانے کیلئے بالکل تیار ہیں اس کے حل میں کوئی رکاوٹ ہے تو وہ افغان مجاہدین کی امریکی امداد ہے جو روسی افواج کے پہلے سپاہی کی واپسی کے ساتھ ہی بند ہو جانی چاہئے۔ ادھر امریکی انتظامیہ پاکستان اور مجاہدین کو یقین دہانی کرا رہی ہے کہ وہ تب

Marfat.com

تک ہرگز امداد بند نہ کرے گی جب تک روسی افواج کے انخلاء کا قطعی اور فول پروف انتظام نہ ہو جائے۔
اب سمجھوتے کے بعد خود روسی وزیر خارجہ کے بیان کے مطابق ساٹھ دن تک امداد بند ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا کہ روس نے اپنی افواج کو سمجھوتے کے ساٹھ دن بعد ہی نکالنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے تو جب تک روسی افواج افغانستان میں مقیم رہتی ہیں مجاہدین کی امداد کیوں بند ہو؟ اس کے بعد کا معاملہ اس لئے نازک ہے کہ افواج کی واپسی کی نگرانی کیلئے کوئی انتظام طے نہیں پایا نیز کابل میں کسی ایسی حکومت کی تشکیل پر فیصلہ نہیں ہوا جو غیر جانبدار ہو ورنہ اگر روسی افواج کی واپسی کے دوران اور بعد موجودہ کٹھ پتلی حکومت ہی قائم رہی تو مسئلہ افغانستان حل نہ قرار پائے گا کہ روس کے علاوہ یہ حکومت کسی کو منظور نہیں اور مجاہدین اور مہاجرین کو یہ قطعاً راس آئے گی نہ قبول ہو گی۔

اس طرح آپ ملاحظہ کریں گے کہ مسئلہ نظام الاوقات کے تعین سے ماوراء اگلے مراحل کا بن گیا ہے اور مشکل تر مشکل اختیار کر گیا ہے پہلے فوج نکلے یا پہلے مدد بند ہو کی رسہ کشی میں ہر دو اطراف پالا جیتنے کی کوشش کریں گے۔ ایک طرف امریکہ اور پاکستان یہ چاہے گا کہ روسی افواج کا انخلاء اقوام متحدہ کی امن فوج کے زیر نگرانی ہو کہ کہیں افغان مجاہدین خارجی امداد سے معترا روسیوں کی جارحیت کا شکار نہ ہو جائیں کہ آخر کار افواج کی واپسی آٹھ نو ماہ کے دورانئے میں ہی مکمل ہو گی اور قریب ڈیڑھ لاکھ فوج کا کوئی نہ کوئی یونٹ آخری دن تک افغانستان کی کسی نہ کسی چھاؤنی میں ٹھہرا رہ جائے گا جو خود مدافعتی کے بہانے مجاہدین پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف ماسکو اور کابل کے کیمونسٹ حکمران چاہیں گے کہ روسی افواج کے انخلاء کے بعد افغانستان میں ایسی حکومت قائم ہو جو اگر مکمل طور پر ان کے حمائتیوں کے زیر اثر نہ ہو تو کم از کم اس قسم کے عناصر پر مشتمل ہو جو ان کے پیروکاروں کو حفاظت کی ضمانت دے سکے 'اب معاملہ اصول اور نظریات کا نہیں حصول اور عملیات کا ہے' اس کشمکش میں جس پارٹی کا سیاست کے میدان کارزار میں پلڑا بھاری ثابت ہو گا (جیسا کہ بالآخر بھاری تعداد اور جدید ترین سازوسامان کے طفیل خوست کے محاصرے میں روس کا پلڑا بھاری ثابت ہوا) وہی پارٹی بازی جیت جائے گی گو یا ہار جیت کے آخری فیصلے میں ابھی کافی فاصلہ حائل ہے اور اس پس منظر میں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اگلا جنیوا اجلاس آسان ہو نہ فیصلہ کن۔

میرے نزدیک روسی افواج کے انخلاء کے سامنے ہر مسئلہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے اور اس انخلاء کو یقینی بنانے کیلئے ہر تدبیر کام میں لانی چاہئے اس لئے مسٹر آرماکوسٹ کے اس بیان کا (جو انہوں نے 21 دسمبر 87ء کو دیا تھا) جواز ہے کہ بے شک جہاں اقوام متحدہ کی ڈرافٹ مفاہمت کے تحت امریکہ روسی افواج کی واپسی افغان مجاہدین کی امداد بند کرنے کا پابند ہو گا وہاں اس کمٹ منٹ پر عملدر آمد کرنے سے پہلے اس کا فرض ہو گا کہ اس بات کا تیقن کرے کہ آیا جو سمجھوتہ طے پایا ہے اس سے روسی افواج کی فوری واپسی اور

Marfat.com

افغان قوم کا حق خود اختیاری ظہور پذیر ہوتا ہے یا نہیں ' "ہمیں اپنے فرائض ادا کرنے کی طرف اقدام لینے سے پیشتر" انہوں نے کہا "پورے سمجھوتے کو پرکھنا ہو گا اور طرفین کی کمٹ منٹس کا توازن جانچنا ہو گا" دونوں مسٹر شلز اور مسٹر آرماکوسٹ نے مسئلے کی پیچیدگی کو کماحقہ سمجھا اور مرکزی نکات کی خوب گرفت کی' لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس معاملہ کو سربراہی کانفرنس میں نہ اٹھایا گیا بلکہ سرے سے مسئلہ افغانستان کو متوقع سنجیدگی سے زیر بحث نہ لایا گیا۔ سربراہی کانفرنس کے نتائج سے ظاہر ہوا کہ جہاں امریکی ڈیلی گیشن نے (بی بی سی کی اطلاع کے مطابق) مسئلہ افغانستان پر مذاکرات میں بغیر کسی تیاری کے حصہ لیا (یہ نہیں کہ امریکی انتظامیہ کسی مسئلے یا معاملے پر تیاری کی صلاحیت نہیں رکھتی لیکن دل لگتی بات ہے کہ جس مسئلے اور معاملے پر غور کرنا مقصود نہ ہو اس پر تیاری سے حاصل! جیسا کہ پنجابی مثل ہے کہ جس گاؤں نہ جانا ہو اس کا رستہ پوچھنے کا فائدہ!) اور وہائٹ ہاؤس کی ترجمان مارلن فٹز واٹر کے مطابق تو "کوئی کھیل ہی نہ ہوا" نیز اعلامئے میں علاقائی تنازعات کی ذیل میں مسئلہ افغانستان کو کوئی اہمیت نہ دی گئی وہاں امریکی بے توجہی کے برخلاف اس بارے میں سربراہی کانفرنس کے نتائج پر مسٹر گورباچوف کا ردعمل بہت خوشگوار تھا اور جس بات پر انہوں نے مسٹر ریگن کے طرز عمل کو خصوصی طور پر سراہا وہ یہی علاقائی تنازعات کی ذیل میں مسئلہ افغانستان تھا کہ اس کے متعلق امریکی انتظامیہ نے "حقیقت پسندانہ" رویہ اختیار کیا "حقیقت پسندانہ" رویئے کا یہی مطلب تھا کہ علاقائی تنازعات کے حل کو سپر پاورز کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

سربراہی کانفرنس کی اس کارروائی سے میں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو گیا کہ امریکہ کے "حقیقت پسندانہ" رویئے سے روس کی حوصلہ افزائی ہو گی اور پاکستان اور افغان مجاہدین پر روسی دباؤ بڑھے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے تو مسٹر گورباچوف نے مسئلہ افغانستان کی نوعیت کو ہی بدلنے کی کوشش کی' اسے ملک پر قبضہ بیان کرنے کی بجائے جو کہ امر واقعہ ہے انہوں نے افغانستان کی صورتحال کو "خانہ جنگی" سے تعبیر کیا جسے ختم کرنے کو ان کی فوجیں ملک میں داخل ہوئیں اور جن کے انخلاء سے دوبارہ "خانہ جنگی" کا احتمال ہے جس کے روس کے "نرم پیٹ" کے قریب وقوع پذیر ہونے کے وہ روادار نہ ہونگے اس کے بعد انہوں نے استدلال شروع کیا کہ اصل معاملہ تو افغان مجاہدین کی امداد بند کرنے کا ہے نہ کہ روسی افواج کے اخراج کا' پھر مسٹر گورباچوف نے بحث مباحثے پر اکتفا نہ کیا' عملی اقدامات بھی کئے ایک طرف اسلام آباد میں بم بلاسٹ کروائے تو دوسری طرف خوست کا محاصرہ اٹھانے کیلئے افغان مجاہدین کے خلاف اتنی بڑی فوجی یورش کی کہ اس میں پچاس ہزار کے قریب روسی کابلی فوجی استعمال ہوئے' فوجی مبصرین کا کہنا ہے کہ افغانستان کے آٹھ سالہ روسی قبضے کے دوران ایسے وسیع پیمانے پر کم ہی ملٹری جھڑپ ہوئی ہے مزے کی بات یہ ہے کہ امریکہ کے عوامی رائے کے ترجمانوں' سرکاری اہلکاروں اور اخباری تبصرہ نگاروں نے اس

Marfat.com

خونخوار لڑائی کو جنگی زبان میں بیان کرنے کی بجائے سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی کہ خوست کے محاصرے کو اٹھا کر روس آمدہ جنیوا کانفرنس کے پیش نظر نجیب اللہ حکومت کی پوزیشن کو مضبوط کرنا چاہتا تھا گویا کہ اس مڈھ بھیڑ کی کوئی فوجی اہمیت نہ تھی' دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت امریکہ کے سخت مؤقف کے پیچھے کیا محرکات کار فرما ہیں جبکہ اس نے سربراہی کانفرنس میں روس کو ان سنگین مسائل سے دوچار نہیں کیا۔ ایک بات تو یہ نوٹس میں آئی کہ مسٹر آرماکوسٹ کیلئے (جیسا کہ ان کی پریس کانفرنس میں چند ریمارکس سے مترشح ہوا) مسٹر ایڈورڈ شیورڈناڈزے کی کابل یاترا اتنی "غیر متوقع" نہ تھی جتنی پاکستان کے لوگوں کو نظر آئی دوسری بات یہ لائق توجہ تھی کہ خوست کا محاصرہ ان کی اسلام آباد میں موجودگی میں ختم ہوا بلکہ اس کی "سرکاری" اطلاع بھی انہوں نے ہی اپنی پریس کانفرنس میں فراہم کی' کیا اس کا مطلب ہے کہ دونوں سپر پاورز کسی ایسی مفاہمت کے زیر اثر اقدامات کر رہی ہیں جو امریکی روسی سربراہی کانفرنس کا ایسا شوشہ ہو جس پر مسٹر گورباچوف نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا؟ اگر ایسا نہیں ہے اور امریکہ کا مؤقف خلوص پر مبنی ہے تو مجھے "پہلے انخلا' یا پہلے امداد کی بندش" کی گتھی سلجھتے نظر نہیں آتی کہ اس میں طرفین کی پوزیشن برابر ہے اور ان معاملات میں جب تک کسی دباؤ کا عمل دخل نہ ہو مسئلہ لاینحل بن جاتا ہے' فی الوقت روسی افواج اور کابل کی کٹھ پتلی حکومت پر افغان مجاہدین کا دباؤ ضرور ہے لیکن روس میں اس دباؤ کو برداشت کرنے کی قوت موجود ہے تو اسے چند جہات میں برتری بھی حاصل ہے مثلاً کابل میں اس کی اپنی قائم کردہ حکومت ہے جس کے متبادل کا کوئی بندوبست نہیں ہوا اس نے معاشرتی میدان میں جو ماڈرن ادارے قائم کئے ہیں اور رسم و رواج چلایا ہے انہوں نے یقیناً آٹھ سال میں کچھ نہ کچھ جڑیں پکڑلی ہونگی صرف سب سے بڑھ کر امریکہ نے روس کے خلاف سربراہی کانفرنس کے موقع کو ان معاملات کو طے کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا جو مسئلہ افغانستان کو حل کروا دیتا' وہ موقع اس لئے موزوں تھا کہ ماسکو کانفرنس کی کامیابی کیلئے بے تاب تھا اور اس کیلئے ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہوتا اس سنہری موقع کو کھو کر امریکہ نے افغان مجاہدین کو اصل اور بروقت مدد دینے کا موقع کھو دیا یہ موقع پھر آئے گا لیکن اس کے لئے جون تک انتظار کرنا پڑے گا ۔ پھر ریگن گورباچوف کے اس بار ماسکو میں مذاکرات کی توقع ہے لیکن اگلے مذاکرات ذرا مشکل ہونگے کہ طاقتی نقطہ نگاہ سے لمبی مار کرنے والے میزائلوں میں پچاس فیصد کی کمی پر سمجھوتہ دوررس مؤثرات کا حامل ہوگا لیکن اس کانفرنس کے متعلق دو قباحتیں ہیں ایک تو وہ چھ ماہ بعد ہوگی اور جب تک قیمتی وقت گزر جائے گا اور موجودہ مسئلہ افغانستان کے حل کی پیش رفت رک جائے گی بلکہ ساقط ہو جائے گی اور یوں یہ سال ضائع ہو جائے گا۔ دوسرے نہ معلوم اس وقت امریکی مفاد کا کیا تقاضا ہو؟ انہیں مسئلہ افغانستان کے حل میں دلچسپی بھی ہو یا نہ ہو! اگر وہ ایک بار ہاتھ آئے پرندے کو چھوڑ سکتے ہیں تو دوسری بار بھی اپنے کسی مفاد کی خاطر ایسا کر سکتے ہیں پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سربراہی کانفرنس کی خوشدلانہ

Marfat.com

کارروائی کے بعداب جوامریکی انتظامیہ نے روس کے ساتھ قدرے درشتگی کاوطیرہ اختیار کیا ہے اس کا مقصد ہی ماسکو کوجون کی سربراہی کانفرنس کیلئے ہموار اور پدرا کرنا ہواور کوئی خاص مطلب حاصل کرنا ہو۔سپر پاور زہر قسم کے داؤ پیچ کے اہل اور ماہر ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے مفاد کو آگے بڑھانے کیلئے کرتے ہیں۔مجھے توپچھلی سربراہی کانفرنس سے یہی سبق ملاہے کہ امریکہ مسئلہ افغانستان کے حل سے وابستہ پاکستانی مفادات کی دیکھ بھال میں ادبدا کر غیر فعال رہا ہے۔

ان حالات میں پاکستان کو روس کی پیشکش کابغور جائزہ لیناچاہئے اور ماسکو کے خلوص کو آزمانے کی ایک ہی شرط لگانی چاہئے کہ وہ افواج کے انخلاء کے ایسے انتظام کیلئے رضامند ہو جائے کہ اس میں کوئی رخنہ باقی نہ رہے اور سال کے آخر تک افواج کی واپسی مکمل ہو جائے جہاں تک "کابل حکومت" کا تعلق ہے ڈاکٹر نجیب اللہ کو معلوم ہے کہ اس کادارومدار روسی افواج پر ہے ان کے انخلاء کے بعد وہ قائم نہیں رہ سکتی' لیکن فراست کاتقاضاہے کہ تبدیلی حکومت کے عمل کو صبروتحمل اور وسیع قلبی کی فضاء میں طے ہونے دیا جائے میری رائے میں نظام الاوقات کااس طرح تعین کرکے کہ روسی افواج اس سال افغانستان سے نکل جائیں گی جنیوا کانفرنس کے سمجھوتے کی چاروں شقوں کے پورا ہونے کارستہ نکل آیا ہے اور اس سمجھوتے پر جومسئلہ افغانستان کے حل کی تلاش میں سالوں کی محنت کانتیجہ ہے مزید شرائط کابوجھ نہ ڈالنا چاہئے۔ مسٹر آرماکوسٹ کی شرائط (اور اس پر مستزاد مسٹر شلز کی نئی شرط) کوسن کر اقوام متحدہ کے نمائندے مسٹر ڈیگو کارڈوویز کی بے چینی بے جانہ تھی۔

Marfat.com

Marfat.com

# ڈیڈلائن یا ڈیڈلاک

سوویت یونین کے رہنما سیکرٹری جنرل میخائل گورباچوف نے افغانستان سے سوا یا ڈیڑھ لاکھ روسی افواج کی واپسی کی ڈیڈلائن 15 مئی اس شرط پر مقرر کر دی ہے کہ 15 مارچ تک جنیوا معاہدات پر متعلقہ چار پارٹیوں کے دستخط ہو جائیں۔ یہ چار پارٹیاں پاکستان اور کابل حکومت کے علاوہ امریکہ اور روس ہیں جو ان معاہدات پر عملدر آمد کرانے کی ضمانت فراہم کریں گے۔ جہاں تک معاہدات کا تعلق ہے ان میں سے تین پر تو پہلے ہی مفاہمت ہو چکی تھی یہ معاہدات افغانستان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت' افغانستان میں جمہوریت اور اس کے خود مختار' غیر جانبدار مرتبے کی بحالی اور افغان مہاجرین کی باعزت و باعافیت واپسی کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ چوتھا موضوع روسی افواج کے انخلاء کی تاریخ سے متعلق تھا مسٹر گورباچوف کی مشروط متعین تاریخ سے اس موضوع کا خلاء بھی پورا ہوتا نظر آتا ہے کیونکہ ماسکو کے پیش کردہ دس ماہی نظام الاوقات اور پاکستان کے آٹھ ماہی مطالبے میں زیادہ فرق نہیں رہا جو آئندہ مذاکرات میں نوماہی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ مسٹر گورباچوف نے پاکستان کے جس تقاضے کو بطور خاص اہمیت دی ہے اور تسلیم کیا ہے وہ روسی افواج کے انخلاء کے ابتدائی مرحلے سے تعلق رکھتا تھا کہ اس میں بڑی تعداد یعنی پچاس فیصدی سے اوپر فوجیوں کی واپسی ہونی چاہئے۔ اسی طرح افواج کی واپسی کی نگرانی کے متعلق اقوام متحدہ کے نمائندوں کی موجودگی اور مانیٹرنگ مشینری کی ضرورت کو بھی مان لیا گیا ہے۔ خود مسٹر کارڈویز (جو اقوام متحدہ کی طرف سے اسلام آباد اور کابل میں بالواسطہ مذاکرات کے انچارج ہیں اور جنہوں نے پچھلے دنوں بڑی محنت اور جانفشانی سے دو دارالحکومتوں کے درمیان مذاکرات کے بعد اگلی جنیوا کانفرنس

Marfat.com

کی دو مارچ تاریخ مقرر کی ہے) نیز روسی زعماء کے بیانوں سے مترشح ہوتا ہے کہ چاروں معاہدات کے (مسودے) ڈرافٹس ( Drafts ) بھی تیار کئے جا چکے ہیں اور جنیوا میں ان کے زیر و زبر کی تصحیح کرنا ہی باقی رہ گیا ہے اور شاید اسی لئے مسٹر گورباچوف نے ہونے والے جنیوا مذاکرات کے لئے دو ہفتوں سے زیادہ میعاد نہیں دی اور روسی افواج کے انخلاء کی پندرہ مئی کی تاریخ کو پندرہ مارچ تک چار پارٹیوں کے معاہدات پر دستخطوں کے ثبت ہونے سے مشروط کر دیا ہے۔

اب اس میں کیا شک ہے کہ مسٹر گورباچوف کا اعلان تاریخی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی سپر پاور اپنے سے کہیں چھوٹے اور کمزور ملک کے عوام کی مزاحمت کی تاب نہ لا کر ماڈرن سازوسامان سے لیس اتنی بڑی فوج کی آٹھ سالہ جنگ اور قتال کے بعد پسپائی پر مجبور ہوئی ہو اور اس وقت وہ اپنے سیاسی تدبّر کا اس سے بڑا اور کوئی معرکہ نہ سمجھے کہ وہ امریکنوں کی طرح جو پاؤں سر پر رکھ کر ویت نام سے بھاگے تھے افغانستان سے بھاگے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے واپس نکلے ہیں۔ یہ آٹھ نو دس ماہ جو افواج کو افغانستان سے نکالنے کے لئے مانگے جا رہے ہیں اسی تاثر کی افزائش کے لئے درکار ہیں کہ روسی افواج نے افغان مجاہدین سے شکست نہیں کھائی بلکہ خراماں خراماں خود ارادیت کا پیکر بن کر اپنی خوشی سے افغانستان افغانیوں کو سونپ کر واپس لوٹے ہیں ورنہ روسی افواج کو ملک سے نکالنے کے لئے اس میں داخل ہونے سے زیادہ کیوں وقت لگے؟ مسٹر گورباچوف کا اعلان اسی بناء پر اہم نہیں کہ ایک سپر پاور ایک چھوٹے ملک کے مجاہدوں سے مات کھا گئی اور

ع : لڑادے ممولے کو شہباز سے

کا نقشہ کھنچ گیا بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اس لئے بھی تاریخی حیثیت رکھتا ہے کہ انخلاء محض روسی شکست کا غماز نہیں بلکہ وہ اسلام کے ہاتھوں کمیونسٹ نظریات کی شکست کا اعتراف ہے کہ آخر روسی کمیونسٹوں کو افغانستان میں ہی کیوں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ مشرقی یورپ کے ملکوں میں مزاحمت سے کیوں دوچار نہیں ہوئے حالانکہ وہاں عوام کی اکثریت کمیونزم کے خلاف تھی اور وہ جرمنی کے خلاف گوریلا لڑائی بھی لڑے تھے۔ لیکن جب وہاں روسی فوجیں پہنچیں اور ان کے زیر سایہ متحدہ محاذ کی حکومتیں قائم ہوئیں جن میں کلیدی عہدوں پر تعداد میں نہایت قلیل کمیونسٹوں کے نمائندوں کو بٹھایا گیا تو چند ہی دنوں بعد کمیونسٹ انقلاب کے پیچھے روسی ٹینک اور سنگینیں تھیں۔ غیر کمیونسٹ عوام روسی ہتھیاروں کے سامنے بے دست و پا ہو گئے لیکن کیا وجہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ مہلک ہتھیار افغان مجاہدین کو رام نہ کر سکے۔ اس مختلف مناظر کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ایک جگہ روسی جارحیت کے کشتگان کا ایمان کمزور تھا اور دوسری جگہ اس کے مزاحمت کنندگان کا ایمان ناقابل شکست تھا۔ ایک جگہ چرچ خزیدہ عیسائیت کارفرما تھی تو دوسری جگہ مجاہدین کے ایمان و عزم کو راسخ کر کے انہیں ثابت قدم بنانے کا عامل و محرک اسلام تھا۔

Marfat.com

اس موضوع میں ایک اور حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہے اور وہ ہے افغانستان پر جارحیت کے پس منظر میں پاکستان کے تاریخ آفریں کردار کے لئے صدر ضیاء الحق کی قیادت۔ صدر ضیاء الحق کے بدترین مخالف بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ افغان مجاہدین کے سرفروشانہ جہاد کی کامیابی جس نے روس کو افغانستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا صدر موصوف کی مومنانہ فراست اور اٹل مؤقف کی رہین منت ہے۔ پاکستان نے افغان مجاہدین اور مہاجرین کے لئے جو کردار ادا کیا ہے وہ کم ملک ہی ادا کریں گے۔ وہ بے مثل ہے' بے شک پاکستان نے یہ کردار افغانستان کے لئے ہی ادا نہیں کیا' اپنے دفاع کے لئے بھی ادا کیا ہے کہ افغان مجاہدین افغانستان کی آزادی کی جنگ ہی نہیں لڑ رہے تھے وہ پاکستان کی آزادی کی بھی جنگ لڑ رہے تھے لیکن یہ کردار جس پامردی' مردانہ وار اور بے نفسی سے پاکستان نے اس وقت شروع کیا اور ادا کیا جب وہ تن تنہا کھڑا تھا اور امریکہ دور دور تک نظر نہ آ رہا تھا صدر ضیاء الحق کے فیصلے کا نتیجہ تھا جس مقام عالیہ پر آج پاکستان اور افغان مجاہدین ایک طرف اور جس مقام سفلی پر روس و کابل کی کٹھ پتلی حکومت دوسری طرف کھڑے ہیں صدر ضیاء الحق کی دوربین حکمت عملی کا ثمرہ ہے اگر پاکستان اور افغان مجاہدین روسی افواج کو افغانستان سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے جیسا کہ نظر آ رہا ہے کہ وہ جنیوا کانفرنس میں اس مقصد کو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے (یہاں میں صاحبزادہ یعقوب خان کو یاد کئے بن نہیں گزر سکتا کہ اس کٹھن مسئلے کی پچھلے پانچ چھ سالوں انہی نے سوئیاں چنی ہیں) تو پاکستان ایسے موڑ کو کاٹ لے گا جہاں سے اس کے لئے اپنے علاقے میں ایک عظیم مملکت کا درخشاں باب کھل جائے گا۔

لیکن مستقبل کا خواب دیکھنے سے پیشتر مسٹر گورباچوف کی ڈیڈ لائن کے پیدا کردہ مسائل پر غور ضروری ہے۔ روسی افواج کی واپسی کے لئے پندرہ مئی کی تاریخ کی اس شرط پر پیشکش کہ جنیوا معاہدات پر 15 مارچ تک سب متعلقہ پارٹیوں کے دستخط ہو جائیں۔ صد ہزار تحسین کے لائق ہے کہ وہ ایک بہت بڑی اور تاریخ ساز پیش رفت کی تمہید اور علامت ہے لیکن اس روسی پیشکش کے بروئے کار آنے میں ایک بنیادی شرط کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اب روسی افواج کے انخلاء کا مطلوب و مقصود اس وقت کے مقبوضہ افغانستان کے عوام کو حق خود اختیاری دینا ہے لیکن افغان عوام کو یہ حق تب تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک روسی افواج کی واپسی کے وقت وہ اپنی مرضی کی ایسی حکومت قائم نہ کر سکیں جو عبوری دور میں اقوام متحدہ کے نمائندوں کی مدد سے روسی افواج کے انخلاء کی نگرانی کر سکے اور پاکستان و ایران سے پچاس لاکھ افغان مہاجرین کی باعزت و عافیت واپسی کا انتظام کر سکے دو امور بالکل بدیہی ہیں ایک یہ کہ افغانستان میں نئی حکومت کی تشکیل روسی افواج کی واپسی کا ناقابل گریز لوازمہ ہے کیونکہ جہاں پاکستان اور امریکہ کا تو شروع ہی سے یہ موقف رہا ہے کہ کابل میں حکومت بنانے کا صرف افغانستان کے عوام کا حق ہے وہاں اب روس نے بھی اس بارے میں اپنا پرانا رویہ بدل دیا ہے اور مسٹر گورباچوف نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ

Marfat.com

ہمیں تو ملک سے اپنی فوجوں کو نکالنے سے غرض ہے باقی جہاں تک کابل میں حکومت بنانے کا تعلق ہے وہ ہمارا کام نہیں ہے' وہ خود افغانوں کا کام ہے۔

ان کے اپنے الفاظ میں It is none of our Business.

اور اپنے ادعا کو زیادہ مؤثر ثابت کرنے کے لئے ان الفاظ کا ایزاد کیا Nor for that matter yours اور نہ ہی تمہارا کام ہے۔ گویا کابل حکومت کی تشکیل کے موضوع پر سب متعلقہ پارٹیوں کا اجماع ہے کہ وہ خود افغانیوں کا کام ہے اسی اجماع سے دوسرا نکتہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ جب افغانستان کے عوام کا کھویا ہوا حق خود اختیاری بحال ہو رہا ہے اور اپنی حکومت بنانا ان کا کام بن گیا ہے تو پھر ڈاکٹر نجیب اللہ کی حکومت جسے ببرک کارمل کے بعد روسیوں نے اپنے جابرانہ تسلط کے تحت قائم کیا اور جس کے ارکان کابل میں روسی مشینری کا اٹوٹ انگ اور پرپرزہ ہیں کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ اس کے ارکان کو تو روسیوں کے سازوسامان کے ساتھ واپس ماسکو جانا چاہئے۔ ان کا افغانیوں کے حق خود اختیاری کے استعمال سے کیا تعلق؟ کیا اس کے تقاضوں کے علی الرغم وہ روسی جارحیت کا آلہ کار بنے رہے اور ان کے ہاتھ لاکھوں افغان شہیدوں کے لہو سے رنگے ہوئے ہیں۔ یہ تو روسی قیادت کا اپنا فرض ہے کہ وہ اپنے "وفاداروں" کو پیچھے نہ چھوڑ جائیں کہ اتنا عرصہ ماسکو کے احکامات بجالا کر پی ڈی پی اے حکومت کس طرح افغانیوں کی طرف سے جو اس سے نبرد آزما رہے ہیں' کسی بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کر سکتی ہے؟ صدر ضیاء الحق نے بالکل بجا کہا کہ پاکستان نجیب اللہ کے ساتھ کسی سمجھوتے پر دستخط نہیں کرے گا' پھر بھی اگر پی ڈی پی اے (کابل کی کمیونسٹ پارٹی) کو زعم ہے کہ اسے عوام کی تائید حاصل ہے تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا' آزادانہ ماحول میں عام انتخابات چھوڑ لوئی جرگہ میں ہی اکثریت لے کے دکھادیں۔ لیکن اگر ماسکو نے اپنی یہ ضد چھوڑ دی ہے کہ کابل کی عبوری حکومت میں پی ڈی پی اے کو غلبہ حاصل ہو اور اس نے تمام معاملہ افغانوں پر چھوڑ دیا ہے تو موجودہ غیر نمائندہ کابل حکومت کے لئے جسے پاکستان نے کبھی تسلیم نہیں کیا تحلیل ہو جانے کے سوا چارہ نہیں اور ماسکو کا ان کی پشت پناہی سے ہاتھ اٹھا لینے کا یہی مقصد ہے۔ جس امر کو وہ قریباً سوا آٹھ سال میں پاکستان سے نہ منوا سکا وہ اب اسے منوانے کی کیسے توقع کر سکتا ہے؟ ماسکو اس سے کہیں زیادہ حقیقت پسند ہے جس کا کریڈٹ نجیب اللہ حکومت اسے دینے کو تیار معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی حقیقت پسندی کا ثبوت تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس نے اپنی افواج کی واپسی کے متعلق پاکستان کی ہر شرط مان لی اور خود ساختہ کابل حکومت کو بھی ہوا میں معلق چھوڑ دیا۔ اب مسئلہ صرف یہ ہے کہ معاہدات پر دستخطوں کی تاریخ 15 مارچ تک آج (15 فروری) سے چار ہفتے رہ گئے ہیں اور اسی عرصے میں جنیوا مذاکرات بھی ہونے ہیں اور کابل میں عبوری حکومت بھی بننی ہے۔ پاکستان میں بعض غیر رجائیت پسند سیاسی حلقوں (ان حلقوں نے عموماً صدر ضیاء الحق کی افغان پالیسی سے اختلاف کیا ہے اور ڈاکٹر نجیب اللہ

Marfat.com

سے میل جول بڑھانے میں بھی کسر نہیں رکھی ) کو اندیشہ ہے کہ اگر پاکستانی حکومت نے مسٹر گورباچوف کے دستخطوں کے شیڈول کی پابندی میں لیت ولعل کی تو ڈیڈ لاک پیدا ہو جانے کا خطرہ ابھر آئے گا اور روسی افواج کی واپسی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔

بلاریب مسٹر گورباچوف کا روسی افواج کے انخلاء کا فیصلہ اور اعلان جیسا کہ میں پہلے اعتراف کر چکا ہوں بہت اہم ہے لیکن معترضین کو جاننا چاہئے کہ یہ روسی فیصلہ و اعلان اچانک خیر سگالی کے جذبات امڈ آنے کی وجہ سے نہیں ہوا ان جذبات کے ماوراء کچھ ٹھوس حقائق تھے جن سے مزید چشم پوشی نہ برتی جا سکتی تھی اور کچھ ایسے عوامل کارفرما تھے جنہیں دبایا نہ جا سکتا تھا۔ اس لئے روسی فیصلہ اور اعلان جذبات کی بنا پر نہیں بلکہ حقائق کی بنا پر ہوا اور روس کی موجودہ قیادت کی حقیقت پسندی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان حقائق کو جن کی بنا پر اس نے افواج کی واپسی کی تاریخ مقرر کی ہے 'فروعی خواہشات کی تحریک پر نظروں سے اوجھل نہ کرے گی۔ اب حقیقت یہ ہے کہ افغان مجاہدین پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط اور پرعزم ہیں اور روسی افواج پہلے سے کہیں زیادہ زخم خوردہ اور بد دل ہیں۔ اگر مسٹر گورباچوف نے اپنے بیان پر عالمی خیر مقدم سے شاد کام محسوس کیا تو وہ اس خیر مقدم قدر کو سمجھتے ہیں اور اس سے اپنی شاد کامی کو ضائع کرنے کا ہرگز خطرہ مول نہ لیں گے اور کس کی خاطر؟ نجیب اللہ حکومت کی اس ٹوٹی لکڑی ( Broken Reed ) کی خاطر جو ان کے لئے عصا کا کام دینے سے معذور ہے۔ روسی قیادت کا ضمیر نہ تدبیر نجیب اللہ کا بوجھ اٹھانے کی متحمل ہو سکتی ہے۔ مسٹر گورباچوف کی پندرہ مارچ اور پندرہ مئی کی ڈیڈ لائن کا پاس و قیام چنداں مشکل نہیں۔ جہاں تک معاہدات کا تعلق ہے وہ پہلے ہی تیار ہیں ان پر صرف دستخط ہونے باقی ہیں اور ماسکو ان دستخطوں کی چار ہفتوں میں راہ ہموار کرنے کی پوری استعداد اور احساس رکھتا ہے۔ آخر دستخطوں کی راہ ہموار کرنے کے لئے اس کے سامنے دشواری کیا ہے؟ نجیب اللہ حکومت کو برخاست کرنا! تو کمیونسٹ ملکوں میں حکومت کو برخاست کرنے میں کتنی دیر لگتی ہے؟ ابھی ابھی چیکوسلواکیہ کا سربراہ برخاست کیا گیا ہے۔ اگر یہ اقدام چیکوسلواکیہ (ضمناً نجیب اللہ کے پیشرو ببرک کارمل روسی ٹینک پر سوار کابل میں داخل ہونے سے پہلے اسی ملک افغان کے سفیر تھے ) میں لیا جا سکتا ہے جہاں کمیونسٹ پارٹی کو کسی جنگی مزاحمت کا سامنا نہ تھا تو افغانستان میں کیوں نہیں لیا جا سکتا جہاں خود بقول نجیب اللہ حکومت کی تحویل میں صرف 20 فیصدی علاقہ ہے اور باقی 80 فیصدی علاقہ افغان مجاہدین کے زیر اثر ہے تو نجیب اللہ حکومت کو ڈس مس کرنے کے لئے مسٹر گورباچوف کو کسی جانکاہ مہم کی ضرورت نہیں۔

عام خیال یہی ہے کہ روسی افواج کے انخلاء شروع ہونے سے 24 گھنٹے کے اندر اندر یہ حکومت ہمپٹی ڈمپٹی ( Humpty Dumpty ) کی طرح زمین پر گر پڑے گی۔ نجیب اللہ

Marfat.com

حکومت کو ڈسمس کرنے میں تو مسٹر گورباچوف کو کوئی مشکل پیش نہ آئے گی لیکن اگر ایسا نہ کرنے کی صورت میں پاکستان اور امریکہ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور افغان مجاہدین بدستور مصروف جہاد رہے تو روسی قیادت کو سخت مشکل درپیش ہو جائے گی کہ نہ صرف سوویت یونین کی عالمی ساکھ کو گزند پہنچے گی بلکہ امریکہ سے تعلقات کشیدہ ہوں گے جب کہ ماسکو کی اگلی سربراہی کانفرنس سے امید بندھی ہے کہ دور مار کرنے والے میزائلوں میں پچاس فیصدی کٹوتی پر فیصلہ ہو جائے گا بلکہ افغانستان میں روسی افواج کو مزید نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اخلاقاً و عملاً ہر دو وجوہ پر ماسکو کو نجیب اللہ کو برخاست کرنا پڑے گا ورنہ دنیا میں کوئی ذی شعور انسان یہ بات ماننے کو تیار نہ ہو گا کہ روس افغانیوں کو حق خود اختیاری دینے کے لئے اپنی افواج کو وہاں سے نکال رہا ہے یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی کہ ایک طرف تو روس اتنا بڑا کام سرانجام دینے پر مستعد ہو جائے کہ اپنی افواج کا انخلاء کروائے اور دوسری طرف اپنے اوپر کابل میں ایک غیر نمائندہ کٹھ پتلی حکومت قائم رکھنے کا دھبہ لگوائے۔ عقل تو یہ کہتی ہے کہ یا تو بالکل نکل آؤ اور رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اپنا کوئی چیلا چانٹا وہاں نہ چھوڑ آؤ اور یا وہیں دھرنا مارے بیٹھے رہو اور نتائج کی پروا نہ کرو یا چناں کن یا چنیں! میرا اپنا اندازہ یہی ہے کہ روسی پورا کام کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور وہ صدر ضیاء الحق کا مطالبہ مان کر کابل میں نئی اور قابل منظور حکومت بنانے میں تعاون کریں گے جو مقررہ تاریخ کو افغانیوں کی طرف سے پاکستان سے معاہدات پر دستخط کرنے کے قابل ہو۔

کہا جا سکتا ہے کہ جب پاکستان کابل حکومت سے ان معاہدات کے لئے بالواسطہ جنیوا مذاکرات کرتا رہا ہے جن پر دستخط ہونے والے ہیں تو اسے ان پر دستخط کرنے میں کیوں مضائقہ محسوس ہوتا ہے، تو جواباً عرض ہے کہ اولاً کابل حکومت سے بالواسطہ مذاکرات اسی لئے کئے گئے کہ پاکستان کابل حکومت کو تسلیم نہ کرتا تھا۔ اگر پاکستان کابل حکومت کو تسلیم کرتا تو ان کے درمیان کسی مذاکرات کی ضرورت ہی نہ ہوتی کہ اس صورت میں پاکستان نے افغانستان پر روسی قبضے کا جواز قبول کر لیا ہوتا جیسا کہ ہندوستان اور کابل حکومت میں باقاعدہ تعلقات سے دہلی نے افغانستان پر روس کا قبضہ قبول کر لیا تھا۔ ثانیاً پاکستان اور اقوام متحدہ کی اکثریت کا جھگڑا روس سے تھا کہ اس نے افغانستان کی خود مختاری اور مطلق العنان حیثیت کو پامال کر کے ملک پر فوجی قبضہ جمایا اب جہاں ایک طرف افغان مجاہدین نے میدان کارزار میں اس غیر ملکی قبضے سے نجات حاصل کرنے کے لئے جہاد کیا وہاں دوسری طرف پاکستان نے اقوام متحدہ کے زیر نگرانی اس لئے کابل حکومت سے بالواسطہ مذاکرات شروع کئے کہ وہی حکومت روسی نقطہ نگاہ کی ترجمانی کر سکتی تھی۔ جنیوا کے کابل حکومت سے بالواسطہ مذاکرات دراصل روس سے بالواسطہ مذاکرات تھے کہ ماسکو ہی اپنے مقبوضہ علاقے کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ دے سکتا تھا یا ذمہ داری قبول کر سکتا تھا اس طرح جنیوا مذاکرات کے ذریعے طے کردہ معاہدات کے حقیقی مصنفین اور مرتب کنندگان اسلام آباد اور ماسکو ہیں (موجودہ کابل حکومت اور ماسکو میں کوئی فرق نہیں کہ اول الذکر مؤخر الذکر کے بغیر کوئی معاملہ

Marfat.com

فیصل نہ کر سکتی تھی) اس لئے افغانستان کی طرف سے ان معاہدات پر مہر تصدیق ثبت کرنے کا کابل میں اسی حکومت کو حق ہو گا جسے عوام کا اعتماد حاصل ہو گا نا کہ روس کی ترجمانی کی اہلیت کہ وہی حکومت ان معاہدات پر عمل درآمد کروا سکے گی۔ با الفاظ دیگر نجیب اللہ حکومت اسی لئے ناقابل قبول نہیں کہ وہ روسیوں کی مسلط کردہ افغان کش حکومت ہے اور افغانستان کی غلامی کا نشان ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اب اس کا کوئی مصرف نہیں رہا وہ اپنے روسی آقاؤں کے مصرف کی تھی اور انہی کی خدمت گزاری میں اس نے اپنا وقت گزارا۔ چونکہ اب وہ آقا جا رہے ہیں تو عوام کے لئے اس حکومت کا کوئی مصرف نہیں۔ وہ اپنی حکومت خود منتخب کریں گے ورنہ وہ روسی قبضے سے اپنی آزادی کا مظاہرہ کیونکر کر سکیں گے! سو مجھے کوئی تردد نہیں کہ اگلے چار ہفتوں میں بلکہ دو ہفتوں میں کہ جنیوا مذاکرات کے لئے جو دو مارچ کو شروع ہو رہے ہیں کابل سے نئی مذاکراتی ٹیم جانی چاہیے۔ کابل میں افغانوں کی نمائندہ حکومت قائم ہو جائے گی اور کسی قسم کا ڈیڈ لاک پیش نہ آئے گا۔

البتہ ایک سوال لائق توجہ ہے یہ نئی حکومت کن عناصر پر مشتمل ہو گی؟ اس کا ناک نقشہ کیسا ہو گا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے روس کے افغانستان پر قبضے کے کلی پیدا کردہ حالات کا جائزہ لینا ہو گا۔ اب حقیقت یہ ہے کہ افغانستان کے روسی قبضے سے افغان عوام ہی غلام اور مظلوم نہ بنے اور اپنی جان بچا کر ہمسایہ مسلم ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور نہ ہو بلکہ اس سے پاکستان کی سالمیت بھی سخت خطرے میں مبتلا ہو گئی اگر روس افغانستان کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کا اگلا قدم پاکستان میں پڑنا لازمی تھا جہاں سے وہ بحیرہ عرب میں پہنچ کر خلیج فارس اور اس کی ساحلی امارتوں کے تیل کے ذخائر پر اپنا کنٹرول قائم کر سکتا تھا۔ اس طرح روسی افواج افغانستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کی ہی اہل نہ ہوتیں وہ پاکستان کے آزاد وجود کے لئے بھی مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔ اسی لئے اگر پاکستان نے روس کی انتقامی کارروائی کا خطرہ مول لے کر افغان مجاہدین کی پوری پوری مدد کی اور تیس لاکھ سے اوپر مہاجرین کی حتی الوسع فراخدلی سے میزبانی کی تو اس میں اسلامی اخوت و حمیت کے جذبے کی تحریک تھی مگر اپنے قومی مفادات کے دفاع کا فکر بھی شامل تھا اسی لئے صدر ضیاء الحق نے بار بار کہا کہ افغان مجاہدین افغانستان کی آزادی کی ہی نہیں بلکہ پاکستان کی آزادی کی بھی جنگ لڑ رہے ہیں تو افغانیوں اور پاکستانیوں کا مشترکہ مفاد تھا کہ افغانستان سے روسی افواج نکلیں۔ ان افواج کے انخلاء سے ہی افغانستان اور پاکستان کی آزادی و خود مختاری مستحکم ہوتی ہے۔

اس مشترکہ مقصود کے حصول کے لئے دو راہیں اختیار کی گئیں ایک طرف افغان مجاہدین نے علم جہاد سنبھالا اور پاکستان نے ان کی اقتصادی و اسلحی مدد کا انتظام کیا تو دوسری طرف پاکستان نے عالمی رائے کو روسی جارحیت کے خلاف منظم کیا جس کے مؤثرات نے اقوام متحدہ کے نمائندے مسٹر کارڈوویز کی زیر نگرانی جنیوا کے اسلام آباد اور کابل کے درمیان بالواسطہ مذاکرات کی شکل اختیار کیا۔ سالہا سال کی جدوجہد کے بعد دونوں راہیں مشترکہ منزل کو پہنچ گئی ہیں کہ افغان مجاہدین کی عسکری کوششوں اور پاکستان کی بین الاقوامی سطح پر سفارتی کوششوں کے دباؤ کے نیچے دب کر مسٹر گورباچوف نے روسی فوجوں کی

Marfat.com

واپسی کانظام الاوقات نشر کر دیا۔ یہ افغان مجاہدین اور پاکستان کے لئے بہت بڑی کامیابی ہے اور انا فتحنا لک فتحاً مبیناً کے خطاب کی سزاوار ہے لیکن اس کامیابی کا لمحہ بڑے حزم واحتیاط دانشمندی ودوربینی تحمل و بردباری وسعت ظرفی اور بھاری بھر کی کا متقاضی ہے کہ تاریخ میں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ میدان جنگ میں ایک غلط اقدام سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی ہے۔کیا مسلمانوں نے جنگ احد میں جیتی ہوئی جنگ نہ ہار دی تھی۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کے خلاف اپنی جگہوں پر متمکن رہنے کی بجائے مال غنیمت لوٹنے پر لگ گئے تھے۔اب اس میں کیا شک ہے کہ نجیب اللہ حکومت کی جگہ کسی اور حکومت کو لینی چاہئے جسے افغان عوام کی حمایت حاصل ہو۔ اس مطالبے کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور پاکستان نے تو واشگاف الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ وہ جنیوا معاہدات پر موجودہ کابل حکومت کے ساتھ دستخط نہ کرے گا۔ کم وبیش یہی امریکہ کا مؤقف ہے۔جس نے افغانستان میں خارجی عدم مداخلت کی ضمانت دینی ہے۔ نئی حکومت میں افغان مجاہدین کی مؤثر نمائندگی بلکہ قیادت کی ضرورت بھی اظہر من الشمس ہے۔لیکن چونکہ افغان مجاہدین کے احاطہ اثرورسوخ کے باہر بھی مکاتب فکر اور سیاسی عناصر موجود ہیں اور یہ خالصتاً عبوری دور ہے جس میں حکومت کے فرائض کی نوعیت انتہائی اہم اور نازک ہونے کے ساتھ محدود ہے یعنی روسیوں کے ہاتھوں سے انتقال اقتدار کی ذمہ داری اٹھانا روسی افواج کے انخلاء کی نگرانی لوئی جرگہ یا عام انتخابات کا انعقاد...... مستقل اساس پر حکمرانی اور دستور سازی کے فرائض لوئی جرگہ یا عام انتخابات کے بعد ہی ادا کئے جا سکتے ہیں۔ تو اس قسم کی حکومت وسیع بنیادوں پر ہی تشکیل دی جانی چاہئے تا کہ پوری قوم کی نمائندگی ہو سکے۔اس کے لئے سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ مسٹر گورباچوف کے تاریخی اعلان کی اہمیت کو کماحقہ سمجھا جائے کہ دراصل یہ افغان مجاہدین' پاکستان اور ان کے حمایتیوں کے نقطۂ نگاہ کی کامیابی کا اعتراف ہے اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔جس کا مطلب ہے کہ اول تو افغان مجاہدین کی تنظیمات میں مکمل ہم آہنگی اور اتحاد ہو تا کہ وہ حکومت سازی کے لئے ایک مشترکہ پلیٹ فارم بنا سکیں۔ ان کے اتحاد سے دو آوازیں نہ اٹھنی چاہئیں۔ دوسرے اس امر کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ روس سپر پاور ہی نہیں بلکہ ایک ہمسایہ سلطنت بھی ہے۔افغانستان اور روس ایک دوسرے کی ہمسائیگی سے بھاگ اور بچ نہیں سکتے۔ دونوں میں تعلقات قائم ہوں گے جیسا کہ ماضی میں تھے اور بشرطیکہ آج روسی افواج کے انخلاء اور انتقال اقتدار کے موقع پر خوشدلانہ فضا میں روسیوں کی ملک سے رخصت بروئے کار آئے تو یہ تعلقات زیادہ خوشگوار ہو سکتے ہیں۔ اس وقت حکومت کے وسیع بنیادوں پر قائم ہونے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اس سے ایک ایسے قومی میثاق کے بر آمد ہونے کی امید ہو سکتی ہے جو ہمیشہ ہمیش کے لئے قوم کو آپس میں مربوط اور مضبوط رکھ سکے اور اس سے کوئی ایسا عنصر پیدا نہ ہو سکے جو کیمونسٹوں کی طرح اغیار کا خیمہ بردار بن سکے۔اس لئے اگر پی ڈی پی اے کے ایسے اشخاص جو کیمونزم کی بجائے اسلام پر ایمان رکھتے ہوں شامل حکومت کر لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ مجملاً دو چیزوں کی شدید حاجت ہے ایک افغان مجاہدین کی تنظیمات کے ایسے اکٹھ کی کہ ان کے اتحاد کی دیوار میں کوئی دراڑ نہ پڑ سکے اور دوسرے روسیوں سے عالی حوصلگی کے سلوک کی کہ آئندہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں برابری کے درجے پر استواری پیدا ہو۔

Marfat.com

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس نے اپنے آپ کو افغانستان کی جدوجہد آزادی سے منسلک اور وابستہ کر کے اپنی آزادی کے تحفظ کا سامان کیا ہے کہ افغانستان میں روسی افواج کی موجودگی سے اس کی آزادی معرض خطر میں تھی اس لئے پاکستان اس امر میں حد درجہ دلچسپی اور انہماک رکھتا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے روسی افواج کے انخلاء میں رخنہ پڑے اور وہ مسٹر گورباچوف کے دیئے ہوئے پروگرام کے مطابق افغانستان سے نہ نکلے نیز جہاں پاکستان چاہتا ہے کہ افغانستان میں اسلام کا بول بالا ہو وہاں پاکستان اس چیز کا بھی خواہش مند ہے کہ اس کے اپنے روس سے تعلقات بہتر ہوں۔ ظہور پاکستان سے ہی ہندوستان کے معاندانہ رویئے کے باعث ملک میں کچھ ایسے حالات رہے ہیں کہ وہ سوویت یونین سے دوستانہ مراسم نہ قائم کر سکا جو ہمسائیگی کا تقاضا تھا لیکن خارجہ پالیسی معروضی حالات کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہے تو ان کے مطابق ادلتی بدلتی بھی رہتی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ افغانستان پر روسی فوجی قبضے کی آٹھ سالہ رات کی تاریکی سے پاکستان کے روس سے قریبی تعلقات کی صبح طلوع ہو۔ پاکستان اور روس کے تعلقات کی نہج میں تبدیلی کے کئی محرکات ہیں ایک تو قائداعظم کے فرمان امن اندر امن باہر

Peace with in Peace without

کے مطابق پاکستان کو کل دنیا کے ممالک سے دوستی قائم کرنے کی پابندی ہے۔ دوسرے دور حاضرہ کے مواصلات نے فاصلے اتنے کاٹ دیئے ہیں کہ زمین تنگ ہو گئی ہے اور اب معاملاتی اعتبار سے ملکوں کا عالمی بازار میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے کہ دوسروں سے تعلقات بنائے نہیں بنتی۔ پھر اس معروضی حالت کا ہمسایہ ملکوں پر خاص طور پر اثر مرتب ہوتا ہے اور اگر ہمسایہ ملکوں سے تعلقات میں بھی بگاڑ ہو تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ ہندوستان سے پاکستان کے تعلقات میں کشیدگی ہونے کی وجہ سے ان میں تین جنگیں ہوئیں جن سے سراسر نقصان ہوا۔ روس سے خدانخواستہ اتنی بری صورت حال تو نہیں ہوئی لیکن اس کی افغانستان پر فوجی چڑھائی سے ہمارے لئے تشویش کا ضرور دروازہ کھلا۔ لیکن جس طرح ہر گہرے بادل سے روشنی کی کرن پھوٹتی ہے، اس طرح یہ ہو سکتا ہے کہ اگر روسی افواج کی بخیر و سرعت واپسی عمل میں آ جائے تو پاکستان اور روس میں وجوہ نزاع عوامل دوستی میں تبدیل ہو جائیں۔ اس جہت میں پاکستان ہندوستان سے مسابقت کی نہیں سوچ رہا۔ وہ روس سے ہندوستان کی طرح کسی معاہدہ دوستی کا خواہاں نہیں وہ صرف نارمل ہمسائیگی کے تعلقات کا خواہاں ہے لیکن ان توقعات کے پورا ہونے کا دارومدار روسی افواج کے انخلاء میں گورباچوف کی وعدہ ایفائی پر ہے جہاں پاکستان ہرگز کسی ایسی پیش رفت کا روادار نہ ہو گا جس سے روسی افواج کے انخلاء میں روڑا اٹکے، وہاں روس کو بھی اس بات کا اہتمام کرنا ہو گا کہ پاکستان پر ذمہ داری کا بوجھ کم ہو اور وہ اپنا فریضہ بہ حسن و خوبی ادا کر سکے۔ اس ذمہ داری میں سب سے بڑا بوجھ تیس لاکھ سے اوپر افغان مہاجرین کی باعزت و بحفاظت واپسی کا ہے۔ یہ ایک اور اہم وجہ ہے کہ کابل میں ایسی حکومت قائم ہو جسے ان مہاجرین کا اعتماد حاصل ہو اور اگر ایسی حکومت قائم کرنے میں حصہ اور ذمہ داری لئے بغیر جنیوا مذاکرات پر دستخطوں کا مطالبہ

Marfat.com

کیا گیا تو حالات خراب ہو سکتے ہیں اور افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے کہ افغان مجاہدین کبھی نجیب اللہ حکومت کو تسلیم نہ کریں گے۔ اس کے برعکس اگر مسٹر گورباچوف کے اعلان کا مقصد روسی افواج کی پرامن واپسی ہے یعنی وہ امن سے واپس جائیں اور اپنے پیچھے بھی امن چھوڑ کر جائیں اور پاکستان کو یقین ہے کہ روسی رہنما کے پیش نظر یہی مقصد ہے تو پھر ان پر لازم ہے کہ وہ پاکستان سے کابل میں افغانوں کی ایسی حکومت قائم کرنے میں تعاون کریں جو افغان عوام کو منظور ہو۔ اس باہمی پاکستانی روسی تعاون کو افغانوں کے معاملے میں مداخلت نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا ہدف پرامن فضا میں افغانوں کو ان کی اپنی مرضی کی حکومت فراہم کرنا ہے اور اس تعاون کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ ماسکو نجیب اللہ سے کہے کہ بہت ہو چکی اب اپنا راستہ سنبھالئے اور پوری افغان قوم کو اپنی نمائندہ حکومت بنانے دیجیے (اگر روسی رہنما اپنی افواج کی واپسی کے اعلان سے عملاً یہ بات کہہ رہے ہیں تو اسے الفاظ میں کہنے سے کیوں ہچکچاہٹ! ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان کی نیت نیک نہیں ہے اور وہ اپنے پیچھے جان بوجھ کر خلاء چھوڑے جا رہے ہیں کہ خون خرابہ ہو اور ہمارے ٹھہرنے یا واپس آنے کی راہ ہموار ہو۔ ویسے نجیب اللہ کو از خود پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ خضر حیات کے نقش قدم پر چلنا چاہئے کہ مخالف تحریک پاکستان ہونے کے باوجود جب 3 جون 47ء کو تقسیم برصغیر کا برطانوی اعلان ہوا تو وہ وزارت اعلیٰ سے مستعفی ہو گیا مسٹر گورباچوف کے اعلان کا نجیب اللہ پر بھی وہی اثر ہونا چاہئے کہ نظام بدل رہا ہے تو شخصیتیں بھی بدل جانی چاہئیں) اس تعاون کا دوسرا پہلو اسلام آباد سے متعلق ہے۔ اسلام آباد اپنے اس فرض سے دست کش نہیں ہو سکتا کہ وہ افغان مجاہدین کی تنظیمات میں نظریاتی یک دلی اور عملی ہم آہنگی پیدا کرے اور انہیں کسی ایسی حکومت میں حصہ لینے پر راضی کرے جو وسیع تر بنیادوں پر بنائی جائے اور قوم کے تمام با اثر عناصر کی نمائندگی کرے خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھیں۔ افغان مجاہدین کے لئے یہ وقت اپنی حکومتی بالادستی منوانے کا نہیں بلکہ قوم کے لئے اپنی اخلاقی قیادت قائم کرنے کا ہے تاکہ وہ روسی قبضے کے عذاب سے نکل کر کسی اور مصیبت میں نہ گرفتار ہو جائے۔ انہیں یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ جب شمالی ویت نام کے کمیونسٹوں نے امریکہ کے خلاف (جو جنوبی ویت نام کے کمیونسٹوں کی حمایت کے نام پر وہاں لڑ رہے تھے) فتح پائی تو پیرس امن کانفرنس میں فاتح (شمالی ویت نام) اور مفتوح (جنوبی ویت نام) دونوں پارٹیاں شریک ہوئیں، لیکن بعد ازاں جمہوری اداروں کے اجراء پر جنوبی ویت نامیوں کا نام ونشان مٹ گیا اور ہوچی منہ کامران نکلا۔ اس لئے کل لوئی جرگہ یا عام انتخابات میں افغان مجاہدین کے سامنے جنہوں نے ملک کو روسی قبضے سے آزادی دلوائی کوئی غیر اسلامی عنصر ٹھہر نہ سکے گا اور ان کی مکمل نظریاتی اور حکومتی اجارہ داری ہوگی لیکن یہ خوش کن نتائج تبھی نمودار ہو سکیں گے کہ آج پاکستان اور افغان مجاہدین روسی افواج کے انخلاء کے مرحلے کو بخیر و خوبی پار کر لیں۔ آج سب کو ساتھ لے کر چلنا موت و حیات کا مسئلہ ہے اور اس اجماع واجتماع میں کوئی شکن نہ

Marfat.com

پڑنی چاہئے۔

ایک نکتہ بہرحال واشگاف طور پر بیان ہونا چاہئے۔ پاکستانیوں سے زیادہ افغان مجاہدین اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ پاکستان کی تائید شرکت محنت اور ہر نوع کی قربانی کے بغیر افغان مجاہدین کا جہاد یہ رنگ اثر نہ دکھاتا کہ ایک سپر پاور اپنی جدید ترین اسلحہ سے مزین و مسلح سوا یا ڈیڑھ لاکھ افواج واپس لے جانے پر مجبور ہو جائے۔ اس نکتے سے دو تقاضے پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ پاکستان افغان مجاہدین کو جو مشورہ دے گا خلوص دل سے دے گا ان کے بھلے میں دے گا نیز وہ اس معاملے میں افغان مجاہدین کی رہبری سے اپنا ہاتھ اٹھا نہیں سکتا۔ وہ اتنے لمبے مجاہدے کے نتائج کے پھل کو ٹھکرا نہیں سکتا اس نے جو افغانستان کی آزادی کے حصول کے لئے جان دھڑ کی بازی لگائی ہے اس کے انجام کو تو ڑ تک پہنچانے کا عزم مصمم رکھتا ہے تاکہ افغانستان اور پاکستان روسی افواج کے دباؤ تلے سے نکلیں اور دونوں ملکوں کا اسلامی مستقبل روشن ہو۔ دوسرا تقاضا یہ ہے کہ بالآخر پاکستان کے بوجھ اٹھانے کی سکت کی بھی حد ہے۔ تیس لاکھ سے اوپر مہاجرین کی دیکھ بھال کے بوجھ اور بمباری اور بم بلاسٹ کے جانی مالی نقصانات برداشت کرنے کے علاوہ پاکستان کو مشرقی سرحدوں پر ہندوستان کے جارحانہ انداز عمل کا خطرہ لاحق ہے اور ملک کے دفاع کا مطالبہ ہے کہ اس خطرے کے سدباب پر پوری توجہ مرکوز کی جائے جس کا مطلب ہے کہ یہ ہماری قومی ضرورت ہے کہ جلد سے جلد مغربی سرحد کو پرامن بنایا جائے اور اس میں انہماک سے فراغت پائی جائے۔ ان تقاضوں کے پیش نظر پاکستان کی افغان مجاہدین سے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ وہ بھی پاکستان کے مفاد کا خیال رکھیں اور ایسا تعمیری طرز عمل اختیار کریں جس سے روسی افواج کا انخلاء شروع ہو اور اس سال کے اواخر تک سرانجام کو پہنچ جائے اور ڈیڈ لاک نہ بننے پائے۔ مختصراً مسئلہ افغانستان بین الاقوامی مسائل کی فہرست سے خارج ہو اور پاکستان اپنے دوسرے گمبھیر مسائل کے حل کی طرف متوجہ ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

# کیا پاکستان اکیلا رہ گیا؟

پہلے پاکستان نے کہا کہ آئندہ کابل میں حکومت سازی افغانوں کا مسئلہ ہے' پھر امریکہ نے ہماری تائید میں روسیوں کو متنبہ کیا کہ وہ اس معاملے میں دخل اندازی نہ کریں' یہ افغانوں کا مسئلہ ہے کہ وہ روسی افواج کے انخلاء کے وقت جس طرح کی چاہیں حکومت بنائیں۔ افغان مجاہدین تو شروع دن سے کہہ رہے ہیں کہ ان کی روسیوں کی مسلط کردہ حکومت سے لڑائی ہی اسی لئے ہے کہ افغانستان میں حق خود اختیاری افغانوں کو حاصل ہونا چاہئے۔ مزید برآں اقوام متحدہ بھی اس مسئلے پر پاکستان' امریکہ اور افغان مجاہدین کے مؤقف سے متفق تھی۔ جب چاروں طرف سے روس کو راہ فرار نہ ملی تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور جنرل سیکرٹری گورباچوف نے اس ماہ کی آٹھ تاریخ کا اعلان کر دیا کہ وہ 15 مئی سے اپنی افواج افغانستان سے نکال رہے ہیں اور انہیں بھی آئندہ کابل حکومت کی تشکیل سے کوئی سروکار نہیں یہ افغانوں کا مسئلہ ہے۔ بظاہر تو اصول کی فتح رہی اس کا بول بالا ہوا لیکن عملاً کیا صورت حال ہے؟ کیا افغانوں کو واقعی **حق خود اختیاری مل گیا؟** کیا وہ واقعی اپنی مرضی کی نئی حکومت بنا سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب ہے نہیں' ہرگز نہیں کہ روسی افواج تو نکل رہی ہیں اور مسٹر گورباچوف نے افغانوں کا یہ حق بھی تسلیم کر لیا ہے کہ افغان خود اپنی حکومت بنا سکتے ہیں لیکن انہوں نے افغانوں کو فی الحقیقت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی کہ وہ کابل میں اپنی کٹھ پتلی حکومت کو مستحکم و متمکن کر کے جا رہے ہیں۔ گویا اصولی طور پر تو مسٹر گورباچوف نے افغانوں کا استحقاق حکومت سازی مان لیا لیکن عملی طور پر انہوں نے افغانوں کی راہ میں نجیب اللہ حکومت کی سد سکندری کھڑی کر دی' تو اس کا صاف مطلب ہے کہ ان کا یہ اعلان کہ آئندہ کی افغان حکومت بنا

Marfat.com

افغانوں کا کام ہے' مبنی بر خلوص نیت اور صدق دلی نہ تھا بلکہ حقیقتاً انہوں نے اس سے زیادہ سخت طرز عمل اختیار کیا جو کچھ عرصہ پہلے وہ نجیب اللہ کے توسط سے "قومی رجوع ور ضامندی" National Reconciliation کی مزعومہ بنا پر ایک مخلوط حکومت بنانے کا تجربہ کر رہے تھے جس میں انہیں ناکامی ہوئی تھی۔ یہ اقدام اس لئے سخت تر ہے کہ جہاں "قومی رجوع ور ضامندی" کی حکومت کے متعلق کہا جارہا تھا کہ اس کا سربراہ غیر کمیونسٹ ہو گا اور اس میں اکثریت غیر پی ڈی پی اے عناصر کی ہوگی تو موجودہ کابل حکومت جسے روسی اپنے پیچھے چھوڑے جارہے ہیں سکہ بند کمیونسٹوں پر مشتمل ہے اور روسی حکومت کا ذیلی ادارہ ہے۔ اس اقدام سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں روسی اپنی وہ آٹھ سالہ مہموں اور مقاصد میں سراسر ناکام رہے کہ وہ نہ فوجی طور پر افغانوں کو زیر کر سکے ہیں اور نہ افغانستان میں اپنی نظریاتی سیاسی دکان (حکومت اور پارٹی) چلا سکے (جیسا کہ وہ مشرقی یورپ کے ممالک میں کر سکے ہیں) وہاں انہوں نے ابھی اپنے سامراجی ارادوں کو خیرباد نہیں کہا اور وہ جاتے جاتے بھی ایسی صورت حال پیدا کر کے جانا چاہتے ہیں کہ ان کی مراجعت کا رستہ کھلا رہے اور یہ کیونکر کھلا رہے گا؟

اب فرض کیجئے کہ موجودہ صورت قائم رہتی ہے یعنی نجیب اللہ حکومت کابل میں برا جمان رہتی ہے اور جنیوا معاہدات پر دستخط کر دیئے جاتے ہیں تو افغانستان کی کیا شکل ہو گی؟ ظاہر ہے کہ نجیب اللہ حکومت افغان مجاہدین کو ہر گز قابل قبول نہ ہو گی اور وہ اسے بزور ہٹانا چاہیں گے اس کا مطلب ہے کہ افغانستان خانہ جنگی کی گرفت میں پڑ جائے گا اور نہ صرف خانہ جنگی شروع ہو گی جس سے مزید افغان خون بہے گا (پہلے ہی دس لاکھ افغان شہید ہو چکے ہیں) بلکہ وہ اس لئے طوالت پکڑے گی کہ نجیب اللہ حکومت کو روسی جنگی ساز و سامان مہیا ہوتا رہے گا (یہاں اس نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ جہاں جنیوا معاہدات کی رو سے افغان مجاہدین کو معاہدات پر دستخط ہونے کے بعد ساٹھ دن کے اندر اندر امریکی امداد سمیت تمام خارجی امداد بند ہو جائے گی وہاں کابل حکومت کو روسی امداد کی فراہمی پر کوئی پابندی لاگو نہیں ہو گی) گویا ایک طرف نجیب اللہ حکومت کی کمیونسٹ فوجیں تازہ بتازہ اور نو بنو ہتھیاروں سے مسلح ہونگے تو دوسری طرف افغان مجاہدین بغیر کسی خارجی اسلحی امداد کے دشمن سے نبرد آزما ہوں گے دونوں طرف سے افغان نوجوان ہی مارے جائیں گے بالفاظ دیگر اپنی پالیسیوں سے روسی ایسی خانہ جنگی کا اہتمام کر کے جانا چاہتے ہیں جو افغان نسل کشی پر منتج ہو۔ ایسے خطرناک جنگی سماں میں افغان مہاجرین کے وطن واپس جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ اور ہزاروں لاکھوں افغان وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں اور پاکستان اور ایران کے مہاجروں کی تعداد میں کثیر اضافہ ہو جائے اور ان اسلامی ملکوں کے لئے میزبانی کا بوجھ کئی گنا بڑھ جائے پوچھنا یہ ہے کہ ایسی پیش رفت کا خطرہ کیوں پیدا ہو رہا ہے؟ معاف کیجئے (معافی میں ان حلقوں سے مانگتا ہوں جنہوں نے گورباچوف کے اعلان پر اس کے مضمرات کو سوچے سمجھے بغیر تحسین و

Marfat.com

مرحبا کے ڈونگرے برسائے اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ بے چون و چرا جنیوا معاہدات پر مہر تصدیق ثبت کر دے) اگر روس افغانستان کو پر امن چھوڑنا چاہتا تو اس کا فرض تھا کہ وہ اپنی فوجوں کے انخلاء کے ساتھ ہی پاکستان اور افغان مجاہدین سے اگلی ایسی حکومت کے قیام پر مذاکرات کرتا جو واقعی افغانوں کو قابل قبول ہوتی۔ افغانستان میں سارا فتنہ ہی روس کے ایسی حکومت قائم کرنے پر اصرار سے بپا ہوا جو اس کے عوام کی نمائندہ اور ترجمان نہیں ہے۔ اگر ببرک کارمل روسی ٹینک پر چڑھ کر برسر حکومت آیا اور مسترد کر دیا گیا تو نجیب اللہ بھی روسیوں کا پٹھو ہے۔ اسے افغانوں کا اعتماد حاصل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دو حضرات افغانوں کو منظور ہوتے تو نہ افغان مجاہدین علم جہاد اٹھا سکتے اور نہ خاسر و نامراد اور روسی فوجیں واپسی پر مجبور ہوتیں۔ اگر مسٹر گورباچوف کا اعلان افغانستان میں حقائق کے صدق دلانہ اعتراف پر مبنی ہوتا تو انہیں اس حقیقت کو بھی ماننے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہونی چاہئے تھی کہ افغانوں کو نجیب اللہ حکومت قبول نہ ہوگی اور وہ اپنی فوجوں کی واپسی کی تاریخ مقرر کرنے کے ساتھ ہی ایک نئی اور افغانوں کے لئے قابل قبول حکومت کی راہ ہموار کرنے میں بھی کوئی قدم اٹھاتے اور "یہ نہ ہمارا کام ہے نہ تمہارا" کہہ کر معاملہ جوں کا توں نہ چھوڑتے جس کا نتیجہ تعطل یا خانہ جنگی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ عمل خاص طور پر اس لئے بھی مستحسن نہیں کہ مہاجرین کی واپسی کے معاہدے میں، جس پر پاکستان اور کابل حکومت نے صاد کرنا ہے اس امر کا صاف ذکر ہے کہ ایسے سازگار حالات پیدا کئے جانے لازمی ہیں جن میں مہاجرین باعزت و باعافیت اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔ اس مقصد کے لئے مسٹر کارڈووز نے کابل، ماسکو اور واشنگٹن میں گفتگو کی تو افغان مجاہدین کے سات جماعتی اتحاد کے لیڈروں سے بھی بات چیت کی۔ ان مذاکرات کا ایک ہی ہدف مقصود تھا کہ روسی فوجوں کے انخلاء کے وقت کابل میں نئی مخلوط حکومت قائم ہو جو روسی فوجوں کی واپسی کی نگرانی (کیا نجیب اللہ حکومت کو، جس کا جواز ہی روسی افواج کی افغانستان میں موجودگی ہے، ان افواج کے انخلاء میں کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے؟) کے ساتھ لوئی جرگہ یا عام انتخابات کے انعقاد کا انتظام کرے۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ امریکہ نے بھی اس قسم کی حکومت کے قیام میں جسے افغان عوام کا اعتماد حاصل ہو چنداں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ شلز سے ملاقات کے بعد ان سے اپنی بات چیت کے متعلق وزیر مملکت زین نورانی زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ امریکی انتظامیہ کابل میں عبوری حکومت بنانے کے "خلاف" ( Averse ) نہیں ہے یہ تو کوئی مثبت دوستانہ ردعمل نہ ہوا امریکی ترجمان نے زیادہ کھل کر بات کی اس نے کہا کہ عبوری حکومت "پسندیدہ" چیز ہے لیکن اولیت روسی افواج کے انخلاء کو حاصل ہے۔ گویا اس معاملے پر روس اور امریکہ میں زیادہ اتفاق رائے ہے اور نئی عبوری حکومت کے مطالبے میں پاکستان اکیلا رہ گیا ہے۔

Marfat.com

شاید اس بارے میں صدر ضیاء الحق کو کوئی زخم لگا ہے کہ ان سا صابر متحمل اور اپنے اوپر ضبط رکھنے والا صاحب اقتدار بھی اپنے درد کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکا انہوں نے مدیران جرائد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سربراہی کانفرنس میں امریکہ اور روس میں سمجھوتہ ہو گیا اور اس کو نکلوں کی دلالی میں ہمارا منہ کالا ہو گیا۔ انھوں نے بتایا کہ پچھلے دسمبر سربراہی کانفرنس کے اگلے دن مسٹر گورباچوف نے اخبار نویسوں کے سامنے روسی افواج کے ایک سال میں انخلاء کا اعلان کر دیا اور اس عمل کو کابل میں عبوری حکومت کی تشکیل سے غیر متعلقہ کر دیا۔ مطلب یہ کہ نہ امریکہ اور نہ روس نے عبوری حکومت کا کوئی ذکر کیا۔ صدر مملکت کو پہلے یہ بات کہنا زیب نہ دیتا ہو لیکن میں نے سربراہی کانفرنس سے بہت پہلے امریکی پالیسی کے نشیب و فراز کا مطالعہ اور تجزیہ شروع کر دیا۔ دراصل میرا ماتھا اسی روز ٹھنکا تھا جولائی (87ء) امریکی ایوان نمائندگان کی امور خارجہ کی جنوبی ایشیا اور خطہ اوقیانوس کے معاملات کی سب کمیٹی میں ارشد پرویز کے "جرم" کی صدائے بازگشت سنائی دی تھی اور سب کمیٹی کے صدر مسٹر سٹیفن سولارز نے پاکستان (پاکستان کو ارشد پرویز کے "جرم" میں ملوث کیا گیا تھا) کے امریکی قوانین توڑنے اور امریکی اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی پاداش میں پاکستان کی امریکی امداد کے بند ہونے کے موثرات پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے امریکہ کی "افغان پالیسی" کو دھچکا پہنچے گا کہ پھر پاکستان اس پر چلنے سے انکاری ہو سکتا ہے۔
مسٹر سولارز کے اس بیان پر میں نے 31 جولائی 87ء کو ایک مضمون بعنوان "امریکی افغان پالیسی کیا ہے؟" لکھا تھا جس میں میں نے کہا تھا کہ اب تک تو ہم یہی سمجھتے رہے ہیں کہ افغان مجاہدین اور پاکستان نے افغانستان پر روسی قبضے کے خلاف مزاحمت کی پالیسی اختیار کی جس میں دو سال کے توقف کے بعد امریکہ بھی شامل ہو گیا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ امریکہ کی اپنی الگ کوئی "افغان پالیسی" ہے لیکن اگر مسٹر سولارز کا یہ ادّعا ہے تو اس امریکی "افغان پالیسی" کی ضرور کھوج لگانی چاہئے۔ چنانچہ میں نے اسی مضمون میں اس کی کھوج لگائی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ امریکی افغانستان میں افغان مجاہدین کی بلاشرکت غیرے فتح و کامیابی کے ابھرتے ہوئے امکانات سے چنداں خوش نہیں ہے کہ ان کے توسط سے کابل میں اسلامی بنیاد پرستوں Islamic Fundamentalists کی ہی حکومت قائم ہو سکتی ہے جس سے وہ سخت الرجک ہے اور اس بنا پر عبوری حکومت کے معاملے میں وہ ماسکو کی اُڑائی ہوئی ظاہر شاہ کی پتنگ لوٹنے کی طرف لپکتا نظر آتا تھا۔
اس طرح "ماسکو کی ترجیح تو سمجھ میں آتی ہے کہ کابل میں روسی اثر و رسوخ کا در ظاہر شاہ کے دور حکومت میں کھلا تھا لیکن جو نکتہ فہم سے بالا ہے وہ یہ ہے کہ ظاہر شاہ کے بارے میں واشنگٹن بھی ماسکو کی تجویز اور رائے سے متفق ہے اور جب یہ دو سپر پاورز کسی تیسرے چھوٹے ملک کے بارے میں ہم خیال ہو جائیں تو دال میں کچھ کالا ضرور ہوتا ہے اور ہمیں اسی کالے عنصر کا پتہ لگانا چاہئے کہ اس سے ہم پہلے بھی ڈسے گئے ہیں۔ میرا اشارہ مشرقی پاکستان کی طرف ہے روس نے تو آخر میں آ کر ہندوستان سے معاہدہ

Marfat.com

دوستی کیا تھا جس سے پاکستان دولخت ہوا امریکی زعماء دانشور اور سیاستدان عرصہ دراز سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کو علیحدہ کرنے پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے اس مقصد کیلئے مال بھی لگایا اور عقل بھی لڑائی۔ اب ماسکو اور واشنگٹن ظاہر شاہ کی تاج پوشی پر اس لئے راضی نظر آتے ہیں کہ دونوں سپر پاورز چاہتی ہیں کہ کم از کم حکومتی سطح پر افغانستان نیم اسلامی حکومت ہی رہے۔ ——— ورنہ اگر مجاہدین کا سات جماعتی اتحاد برسر اقتدار آ گیا تو کابل میں ٹھیٹھ اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی جس سے وسط ایشیائی مسلم "نرم پیٹ" میں مروڑ آنے کا تو خطرہ ہے ہی لیکن اس پیش رفت سے امریکہ بھی شاداں و فرحاں نہ ہو گا کہ اس کا ایران کے اسلامی "بنیاد پرستوں" سے پالا پڑ چکا ہے اور "بنیاد پرستوں" کے لئے اس کا ہاضمہ سخت کمزور ہے تو کیا اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے یہ بہترین طریق کار نہیں کہ افغانستان کے معاملات کو نئی امریکی "افغان پالیسی" کے تحت موجودہ شکل میں منجمد کر دیا جائے۔ ماسکو سے سمجھوتے کے تحت روسی افواج بھی واپس چلی جائیں اور مجاہدین کو مکمل فتح سے محروم رکھا جائے اور اس معرض تعطل میں ظاہر شاہ کے تحت ایک لبرل حکومت وجود میں آ جائے جو سپر پاورز کے درمیان غیر جانبدار رہے۔ نہ اسلامی بنیاد پرستی سے امریکی حسیات کو ٹھیس لگے اور نہ روسی "نرم پیٹ" میں کوئی نشتر چبھے۔ اب اگر امریکہ کی نئی "افغان پالیسی" کا یہ ہدف مقصود ہے میں نے استدلال کیا "تو پاکستان اور افغان مجاہدین کو امداد کی ضرورت خود بخود ساقط ہو جاتی ہے" اس وقت جولائی 87ء میں پاکستان کی ایڈ کا سوال معرض نزاع میں پڑا ہوا تھا تو وہ صورت حال دوبارہ ہمیں درپیش ہے کہ جہاں افغان مجاہدین کی امداد تو جنیوا معاہدات پر دستخطوں کے بعد ساٹھ دن کے اندر اندر بند ہونی ہی ہے وہاں یہ موضوع بڑی تیزی سے زیر بحث آ رہا ہے کہ مسئلہ افغانستان کے حل کے بعد پاکستان کو مدد کیوں جاری رکھی جائے۔

پھر شروع دسمبر میں سربراہی کانفرنس کے انعقاد سے پہلے کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کانفرنس سے پاکستان کو زیادہ توقعات وابستہ نہ کرنی چاہئیں کہ اس کا جذبہ محرکہ۔ یہ پاورز کے مقاصد میں ہم آہنگی پیدا کرنا معلوم ہوتا ہے نا کہ علاقائی تنازعات کے حل کی تلاش و جستجو۔ چنانچہ میں نے اپنے پانچ دسمبر کے (کانفرنس دس گیارہ بارہ دسمبر کو منعقد ہوئی)
کے مضمون میں لکھا "مجھے ریگن گورباچوف مذاکرات کے نتائج پاکستان کے افغان مؤقف کے حق میں چنداں روشن نظر نہیں آتے" میرا مؤقف تھا کہ ایسی سربراہی کانفرنسیں کسی اصول کے نفاذ اجراء کے تعاقب میں منعقد نہیں ہوتیں۔ وہ سودے بازی کے لئے ہوتی ہیں۔ ان کا مقصد حق و باطل کا فیصلہ کرنا نہیں ہوتا اور وہ کامیاب ہوتی ہیں تو چھوٹے ملکوں کی قیمت پر اور اس ضمن میں میں نے یالٹا کانفرنس کا بھی حوالہ دیا میں نے لکھا "یاد رکھئے کہ سربراہی کانفرنس میں ایک دوسرے کو غلط صحیح، جھوٹا سچا نہیں ثابت کیا جاتا، معاملے اور سودے کی بات ہو رہی ہے مفاہمت کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ اس لئے گورباچوف کو

Marfat.com

افغانستان میں روس کی کمزور پوزیشن کا اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں۔ وہ تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کمزور تر کر کے آپ کو کیا فائدہ حاصل ہو گا؟

اگر آپ نے (یعنی مسٹر ریگن نے) روس کو ذلیل کروا کے افغانستان سے نکلوا دیا اور اس کا وہاں کوئی اثر و رسوخ نہ رہنے دیا تو (اس علاقے میں) ایک زبردست مسلم بلاک کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیے جس میں اتنی طاقت ہو گی کہ وہ عربوں کی پشت پناہی کر کے آپ کے چہیتے اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بجوا دے گا۔ اس دلیل و منطق کا مسٹر ریگن اور امریکہ کے زعماء پر ضرور اثر ہو گا کہ مغرب کے سر پر پان اسلام ازم ( Pan Islamism ) کا بھوت سوار ہے۔ چونکہ سیاست میں ہر چیز ممکن ہے اور اس میں کوئی لفظ 'لفظ آخر نہیں ہوتا تو ہزار اعلانات کے باوجود مسٹر ریگن مسٹر گورباچوف کی مدد کے لئے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں اور اثبات میں جواب دے سکتے ہیں"۔

جب بعد ازاں سربراہی کانفرنس ہوئی تو اس کے نتائج نے میری پیش گوئی پوری کی' کانفرنس سے امریکی روسی تعلقات کو تو فروغ حاصل ہوا اور منظر نگاروں نے لکھا کہ شرکائے کانفرنس' وابستگان انتظامیہ اور واشنگٹن کے مہا پُرش سیاستدانوں پر انبساط و مسرت سے وجد کا عالم طاری تھا۔ درمیانی مار کے میزائلوں کے سمجھوتے کے بعد دور مار کے میزائلوں کی پچاس فیصدی کٹوتی کے سمجھوتے کی طرف بھی قدم بڑھ رہے تھے اور ایک اور سربراہی کانفرنس (اس بار ماسکو میں) جسکی اگلے جون میں تاریخ بھی مقرر ہو گئی تھی لیکن ابھی کسی علاقائی تنازعے کو طے کرنے کی کوشش تک نہ کی گئی۔ یہاں تک کہ مسئلہ افغانستان (جس کے حل سے اتنی توقعات وابستہ کی گئی تھیں) پر نامہ نگاروں کے استفسارات پر سرکاری ترجمانوں کے پاس اس کے سوا کہنے کو کچھ نہ تھا کہ بھئی کوئی کھیل ہی نہیں ہوا نتیجہ کیا نکلتا؟ اب بے شک علاقائی تنازعات کو سلجھایا نہ گیا لیکن ترجمانوں کا یہ کہنا غلط تھا کہ ان پر کوئی کھیل نہ ہوا۔ باہمی نیوکلیئر آئی دفاع اور تعلقاتی خوشگواری کی فصیلیں اٹھا کر فٹ بال تو انہی علاقائی تنازعات سے کھیلا گیا۔ مسئلہ افغانستان کو لیجئے' اعلامئے کی زبان میں اس پر کاروباری انداز میں ( Businesslike ) گفتگو ہوئی۔ اس کاروباری معاملات پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے 22 دسمبر 1987ء کو اپنے مضمون "سربراہی کانفرنس اور افغانستان" میں لکھا تھا "اب جہاں بی بی سی نے اطلاع دی کہ امریکی ڈیلی گیشن نے کانفرنس میں افغانستان پر بغیر کسی تیاری کے شرکت کی وہاں اس ملک کی قسمت کے متعلق کلیدی جملہ مسٹر گورباچوف کی زبان سے ادا ہوا۔ انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں فرمایا میں یہ نہیں مانتا کہ ہم نے علاقائی مسائل پر بہت گہرائی سے بحث کی لیکن پھر بھی مجھے احساس ہے کہ امریکہ کی انتظامیہ نے علاقائی مسائل پر پہلے سے زیادہ حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ علاقائی مسئلوں میں ہمیں تو سب سے زیادہ افغانستان سے تعلق تھا تو مسٹر گوربا چوف کے بیان سے ظاہر ہے کہ امریکی سربراہ نے روسی سربراہ کے بیان کے مطابق افغانستان کے متعلق

Marfat.com

"حقیقت پسندانہ رویّہ" اختیار کیا اور انہیں اس کے بارے میں کسی مخمصے میں نہیں ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر گورباچوف کٹھ پتلی کابل حکومت کے سربراہ ڈاکٹر نجیب اللہ کے بیان سے آگے نہ بڑھے اور کوئی متعینہ نظام الاوقات دینے کی بجائے "بارہ ماہ یا اس سے کم" کا فارمولا دہرانے پر قانع رہے۔ گویا سربراہی کانفرنس نے مسئلہ افغانستان کو حل کرنے میں کوئی اقدام نہیں کیا' اس کی وجہ؟ کیا مسٹر ریگن مسٹر گورباچوف کے مقابلے میں افغانستان کے متعلق کمزور پوزیشن سے بات کرنے پر مجبور تھے؟ امریکی ذرائع ابلاغ سے تو یہ تاثر نہیں ملتا بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف افغان مجاہدین فاتح و ناصر ہیں بلکہ امریکہ ان کی پشت پناہی پر ہے۔ پھر اس امریکی انتظامی و عوامی مؤقف کو کانفرنس میں کیوں چپ لگ گئی کہ مسٹر گورباچوف نے اس مسئلے پر کسی کمٹ منٹ کی ضرورت محسوس نہ کی اس کی دو وجوہ ہی ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ امریکہ و روس کے سربراہ باہمی تعلقات کے پیچ و خم میں گم رہے دوسرے علاقائی تنازعات پر سودے بازی ہوئی جس کے تقاضے کے مطابق انہیں جوں کا توں چھوڑ دینا قرار پایا اور یہ فیصلہ ہوا کہ جس بڑی طاقت کا جو مسئلہ ہے وہ اسے خود اپنی مرضی و مفاد کی روشنی میں نمٹائے"۔ امریکی روسی کاروباری تعلقات اور سودے بازی کی میں نے ایک مثال بھی دی اور لکھا "بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق روس نے امریکہ کا نکاراگوا (امریکہ کا مسئلہ) کے بارے میں یہ رعایت دی کہ وہ اب اس کی روس نواز گورنمنٹ کو مزید بھاری اسلحہ فراہم نہ کرے گا۔ اس رعایت سے یقیناً امریکہ نے اطمینان کا سانس لیا ہو گا۔ نکاراگوا میں (بالآخر جنوبی امریکہ ریاست ہائے متحدہ کے حلقہ اثر کا حصہ ہے) اس کے "جمہوریت پسند" گوریلے سوشلسٹ حکومت سے نبرد آزما ہیں اس رعایت کا جواب رعایت سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ اب یہ رعایت مسئلے کے مقابلے میں کسی مسئلے سے گھرے ایسے ملک میں دی جا سکتی تھی جو امریکہ کے زیر اثر ہو لیکن روس کے لئے باعث تصدیع ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ملک افغانستان ہی ہو سکتا ہے جہاں روسی افواج افغان مجاہدین کے محاصرے میں ہیں جنہیں امریکہ سے امداد ملتی ہے"۔

تعجب کی بات یہ ہوئی کہ جہاں امریکہ نے سربراہی کانفرنس کو تو مسئلہ افغانستان (یا دیگر علاقائی تنازعات) کے حل کے لئے استعمال نہ کیا اور نہ نظام الاوقات کا تعین کروایا اور نہ کابل میں انتقال اقتدار کے وقت کسی غیر جانبدار حکومت کی تشکیل کا وعدہ لیا۔ وہاں جب روس کی طرف سے روسی افواج کے انخلاء کے لئے معینہ عرصے اور تاریخ کا اشارہ ہونے لگا تو واشنگٹن کے زعماء نے کڑی کڑی شرطیں لگانی شروع کر دیں جن کی طرف پہلے کبھی اشارہ نہ ہوا تھا۔ ایک طرف انڈر سیکرٹری آف سٹیٹ مائیکل آرماکوسٹ اسلام آباد آئے اور اس بات پر مصر ہوئے کہ روسی فوجیں تیزی سے نکل جائیں تاکہ افغانوں کو حق خود اختیاری حاصل ہو۔ ملک کی غیر جانبداریت کا درجہ بحال ہو اور مہاجرین کو بلا روک اپنے گھروں کو لوٹنے کی کھُل ہو (اور یہ سب کچھ کابل میں نئی عبوری حکومت قائم کئے بغیر وقوع پذیر نہ ہو سکتا تھا) دوسری

Marfat.com

طرف سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے یہ مطالبہ کر دیا کہ مجاہدین کی امریکی امداد کے ساتھ نجیب اللہ حکومت کو روسی اسلحی فراہمی بھی بند کی جائے حالانکہ معاہدات میں اس امر کا اس مفروضے کی بنا پر کوئی ذکر نہیں کہ روسی فوجوں کے انخلاء کے ساتھ کابل میں نئی عبوری حکومت قائم ہو جائے گی۔ میں نے 14 جون 88ء کو ''امریکی یقین دہانی کی افادیت...... یعنی چہ؟'' کے عنوان سے لکھا ''دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت امریکہ کے سخت مؤقف کے پیچھے کیا محرکات کارفرما ہیں جب کہ اس نے سربراہی کانفرنس میں روس کو ان سنگین نکات سے دوچار نہیں کیا۔ ایک بات تو یہ نوٹس میں آئی کہ مسٹر آرماکوسٹ کے لئے (جیسا کہ ان کی پریس کانفرنس میں چند ریمارکس سے مترشح ہوا) مسٹر شیورڈ ناڈزے کی کابل یاترا اتنی ''غیر متوقع'' نہ تھی جتنی پاکستان کے لوگوں کو نظر آئی' دوسری بات یہ لائق توجہ تھی کہ خوست کا محاصرہ ان کی اسلام آباد میں موجودگی میں ختم ہوا بلکہ اس کی ''سرکاری'' اطلاع بھی انہوں نے ہی اپنی پریس کانفرنس میں فراہم کی۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ دونوں سپر پاورز کسی ایسی مفاہمت کے زیر اثر اقدامات کر رہی ہیں جو امریکی روسی سربراہی کانفرنس کا ایسا شوشہ ہے جس پر مسٹر گورباچوف نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا؟۔

اگر ایسا نہیں اور امریکہ کا مؤقف خلوص پر مبنی ہے تو مجھے ''پہلے انخلاء یا پہلے مجاہدین کی امداد کی بندش'' کی گتھی سلجھتے نظر نہیں آتی کہ اس میں طرفین کی پوزیشن برابر ہے اور ان معاملات میں جب تک کسی دباؤ کا عمل دخل نہ ہو مسئلہ لاینحل بن جاتا ہے۔ فی الوقت روسی افواج اور کابل کی کٹھ پتلی حکومت پر افغان مجاہدین کا دباؤ ضرور ہے لیکن روس میں اس دباؤ کو برداشت کرنے کی قوت موجود ہے بلکہ اسے چند جہات میں برتری بھی حاصل ہے مثلاً کابل میں اس کی اپنی قائم کردہ حکومت ہے جس کے متبادل کا کوئی بندوبست نہیں ہوا۔ پھر سب سے بڑھ کر امریکہ نے روس کے خلاف سربراہی کانفرنس کے موقع کو ان معاملات کو طے کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا جو مسئلہ افغانستان کو حل کروا دیتا وہ موقع اس لئے موزوں تھا کہ ماسکو کانفرنس کی کامیابی کے لئے بے تاب تھا اور اس کے لئے ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہوتا۔ اس سنہری موقع کو کھو کر امریکہ نے افغان مجاہدین کو اصل اور بروقت مدد دینے کا موقع کھو دیا........ یہ موقع پھر آئے گا لیکن اس کے لئے جون تک انتظار کرنا پڑے گا جب پھر ریگن گورباچوف کی اس بار ماسکو میں مذاکرات کی توقع ہے لیکن اس وقت نامعلوم امریکی مفاد کا کیا تقاضا ہو؟ انہیں مسئلہ افغانستان کے حل میں دلچسپی بھی ہو یا نہ ہو! اگر وہ ایک بار ہاتھ آئے پرندے کو چھوڑ سکتے ہیں تو دوسری بار بھی اپنے کسی مفاد کی خوشدلانہ کارروائی کے بعد اب جو امریکی انتظامیہ نے روس کے ساتھ قدرے درشتگی کا وطیرہ اختیار کیا ہے اس کا مقصد ہی روسیوں کو ماسکو میں جون کی سربراہی کانفرنس کے لئے ہموار اور پدرا کرنا ہو اور کوئی خاص مطلب حاصل کرنا ہو۔ سپر پاور ہر قسم کے داؤ پیچ کے اہل اور ماہر ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے مفاد کو آگے بڑھانے کے لئے کرتے ہیں۔ مجھے تو پچھلی سربراہی کانفرنس سے یہی سبق ملا ہے کہ

Marfat.com

امریکہ مسئلہ افغانستان کے حل سے وابستہ افغانی و پاکستانی مفادات کی دیکھ بھال میں ادبدا کر غیر فعال رہا ہے"

اب آپ نے مسئلہ افغانستان کے موضوع میں امریکہ اور روس کے آمنے سامنے کے مدوجزر کو دیکھا ہے۔ پہلے پاکستان' افغان مجاہدین اور امریکہ کا مشترکہ موقف روسی فوج کا انخلاء اور مہاجرین کی واپسی وطن تھا جس کا ظاہر ہے تقاضا تھا کہ نئی عبوری حکومت قائم ہو تا کہ ایسے حالات پیدا ہوں کہ مہاجرین کی باعزت وباعافیت واپسی ممکن ہو۔ روسی افواج کے انخلاء کی نگرانی ہو اور مستقبل کی حکومت کے انتخابات کا انتظام ہو۔ اس کے مقابلے میں روسی موقف تھا کہ افواج کے انخلاء سے پہلے افغان مجاہدین کی خارجی امداد بند ہو اور کابل میں ایسی حکومت کی تشکیل ہو جس میں دوسرے عناصر کی بھی نمائندگی ہو لیکن کمیونسٹوں یعنی پی ڈی پی اے کا غلبہ ہو۔

امریکی روسی سربراہی کانفرنس میں ایسا فیصلہ ہو سکتا تھا جو افغانیوں کے حق خود اختیاری کیلیے سازگار ہوتا لیکن ایسا نہ کیا گیا کہ مسٹر ریگن اور مسٹر گورباچوف میں اپنے ملکوں میں تعلقات کو بہتر بنانے کے علاوہ ایک اور قدر مشترک تھی کہ دونوں اسلامی بنیاد پرستوں سے خائف تھے اور دونوں کو نظر آ رہا تھا کہ نجیب اللہ حکومت کے تحلیل ہونے کے بعد افغان مجاہدین ہی حکومت بنانے کے اہل تھے اور ان کا ہدف اسلامی نظام حکومت کا قیام تھا۔ جس کے نہ امریکہ اور نہ روس روادار ہو سکتے تھے۔ چنانچہ مسٹر گورباچوف سربراہی کانفرنس سے بہت مسرور نکلے اور وہ امریکی انتظامیہ سے بطور خاص متاثر ہوئے کہ اس نے مسئلہ افغانستان کے متعلق "حقیقت پسندانہ رویہ" اختیار کیا۔ جب ماسکو اپنی افواج کے انخلاء کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہونے لگا تو امریکی انتظامیہ نے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کیا اور چند ایک مطالبات داغے' جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے لیکن جونہی مسٹر گورباچوف نے انخلاء کی پندرہ مئی تاریخ مقرر کر دی امریکہ نے ہر دوسری چیز کو پس پشت ڈال دیا حالانکہ پہلے وہ افغان مجاہدین کے مطالبہ عبوری حکومت کی وکالت میں پیش پیش تھا کہ اس کے بغیر مہاجرین کی باعزت و بحفاظت واپسی ناممکن تھی۔ انخلاء کے اعلان کی چال سے ماسکو نے نہ صرف مخلوق خدا پر اپنی وسیع قلبی اور حریت پرستی کی چھاپ لگائی بلکہ کابل میں خود ساختہ حکومت کے جاری رہنے کا بھی انتظام کر دیا۔ اب نجیب اللہ حکومت اپنے کمیونسٹ کھونٹے پر قائم ہی نہ رہ سکے گی بلکہ روس سے اسلحی امداد بھی حاصل کرتی رہے گی۔ سوال تو یہ ہے کہ امریکہ نے نجیب اللہ حکومت کو کیسے قبول کر لیا؟ امریکی قبولیت کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے عبوری حکومت کے مطالبے کو "پسندیدہ" تو قرار دیا لیکن اسے بنیادی تسلیم نہ کیا اور زور روسی فوجوں کے انخلاء پر ہی دیا۔ اگر مسٹر شلز اس نرم موقف سے ماسکو مسٹر شیورڈ ناڈزے سے مذاکرات کے لئے گئے ہیں (ان کی ملاقات 22۔21 فروری کو قرار پائی تھی) تو وہ روس کو عبوری حکومت پر کیسے راضی کر سکتے ہیں۔ یہی بات

Marfat.com

وہی ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ دراصل امریکہ نے افغان مجاہدین و مہاجرین کا اس لئے ساتھ چھوڑ دیا کہ اسے ان کے ہاتھوں کابل میں اسلامی حکومت قائم ہوتی نظر آتی ہے اور وہ اس منظر کو دیکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسلامی حکومت کے قیام کے تصور نے امریکہ سے عبوری حکومت کا مطالبہ بھی ساقط کروا دیا حالانکہ وہ خود مانتا ہے کہ اس کے بغیر ملک میں امن قائم نہ ہو سکے گا ورنہ اگر اس مطالبے پر امریکہ مضبوط رہتا تو روس کی مجال نہ تھی کہ وہ اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کرتا۔ اگر روس فوجوں کے انخلاء پر تیار ہو گیا تو وہ اس قضیئے (ماسکو کی مسلط کردہ کابل حکومت) کو نمٹانے کے لئے کیوں نہ آمادہ ہوتا جس کی وجہ سے روسی فوجیں افغانستان گئیں لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ نجیب اللہ حکومت کے بدستور قیام سے جو خانہ جنگی کا دروازہ کھلے گا اسے بند کرنے کی ذمہ داری کون اٹھائے گا؟ روس تو اپنی فوج نکال کر افغانستان میں اپنے پیدا کردہ حالات زار سے ہاتھ دھولے گا اور بزبان شیکسپیئر کہے گا

Mischief thou are afoot take what course thou wilt

(شیطنیت تو اب اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہے جو تباہی کا رستہ چاہے سنبھال لے)

لیکن امریکہ کا کیا رول ہو گا؟ عبوری حکومت پر متزلزل مؤقف کے پیش نظر اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس پر اس شدومد سے اصرار کرے گا کہ روس سے اس کی ضرورت کو منوالے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ روسی افواج کے انخلاء پر قانع رہے گا۔ اصل بحران پاکستان اور افغان مجاہدین کو درپیش ہے اور جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اسے دوگنا مشکل لاحق ہے۔ ایک طرف وہ جنیوا مذاکرات میں اپنی سالہا سال کی محنت اور عرق ریزی کے نتائج کے ضیاع کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ وہ روسی افواج کے انخلاء کو ایک دن کے لئے بھی معرض التواء میں ڈالنے کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتا۔ اس لئے چاروناچار اسے جنیوا معاہدات پر بروقت دستخط کرنا لازمی ہے۔ دوسری طرف وہ مہاجرین کی واپسی کے دردناک اور کٹھن مسئلے سے دوچار ہے۔ اگر ان کے لئے نجیب اللہ حکومت قابل قبول ہوتی تو وہ اس کی ایک سال کی بھیجی دعوت پر کبھی کے چلے گئے ہوتے۔ پھر افغان مجاہدین کا مسئلہ ہے تو وہ تو نجیب اللہ حکومت قبول کرنے سے رہے لیکن اگر روسی افواج چلی گئیں اور امریکہ نے ان کی امداد سے ہاتھ اٹھا لیا تو ان کے لئے حق خود اختیاری حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے کہ وہ نجیب اللہ حکومت کے خلاف اپنا جہاد جاری رکھیں جس کا مطلب ہے کہ افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو جائے اور نہ صرف افغانستان میں افغان اور مہاجرین بلکہ پاکستان اور پاکستانی بھی اس خانہ جنگی کے دوررس اور موذی اثرات کی لپیٹ میں آئیں۔ کیا یہی انجام سپر پاور زکی باتدبیر سیاست کا معراج ہے؟ کمیونسٹ روس کو چھوڑیئے کہ اس کی بے رحمی کا مظاہرہ تو اس کے مقبوضہ ملکوں میں عشروں سے دیکھ رہے ہیں اور افغانستان میں اس کے ظلم و ستم کے شعلے پچھلے سوا آٹھ سال سے ہمارے در و دیوار پر آگ برسا رہے ہیں لیکن جمہوریت اور حقوق انسانیت کے علمبردار امریکہ کو کیا ہوا کہ وہ اپنی اغراض و

Marfat.com

مصلحتوں کی خاطر بقائے باہمی کے اعلیٰ اقدار کی خاطر افغان مہاجرین کو یا تو نجیب اللہ حکومت کی غلامی میں دینے کو تیار ہے یا وہ تمام افغانوں کو خانہ جنگی کے دوزخ میں جھونکنے پر مستعد ہے۔ بہرصورت انسانیت کی نظر میں امریکہ کا مقام بلند نہیں ہوتا مسلوں کا مسئلہ پاکستان کا مسئلہ ہے وہ غیر معینہ عرصے تک افغان مجاہدین کی امداد اور افغان مہاجرین کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کا مکلف بنتا معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکہ کی طرح انہیں اپنی قسمت کے جوار بھاٹے میں غلطاں و پیچاں نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر قدرت ہم پر یہ فرض عائد کرتی ہے تو ہمیں بھی اپنے متوقع کردار کو ادا کرنے کو حاضر رہنا چاہئے کہ

ع فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کو سحر کر

Marfat.com

Marfat.com

# مہاجرین کی واپسی اور مسئلہ افغانستان

جب دو عشرے پہلے ویت نام سے امریکی فوجیں ناکام ونامراد نکلی تھیں تو امریکیوں کی شکست پر دنیا میں بغلیں بجانے والوں میں ہر ملک کی روسی لابی پیش پیش تھی حالانکہ امریکہ کی واپسی کے فیصلے کے ارکان و عوامل میں سب سے بڑا عامل خود امریکہ کے اندر ایسی زبردست قومی تحریک مخالفت واحتجاج تھی جس نے انتظامیہ کے لئے ویت نام جنگ جاری رکھنے کو کم وبیش ناممکن بنادیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف امریکی افواج کو ویت نام سے بھاگنا پڑا بلکہ امریکہ ملک کے اندر باہر اتنا بدنام ہوا کہ وہ اب تک پوری طرح ویت نام سائیکی سے کے اثر سے رہا نہیں ہوسکا۔ اس کے برعکس اب جب روس ساڑھے آٹھ سال کے جنگ وقتال کے بعد افغانستان چھوڑنے کی سوچ رہا ہے اور مسٹر گورباچوف نے اپنی افواج کے انخلاء کی ایک مشروط تاریخ مقرر کردی ہے تو سوویت یونین کے عوام کے شرم وندامت کے آثار تو آہنی حصار کے باہر کیا نظر آئیں گے البتہ خارجی دنیا میں ہر طرف سے ماسکو کے مؤقف پر تحسین ومرحبا کے ڈونگرے برسائے جارہے ہیں اور ستم بالائے ستم خود پاکستان میں مختلف حلقے حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ مسٹر گورباچوف کی سیاست عالیہ کے فراہم کردہ روسی افواج کے انخلاء کے موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے اور فی الفور جنیوا معاہدات پر دستخط ثبت کردے ورنہ ملک کے لئے اچھا نہ ہوگا اگر روسی لابی یہ ڈگر اپنائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ان کا کام تو ماسکو کی ہدایات پر آمنا صدقنا کہنا ہے۔ انہیں اس سے غرض نہیں کہ کریملن کے تخت پر بٹھایا کون گیا ہے اور اٹھایا گیا کون ہے اس نے رخ دائیں کیا یا بائیں کیا وہ شمال کو چلا یا جنوب کو۔ ہمارے روسی نواز بنگین کے غلام نہیں، وہ تو کریملن کے آقا کے غلام ہیں اور وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے،

Marfat.com

کے قائل ہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں جب تک روس نے حصہ نہیں لیا تو وہ سامراجی جنگ تھی لیکن جب روس شامل ہو گیا تو وہ عوامی جنگ بن گئی اور راتوں رات ان کے اخبار کا نام "عوام کی جنگ" پڑ گیا اور صف بہ صف کمیونسٹ دانشور ہندوستان میں برطانوی حکومت کی پراپیگنڈہ مشینری کے پرپرزے بن گئے۔ جب تک سٹالن برسراقتدار جیتا رہا تو وہ "عظیم باپ بنا رہا اور اس کو ہر ہیر پھیر، ہر قتل و غارت کا عین یقین جواز پیش کرتے رہے اور جب سرگباش ہو گیا اور خروشیف نے اس کے ظلم و ستم کی گھناؤنی داستان سے پردہ اٹھایا تو آنکھ جھپکائے بغیر سٹالن پر لعنتیں اور پھٹکاریں ڈالنے لگے۔ کل تک برزنیف بہت "بڑا آدمی" تھا آج اس کا سائز گورباچوف سے کہیں چھوٹا ہو گیا' آفرین ہے روس پرستوں پر کہ ماسکو کی حکمت عملیوں میں تغیر و تبدّل سے ان کے ایمان و ایقان میں ماشہ بھر فرق نہیں پڑتا کہ ان کے عقیدے کی استواری کریملن کے حکمران حاضرہ کے ابروئے چشم کے اشارے میں مضمر ہے

ع جس رنگ میں تُو راضی ہو اسی رنگ میں جینا

تو تعجب نہیں کہ ساڑھے آٹھ سال تک تو پاکستان میں روس کے حامی و ہمدرد تو روسیوں کی افغانستان میں قیامت خیز موجودگی سے غافل رہے لیکن جونہی مسٹر گورباچوف نے تاریخ انخلاء مقرر کر دی تو انہوں نے لاہور میں ایک محضرنامے پر ایک لاکھ عورتوں مردوں کے دستخط کروانے کی مہم شروع کر دی تاکہ حکومت پاکستان کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی پالیسیوں کو ماسکو کے دیئے ہوئے ٹائم ٹیبل کے قالب میں ڈھالے۔ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو روس نواز نہیں لیکن وہ یا تو موجودہ حکومت کی پالیسیوں کے اتنے مخالف رہ چکے ہیں کہ انہیں اس کی افغان پالیسی کی کامیابی پر اسے کریڈٹ دینے کا حوصلہ نہیں اور اختلاف برائے اختلاف کی روایت قائم رکھنے میں ملک کے وسیع مفادات کو پس پشت ڈالنے کے مرتکب ہو رہے ہیں اور یا وہ کسی احساس کمتری و مرعوبیت کا شکار ہیں کہ وہ اپنے ملک کے مؤقف میں مین میخ نکال کر اغیار پر اپنی عالی حوصلگی اور وسیع ظرفی کا سکہ جمانے کے خبط میں مبتلا ہیں۔

اس مسئلے پر غور و فکر کے لئے تین اہم عوامل پیش نظر رکھنا ضروری ہیں ایک یہ کہ روس نے جدید ترین ساز و سامان سے لیس تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ افغانستان جیسے کمزور اور پسماندہ ملک پر حملہ کیا اور آٹھ سال کے بعد بھی یہ جارحیت جاری ہے اس جارحیت کے نتیجے میں تیرہ لاکھ افغان شہید ہوئے اور پانچ لاکھ وطن بدر ہوئے۔ گویا ڈیڑھ کروڑ (ایک سو پچاس لاکھ) نفوس کی آبادی میں سے اٹھارہ لاکھ یوں براہ راست متاثر ہوئے۔ باقی آبادی میں نہتے لاکھوں مجاہدین مصروف جہاد ہیں تو بقیہ لوگ روسی ملٹری اور اس کی کٹھ پتلی حکومت کی عام و خاص (کے جی بی اور خاد) پولیس کی نگرانی اور تشدد کے تحت غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اس پس منظر میں اگر روسیوں نے افغانستان سے پلٹنے کا فیصلہ کیا تو کیوں کیا؟ کیا انہوں نے یہ فیصلہ افغانیوں کے لئے جذبۂ خیر سگالی کی بنا پر کیا؟ اگر انہیں افغانیوں کے لئے کوئی جذبۂ

Marfat.com

خیر سگالی ہوتا تو وہ ان پر حملہ ہی کیوں کرتے' ان کی سرزمین کو پامال ہی کیوں کرتے ان کے لاکھوں افراد کا کشت و خون کیوں کرتے؟ سو روسی کسی جذبۂ خیر سگالی سے افغانستان کو خیرباد نہیں کہہ رہے بلکہ وہ اس لئے واپس جا رہے ہیں کہ وہ آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔ ساڑھے آٹھ سال بعد بھی بقول کابل حکومت' ان کے زیر اثر ملک کا صرف 20 فیصدی علاقہ ہے۔ 80 فیصدی ملک مجاہدین کی تحویل میں ہے تو جناب ہمیں اور دنیا کے حریت پسندوں کو روس کا شکر گزار ہونے کی کوئی علت اور وجہ نہیں۔ روسی شکست کھا کے واپس ہو رہے ہیں اور پاکستان جنیوا معاہدات پر دستخط کرے یا نہ کرے ماسکو کے پاس اپنی واپسی کی اعلان کردہ تاریخ کو معرض التواء میں ڈالنے کی سکت نہیں' روسیوں کے مقابلے میں سکون قلب اور ثابت قدمی کا جیتا جاگتا پیکر افغان مجاہد ہے۔

وہ میدان کارزار میں ہی ثابت قدم نہیں وہ محفل گفتار میں پر سکون ہیں میں نے انجینئر حکمت یار کی پریس کانفرنس میں دیکھا کہ انہوں نے سخت سے سخت سوال کا انتہائی طمانیت سے نرم انداز میں جواب دیا۔ حکمت یار کے بیان پر کہ روس اور امریکہ نے آپس میں کوئی ملی بھگت کی ہے ایک امریکی نے طیش میں پوچھا واشنگٹن نے آٹھ سال مدد کرنے کے بعد آپ کو کیوں چھوڑ دیا؟ تو حزب اسلامی کے قائد نے دو لفظوں میں آہستہ سے جواب دیا "آپ واشنگٹن سے پوچھیے" تو افغان مجاہد اس معجزہ نما منظر کا دوسرا عامل ہے صدر ضیاء الحق کے الفاظ میں چودہ سو سال کے بعد مومنانہ جہاد کا یہ منظر آیا ہے کہ

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اور ان کے الفاظ میں کوئی مبالغہ نہیں۔

بے شک مدد انہیں کئی ذرائع سے ملی لیکن لڑے تو مجاہدین اور اصل چیز لڑنے کا جذبہ اور حوصلہ ہے نا کہ محض ہتھیاروں کی دستیابی' جب روسیوں کو کہا گیا کہ نجیب حکومت کو اسلحہ دینا بند کریں تو انہوں نے کہا کہ کابل کے پاس تو سالوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن کسی کو استعمال کرنے کی ہمت بھی ہو اسی پریس کانفرنس میں جب ایک ہندوستانی نامہ نگار نے حکمت یار سے پوچھا کہ اگر آپ کو (افغان مجاہدین کو) امریکی اسلحی امداد بند ہو گئی تو کیسے روسیوں کے خلاف لڑائی جاری رکھو گے تو انہوں نے برا چبھتا جواب دیا "ہم نے بہت معمولی خانہ ساز ہتھیاروں سے جہاد شروع کیا تھا لیکن پھر روسیوں سے ہمیں بہت مدد ملی اور وہ ذریعہ تو باقی ہے" جن لوگوں نے ایمان اور خود اعتمادی کی اس چٹان پر محاذ بنایا' انہیں

Marfat.com

کون شکست دے سکتا ہے؟ روسیوں کی واپسی کا فیصلہ افغان مجاہدین کی فتح کا اعلان ہے اور اس لئے مسئلہ افغانستان کے حل کا مرکزی کردار افغان مجاہدین کا وجود ہے' انہیں عبوری (بلکہ مستقل) حکومت بنانے کا کیوں حق حاصل نہیں ہے؟ انقلاب روس میں بالشریک پارٹی نے چھوٹی پارٹی ہونے کے باوجود لینن کی قیادت میں دوسرے بڑے دھڑوں کو سیاسی داؤ پیچ کی مار دے کر حکومت پر قبضہ جمانے کا حق حاصل کر لیا اور روس نے مشرقی یورپ کے ملکوں کی تسخیر کا محض اس بنا پر حق حاصل کر لیا کہ اس کی فوجیں مغربی ممالک کی فوجوں سے پہلے وہاں پہنچ گئیں تو افغان مجاہدین کو روسی افواج کو شکست دے کر بھی حکومت بنانے کا حق حاصل نہیں کہ ماسکو ان کو پیش کردہ عبوری حکومت کو مسترد کرنے کی جسارت کرتا ہے' یہ کہاں کا طور طریق اور انصاف ہے۔ سنئے افغان مجاہدین کو تین بنیادوں پر حکومت سازی کا استحقاق ہے اوّل جیسا کہ میں نے ابھی کہا انہوں نے روسی فوجوں کو مار بھگایا' دوم نجیب حکومت کے قیام کا کوئی جواز نہیں کہ وہ روسی ساز و سامان کا حصہ ہے اور جب روسی روانہ ہو رہے ہیں تو وہ باقی نہیں رہ سکتی۔ وہ نہ صرف قوم کے حقوق کی غاصب اور ملک کے مفاد کی غدار ہے بلکہ اس کی کوئی عوامی حیثیت نہیں سوم جب تک افغان مجاہدین کی حکومت قائم نہ ہو گی مہاجرین واپس وطن نہ لوٹ سکیں گے۔ اس منظر کا تیسرا عامل یہی افغان مہاجرین ہیں جو پاکستان' ایران اور دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے یہ پچاس لاکھ سے اوپر لوگ (آبادی کا ایک تہائی) روسی افواج کے انخلاء کا ہی انتظار نہیں کر رہے بلکہ وہ ایک ایسی حکومت کے قیام کا انتظار کر رہے ہیں جس پر ان کا اعتماد ہو' جو اس رنگ ڈھنگ کی ہو جو ان کے تہذیبی ورثے کو بحال کر سکے اور اس ورثے کی حفاظت کی ضمانت دے سکے یعنی کہ وہ کوئی سیکولر یا نیم اسلامی حکومت نہ ہو بلکہ ٹھیٹھ اسلامی حکومت ہو۔ مسلمانان برّصغیر کی تحریک آزادی اور افغانوں کی تحریک آزادی کا ایک بین فرق ہے کہ جہاں پاکستان کا مطالبہ مسلم قوم نے ہندو قوم سے متمیز اور الگ مسلم قومیت کی بنا پر کیا تھا اور نظام اسلام کا نفاذ اس مسلم قومیت کے حوالے سے ہی پاکستان میں لازمی و ناگزیر بنا ورنہ وہ کسی مذہبی جہاد سے درپیش نہ تھے صرف سیاسی جنگ لڑ رہے تھے۔ وہاں آزاد مسلم افغانستان میں روس نے مسلمانوں پر کمیونسٹ نظام مسلط کیا تھا اور اس طرح افغان مجاہدین کی روس سے لڑائی مسلمانوں کی براہ راست کمیونسٹوں سے مڈبھیڑ تھی بالفاظ دیگر یہ براہ راست اسلام اور کمیونزم کا تصادم تھا اور اس لئے افغان مجاہدین کی فتح' روسی افواج کا انخلاء اور افغانستان کی آزادی کا اس کے سوا اور کوئی مطلب و مفہوم نہیں ہو سکا کہ وہاں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہو جو افغان مجاہدین کے علاوہ اور کوئی قائم نہیں کر سکتا۔ اس تناظر میں افغانستان کو کسی ایک عبوری حکومت کی ضرورت نہیں بلکہ اسے ایک اسلامی حکومت کی ضرورت ہے جس کے قیام کے بغیر روسی افواج کا انخلاء بے معنی ہے کہ افغان مہاجرین تب تک کبھی واپس نہ جائیں گے جب تک انہیں ایسی حکومت کی عافیت ملنے کی امید نہ ہو جو اسلام کی محافظ و نگران ہو۔

Marfat.com

اب آپ دیکھیں کہ افغانستان کی اسلامی آزاد حیثیت بحال کرنے کے لئے روسی افواج کا انخلاء کافی نہیں اس کے لئے افغان مجاہدین کی اسلامی حکومت کی ضرورت ہے کہ وہ روسی قبضے کے زیر سایہ حکومتوں کے کمیونسٹ نظریات پر تیار کردہ اداروں کی جگہ اسلامی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل نو کر سکیں اور مہاجرین کی مراجعت وطن کی راہ ہموار کر سکیں۔ امریکہ 'روسی انخلاء سے مطمئن ہو سکتا ہے کہ اسے افغانستان میں روسیوں کی موجودگی سے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں پاکستان کی کسی راہ وہ بحیرہ عرب پہنچ کر خلیج فارس پر غلبہ نہ جمالیں اور مغرب کی تیل کی اجارہ داری کو تہہ وبالا کر دیں گو پہلے امریکی زعماء نے مہاجرین کی واپسی کا سوال اٹھایا اور برملا کہا کہ وہ اور افغان مجاہدین نجیب حکومت کو کبھی تسلیم نہ کریں گے لیکن اب شاید کاروباری لین دین میں جو سربراہی مفاہمتوں کا خاصا ہے امریکہ نے روس کے ایماء پر اکتفا کیا اور سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے صاف طور پر کہا کہ اس وقت عبوری حکومت کا مسئلہ اٹھانے کی ضرورت نہیں اور ماسکو میں امریکہ اور روس کے وزرائے خارجہ کا سارا زور اگلی سربراہی کانفرنس کے ایجنڈے کی تیاری میں گزرا' اپنی اپنی اغراض سے مسٹر ریگن اور مسٹر گورباچوف اپنی ماسکو کانفرنس کو واشنگٹن کانفرنس کی طرح کامیاب بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور ان مقاصد کے سامنے کابل میں عبوری حکومت کا مسئلہ ثانوی بن گیا ہے حالانکہ اس کے بغیر مہاجرین کی واپسی ناممکن ہے اب امریکہ اور روس کے سربراہوں کے رشتے کو کوئی نام دے لیجئے۔ بزنس کہہ لیجئے 'سمجھوتے کا نام دے دیجئے دھوکہ دہی کہہ لیجئے لیکن ہوا یہ ہے کہ پاکستان افغان مجاہدین اور مہاجرین کے مفادات اور نقطہ نظر کو نظر انداز کر دیا گیا دونوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ جنیوا مذاکرات کا تعلق مسئلہ افغانستان کے خارجی پہلوؤں سے ہے داخلی پہلو سے نہیں اب سمجھ نہیں آ سکتی کہ وہ کیسے یہ مؤقف اختیار کر سکتے ہیں جب کہ تیسرے معاہدے میں (جس پر پاکستان اور افغانستان نے دستخط کرنے ہیں) صاف طور پر مہاجرین کی واپسی کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنے کی ضرورت کا ذکر ہے یہ سازگار ماحول سوائے کسی ایسی افغان حکومت کے جس پر مہاجرین کو اعتماد ہو کون پیدا کر سکتا ہے؟ اسی لئے مسٹر کارڈووبز ایسی حکومت بنانے کا تمام پارٹیوں پر زور ڈالتے رہے۔ روس بھی مخلوط حکومت کا ذکر کرتا رہا ہے اور مسٹر ورنستوف نے پاکستان کو طنزاً کہا ہے کہ ایسی حکومت بنانے کا وقت جنوری 87ء تھا جب نجیب اللہ نے تحریک رجوع و رضامندی یعنی قومی مصالحت شروع کی تھی جب وہ "حزب اختلاف" کے نمائندوں کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کو تیار تھا۔ بہرحال یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ جنیوا معاہدات کابل میں مہاجرین کی وطن مراجعت کے لئے ایک عبوری حکومت کے متقاضی ہیں امریکہ کی سربراہی کانفرنس اور عالمی سیاست کے تقاضے کچھ بھی ہوں وہ مہاجرین کی واپسی کو یقینی بنانے کے فرض سے دستکش نہیں ہو سکتا جس کا مطلب ہے کہ وہ مہاجرین کو قابل قبول عبوری حکومت بنانے سے دستبردار نہیں ہو سکتا اور اس ضمن میں کوشش ایک ہی سمت جائے گی۔

Marfat.com

یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ مسٹر گورباچوف کے اعلان انخلاء کی دنیا میں واہ واہ ہوئی۔ اب یہ واہ واہ کی کس نے؟ امریکہ اور یورپ نے۔ انہی کے ذرائع ابلاغ کی رائے عالم پر تسلط ہے تو جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے وہ کھلا روس کا جانبدار بن گیا اور جس طرف امریکہ ڈھلکے گا اسی طرف یورپ چلے گا۔ ہندوستان کے بھاگوں تو چھینکا ٹوٹا اسے روس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کا نیز افغانستان میں اپنی تھوتھنی داخل کرنے کا موقع مل گیا اور وزیر مملکت نٹور سنگھ ظاہر شاہ کے درشن کرنے روم پہنچ گئے۔ افغانستان کے معاملے میں ہندوستان کو دخل در معقولات کرنے کی گنجائش تو نہیں کہ وہ شروع سے اب تک روس کے فوجی قبضے کی حمایت اور وکالت کرتا رہا ہے اور اس لئے وہ افغان مجاہدین سے بات چیت کرنے کے قابل نہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اگر ہندوستان اپنے آپ کو اس پورے علاقے کے پردھان منتری کے روپ میں دیکھنے کو تڑپ رہا ہے تو امریکہ اور روس اس کے خواب کی تعبیر دکھانے کو چل رہے ہیں) حیرت ہے تو اس تلخ حقیقت پر کہ خود اپنے ملک کے بزعم خویش سیاست دان اور دانشور مسٹر گورباچوف کے کارنامے کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہیں ایک طبقہ کہتا ہے کہ آنکھ بند کرکے دستخط کر دو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ارے بھئی دستخط کیسے کر دیں کچھ آگا پیچھا بھی سوچنا ہے اتنے سالوں کی فکری ریاضت و جگری قربانی ایک لمحے کی تیزی میں کیسے بہادیں۔ روسی فوج کے افغانستان پر قبضے کا ہم پر اصل اثر تو یہی ہوا تھا نا کہ لاکھوں کی تعداد میں افغان مہاجرین پاکستان میں داخل ہو گئے تھے؟ تو کیا ان کی واپسی کا انتظام نہ کریں؟ ہمارے لئے تو روسی افواج کا انخلاء تب تک مہمل ہے جب تک ان مہاجرین کی واپسی کا خاطر خواہ بندوبست نہیں ہو جاتا ورنہ اگر مہاجرین اپنے وطن نہ جا پائیں تو ہمارے لئے روسی افواج کا افغانستان کو چھوڑنا نہ چھوڑنا برابر ہے کیونکہ ہمارا مسئلہ تو برقرار رہے گا۔ اس لئے یہ ہماری اولین ترجیح ہے کہ کوئی قابل قبول و اطمینان بخش عبوری حکومت قائم ہو تو معاف کیجئے ہم اپنی خاطر عبوری حکومت کے سوال کو اُٹھانے پر مجبور ہیں۔ اگر ان مہاجروں نے اتنی بڑی تعداد میں امریکہ میں ڈیرا ڈالا ہوتا تو ریگن اور شلز صاحبان بھی گورباچوف کے اعلان انخلاء سے تا آنکہ یوں جلدی میں مطمئن نہ ہو جاتے جب تک ان کے ہاں مہمانان یعنی مہاجرین کی واپسی کے لئے قابل اعتماد حکومت کی مشینری نہ چلنے لگتی۔ سو مہاجرین کے واپس وطن جانے کا مسئلہ اوّل اور اسی مسئلے کی اہمیت کی نسبت سے عبوری حکومت کے قیام کا مسئلہ اوّل۔

اب ان دانشوروں کی طرف آیئے جو پاکستان کی پالیسی کی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک شعلہ فشاں تبصرہ نگار نے کہا کہ پاکستان نے عبوری حکومت کے بارے میں رجعت قہقری یعنی

Marfat.com

"یوٹرن" کی ہے کچھ عرصہ پہلے جب روس کابل میں عبوری مخلوط حکومت کی تشکیل پر زور دے رہا تھا تو پاکستان کا مؤقف تھا کہ پہلے فوجوں کے انخلاء کی تاریخ مقرر کرو حکومت بنانا افغانوں کا کام ہے اور جب مسٹر گورباچوف نے انخلاء کی تاریخ مقرر کر دی تو صدر ضیاء الحق کہتے ہیں کہ پاکستان نجیب حکومت کے ساتھ جنیوا معاہدات پر دستخط نہیں کرے گا اس لئے فوراً نئی عبوری حکومت بناؤ بے شک بادی النظر میں پاکستان کے مؤقف میں تضاد نظر آ سکتا ہے لیکن کیا روس حکومت بنانے کے مؤقف سے نہیں پھرا؟ سوال یہ ہے کہ کیا پچھلے ساڑھے آٹھ سال سے افغانستان میں کوئی مناظرہ و مباحثہ ہو رہا ہے کہ استدلال کی منطق اور تقریر کی روانی پر کیس کا فیصلہ کر دیا جائے یا یہ کوئی مشاعرہ بپا ہے کہ کسی طرف کے شاعر کے شعر کے متعلق کہا جائے کہ اس کا مصرع تقطیع سے اتر گیا ہے اور اس لئے دوسرے دھڑے کے شاعر ہر بحر پر قادر ثابت ہوئے ہیں۔ نہیں صاحب پچھلے ساڑھے آٹھ سال افغانستان میں بحث و مباحثہ اور شعر و شاعری کی مجلسیں منعقد نہیں ہو رہیں بلکہ ایک خوفناک خونی جنگ جاری ہے یہ جنگ روس کے ڈیڑھ لاکھ فوج کے حملے اور قبضے سے شروع ہوئی اور اس میں تیرہ لاکھ افغان شہید ہوئے اور پچاس لاکھ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے جنگ دلائل سے نہیں بلکہ فی زمانہ میزائلوں اور ٹینکوں سے لڑی جاتی ہے اور روس کے تباہ کن ہتھیاروں سے افغانی ہی نہ مارے گئے بلکہ سرحد پار پاکستانی بھی ان کی زد میں آئے اور جنگ مباحثے مناظرے اور مشاعرے سے ماورا الحرب خدعۃ (جنگ فریب اور چال ہے) کے اصول کے تحت اپنی زبان اور اپنا محاورہ رکھتی ہے اب فرمائیے کہ پاکستان کیوں روس کی سرپرستی میں مخلوط حکومت کی تشکیل میں شریک ہوتا؟ کیا اس لئے کہ اب تک جو نجیب حکومت (اس حکومت میں نجیب ہی سربراہ رہتا خواہ اس میں اور پارٹیوں کے ارکان بھی شامل ہو جاتے) کو پاکستان کی آشیرباد نہیں ملی وہ مل جائے اور پاکستان کا تمام مؤقف جو اس نے 79ء سے اختیار کیا ہوا ہے کہ وہ کابل میں ماسکو کی مسلط کردہ حکومت کو تسلیم نہ کرے گا ماسکو کی تالیف قلب کی نذر ہو جائے؟

پھر جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ افغانستان میں جنگ کی نوعیت اسلام اور کمیونزم میں پنجہ آزمائی کی ہے وہاں پاکستان کسی ایسی حکومت کی پارٹی نہیں بن سکتا جس میں کمیونسٹ عناصر کی بالادستی ہو افغانستان کی جنگ تبھی ختم سمجھی جا سکے گی جب وہ ایک اسلامی حکومت کی تشکیل پر منتج ہو مت۔ اد یہ بھی صحیح فیصلہ تھا کہ پہلے روس کو انخلاء کے معاملے میں کسی معینہ تاریخ کا پابند کیا جائے اور اس پر ٹکا یا جائے اور جب ایک تاریخ پر کمٹمنٹ ہو جائے اور اس کے تابع رہنے کا دنیا پر اعلان کر دے پھر روس کی سرپرستی سے آزاد ہو کر مہاجرین کی مراجعت وطن کے لئے مناسب عبوری حکومت کی بات کی جائے اس لحاظ سے مسٹر گورباچوف کے اعلان کی جتنی واہ واہ ہوئی ہے اتنا ہی اچھا ہے کہ اتنا ہی زیادہ وہ اس تاریخ سے منتھی ہو گئے اور وہ اب اس میخ کو نکال باہر پھینک نہیں سکتے تھوڑے ہی دنوں میں مہاجرین کی واپسی کا مسئلہ اولیت اختیار کر

Marfat.com

لے گا جب کہ ماسکو 15 مئی کی تاریخ سے بندھ کر رہ گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس دوران عبوری حکومت منصۂ شہود پر ابھر آئے گی ابھر تو وہ آئی ہے کہ افغان مجاہدین کے اتحاد نے عبوری حکومت کا اعلان کر دیا ہے لیکن میرا مطلب ہے کہ تب تک وہ تسلیم ہونے کے مرحلے سے بھی گزر جائے گی سو پاکستان کی دلیلوں میں وقت بوقت زیر و بم کا سماں نظر آئے تو آئے لیکن اس کا نصب العین بالکل صراط مستقیم پر واقع ہے پاکستان بھی مرحلہ وار ملا تھا پہلے کرپس مشن جس نے صوبے کی خود ارادیت تسلیم کی پھر زونل سکیم جس میں پاکستان کے صوبوں کو اکٹھا کیا گیا اور پھر منزل پاکستان انشراح صدر سے 2 مارچ کے بالواسطہ جنیوا مذاکرات میں شریک ہو سکتا ہے اور مہاجرین کی واپسی کے لئے ساز گار ماحول پیدا کرنے کے لئے عبوری حکومت کے مطالبے پر اڑ سکتا ہے جہاں ہمارے لئے میدان صاف ہے وہاں شاید روس اور امریکہ پر

ع نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

کی مثال صادق آئے کہ ایک ملک چھوڑنے سے رک نہیں سکتا دوسرا مہاجرین کو بسائے بغیر دنیا کو منہ نہیں دکھا سکتا۔

Marfat.com

# عبوری حکومت پر ضیاء الحق کی سوچیں

معلوم ہوا ہے کہ جنیوا مذاکرات کے سلسلے میں' جو آج شروع ہو گئے ہیں' جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیر اعظم جونیجو کے درمیان شدید اختلافات رونما ہو گئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ اختلافات جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کے بارے میں نہیں ہیں کہ ایک طرف دستخط کرنے پر اصرار ہو تو دوسری طرف سے انکار ہو' اختلافات اس نکتے پر مرکوز ہیں کہ جہاں وزیر اعظم روسی افواج کے انخلاء کو اس قدر اوّلیت اور اہمیت دیتے ہیں کہ ان کی نظر میں افغانستان میں عبوری حکومت کا مسئلہ ثانوی حیثیت اختیار کرتا معلوم ہوتا ہے' وہاں صدر ضیاء الحق افغان مہاجرین کی باعزت و بعافیت مراجعت وطن کی خاطر کابل میں فوری طور پر ایک ایسی حکومت کا قیام ازبس ضروری قرار دیتے ہیں' جسے افغان قوم کا اعتماد حاصل ہو۔ یہ نہیں کہ وزیر اعظم عبوری حکومت کا قیام نہیں چاہتے لیکن شواہد سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے روسی افواج کے انخلاء کو مشکوک بنانے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں۔ جو بار سوخ حلقے صدر ضیاء الحق کے مؤقف کے مؤید ہیں وہ اس کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

چونکہ روس اپنی افواج کے انخلاء کا اعلان کر چکا ہے' جو حقیقتاً اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ میدان جنگ میں افغان مجاہدین سے شکست کھا چکا ہے' ورنہ کوئی سپر پاور پلٹنے کا فیصلہ نہیں کرتی' تو اس بات کا کوئی ڈر نہیں ہونا چاہئے' کہ روس اپنے فیصلے سے پھر سکے۔ خصوصاً جبکہ وہ امریکہ سے لین دین کے سلسلے میں یہ اقدام کر رہا ہے لیکن اگر دریں اثناء ایسی عبوری حکومت نہیں قائم ہوتی' جسے افغان مجاہدین اور مہاجرین کی حمایت حاصل ہو' تو اس کا مطلب ہو گا کہ نہ صرف روسی نجیب حکومت کو دوام دینے میں کامیاب ہو گئے

Marfat.com

بلکہ خانہ جنگی کی داغ بیل ڈال گئے کہ لامحالہ افغان مجاہدین کٹھ پتلی حکومت سے نبرد آزما ہونے پر مجبور ہوں گے، جس کے نتیجے میں نہ صرف خانہ جنگی ہوگی اور مزید افغانوں کی جانیں ضائع ہوں گی (پہلے ہی بارہ لاکھ افغان شہید ہوچکے ہیں اور تین لاکھ اپاہج ہوچکے ہیں)، بلکہ افغان مہاجرین واپس بھی نہ جاسکیں گے، اس کے برعکس ان کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔

اس صورت حال سے پاکستان کی مشکلات سنگین تر ہوں گی کہ جبکہ امریکی اور عالمی امداد بند ہونے کا واضح امکان ہے۔ مابعد پاکستان کو نہ صرف موجودہ بلکہ مزید مہاجرین کا بوجھ برداشت کرنا ہوگا۔ افغان مجاہدین کے غم و غصے کا بھی سامنا کرنا ہوگا۔

افغان مجاہدین کو نہ صرف اس حالت میں از سر نو جنگ کرنا پڑے گی کہ ان کی اسلحی امداد بند ہوچکی ہو بلکہ پاکستان کی نو سالہ وہ قربانیاں بھی رائیگاں جائیں گی کہ افغان مجاہدین کی کامیابی سے یہ امید بندھی تھی کہ پاکستان کی ہمسائیگی میں ایک برادرانہ اسلامی ملک ہوگا جو اس کے دکھ سکھ میں شریک ہوگا اور جسے اکٹھے اور متحد دیکھ کر علاقہ کی سامراج طاقتیں اپنے جارحانہ عزائم کو دبانے پر مجبور ہوجائیں گی۔ اس حلقے کو خدشہ ہے کہ حکومت نے جس طور پارلیمانی مشاورت اور غیر پارلیمانی مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا ہے (جو اس حد تک گیا ہے کہ زین نورانی نے کہا ہے کہ وہ معاہدات پر دستخط سے پہلے اپوزیشن لیڈرز کی رائے حاصل کریں گے) اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جنیوا مذاکرات میں عبوری حکومت کے قیام کے مقصد کا تعاقب کسی سرگرمی، جوش اور عزم صمیم سے کیا جانے کا پروگرام ہے۔ دنیا بھر کے جمہوری ملکوں کی روایت ہے کہ وہاں عمل کا فیصلہ ایگزیکٹو یعنی حکومت کرتی ہے۔ یہ فیصلہ پوری کابینہ کرے یا وزیر اعظم یا سربراہ حکومت اپنے چند رفقائے کابینہ کے مشورے سے کرے، بہر حال رازداری قائم کرنے کے لئے پہلے فیصلے پر عمل ہوتا ہے پھر اس عمل پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے پارلیمینٹ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جہاں حکومت پارٹی کی اکثریت سے وزیر اعظم کو اپنے عمل کے لئے پارلیمینٹ کی تائید مل جاتی ہے۔ مسز تھیچر نے فاک لینڈ کی جنگ اپنے اور اپنی کابینہ کے فیصلے سے لڑی، پارلیمانی تائید و مشاورت کا معاملہ بعد میں آیا۔ اسی طرح مسٹر ریگن نے درمیانی مار کرنے والے میزائلوں کا سمجھوتہ (آئی این ایف) اپنے طور پر مسٹر گورباچوف سے کر لیا اور ابھی کانگریس سے اس سمجھوتے کی توثیق ہونی باقی ہے اور ابھی اس سمجھوتے کی توثیق نہیں ہوئی کہ دوسرے دور مار کرنے والے میزائلوں کی پچاس فیصد کٹوتی کے معاہدے کی تیاری ہو رہی ہے جس کے لئے جون میں ماسکو سربراہی کانفرنس ہونے والی ہے۔

اب اس جمہوری روایت کے خلاف وزیر اعظم نے پارلیمینٹ کا "خفیہ" اجلاس منعقد کروایا کہ جنیوا مذاکرات کے متعلق مشورہ کیا جائے اور اسی طرح 5 ر مارچ کو اپوزیشن جماعتوں کے لیڈروں سے صلاح و مشورے کرنے والے ہیں۔ اس عمل کا ایک فوری اثر یہ ہوا کہ اخباری رپورٹوں سے یہ واضح تاثر

Marfat.com

پھیلا ہے کہ پاکستان جنیوا معاہدات پر (جن کے مسودات پہلے ہی تیار ہو چکے ہیں) دستخط کرنے کا خواہاں ہے (جو چیز پاکستانیوں سے خفیہ نہیں رہ سکتی' وہ روسیوں اور امریکہ سے کیا خفیہ رہے گی جو دوسرے ملکوں کے معاملات سے باخبر رہنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے) اور اپوزیشن لیڈروں کا مؤقف تو ان کے بیانوں سے پہلے ہی سب کو معلوم ہے تو ان حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر جنیوا مذاکرات میں حکومت کا منشاء ایسی سودے بازی کرنے کا تھا' جس سے عبوری حکومت کے قیام کا امکان نکلے' تو اس نے مخالفوں کو پہلے ہی اپنے مؤقف سے کیوں آگاہ کر دیا؟ مذاکرات کی تاش کے کھیل میں تو بازی پتے اپنی چھاتی سے لگا کر کھیلی جاتی ہے کہ مقابلے کی پارٹی کو معلوم نہ ہو کہ آپ کیا چال چلیں گے اور کون سا پتا کھیلیں گے۔ یہ کھیل بڑی سوچ و بچار سے کھیلا جاتا ہے تاکہ بازی جیتی جائے اور اپنا مقصد حاصل ہو۔ اپنے پتے دوسروں کو نہیں دکھاتے' لیکن یہاں تو پاکستان کے سب پتے روس اور امریکہ کے سامنے ہیں تو اگر کابل اور ماسکو کو معلوم ہے کہ آپ جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کے لئے تڑپ رہے ہیں تو وہ آپ کو کیونکر کوئی مراعات دینے کو تیار ہوں؟ بلکہ اگر انہوں نے کوئی مراعات دینی بھی تھیں تو وہ نہ دیں گے۔ اگر امریکہ عبوری حکومت کے معاملے میں روس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے (حالانکہ روس پچھلے سال تک مخلوط حکومت بنانے کی پیشکش کر رہا تھا) تو اس لئے کہ واشنگٹن کی ماسکو سے اپنی اغراض وابستہ ہیں' لیکن حکومت کے "جمہوری صلاح مشورے کی ڈگر" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کابل میں عبوری حکومت کا مطالبہ خانہ پری کے لئے کرے گی اور اسے اس ہدف سے کوئی خاص شغف نہیں۔ ورنہ وہ یہ مؤقف اختیار کرتی کہ اگر ماسکو عبوری حکومت پر رضامند نہیں ہوتا تو پھر پاکستان جنیوا معاہدات پر دستخط نہ کرے گا۔ ان حلقوں کو حکومتی نیم دلی سے دھچکا پہنچا ہے۔

پھر ان حلقوں کا کہنا ہے کہ کابل میں عبوری حکومت حاصل کرنے کے مواقع عنقا نہیں' ان کی رائے میں اگر مہاجرین کے مسئلے کو امریکہ میں اچھی طرح اجاگر کیا جائے کہ عبوری حکومت کی غیر موجودگی میں نہ صرف خانہ جنگی ہوگی بلکہ مہاجرین کی واپسی ناممکن ہوگی تو وہاں کانگریس اور رائے عامہ میں مجاہدین اور مہاجرین کے لئے اتنا نرم گوشہ ضرور موجود ہے کہ وہ ریگن انتظامیہ پر دباؤ ڈالیں کہ وہ ماسکو سے نجیب حکومت کو برخاست اور نئی عبوری حکومت قائم کرنے کی فرمائش کرے۔ ان حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر ماسکو عبوری حکومت کی طرف سے بے فکر و بے نیاز ہو گیا ہے تو اس لئے کہ واشنگٹن اس مطالبے سے دست کش ہو گیا ہے' ورنہ وہ اس وقت واشنگٹن کی بات ہرگز نہ ٹالے' امریکہ میں مجاہدین اور مہاجرین کے لئے نرم گوشے کے لئے یہ حلقے استدلال کرتے ہیں کہ امریکی رائے انسانی حقوق کے بارے میں بہت زور آور ہے اور اسی بنا پر امریکنوں نے مہاجرین کی پوری مدد کی' ان کے طرز عمل کے ثبوت میں وہ سینٹ کی

Marfat.com

تازہ ترین قرارداد کا حوالہ دیتے ہیں' جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ جب تک روسی افواج پوری طرح افغانستان سے نکل نہیں جاتیں امریکہ مجاہدین کی امداد میں کوئی کمی نہ کرے اور انتقال اقتدار کے نازک درمیانی عرصے سے انتخابات تک ان کو کافی سازوسامان فراہم ہو نیز پاکستان پر جنیوا معاہدات پر دستخط کے لئے دباؤ نہ ڈالا جائے' کہ افغانستان کے سمجھوتے سے امریکہ روس سربراہی کانفرنس کی راہ ہموار ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر حکومت امریکہ میں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر عبوری حکومت کی ناگزیر ضرورت کا پراپیگنڈہ کرے تو وہ اپنا مدعا حاصل کر سکتی ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ انتخابی سال ہے اور ری پبلکن نہیں چاہیں گے کہ ان کے متعلق کہا جائے کہ وہ مجاہدین اور مہاجرین کو میانِ دریا چھوڑ کر چلے آئے ہیں۔

گو یہ حلقے حکومت کے طرز عمل سے ناخوش ہیں۔ وہ وزیر اعظم کے خلوص پر شبہ نہیں کرتے' وہ مانتے ہیں کہ انہوں نے صدر ضیاء الحق کے نقطۂ نگاہ کو غیر رسمی کابینہ کی نشست نیز دوسری نجی نشستوں میں بغور سنا لیکن وہ کچھ داخلی اور کچھ خارجی حالات سے غیر ضروری طور پر اتنے زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں کہ انہیں جنیوا کانفرنس کا کوئی متبادل نظر نہیں آتا حالانکہ جنیوا معاہدات کی اہمیت روس اور امریکہ کی شرکت سے بنتی ہے اور دراصل وہی جنیوا معاہدات کے منصف ہیں۔ اگر ان پر زور ڈالا جائے' بالفاظ دیگر اگر امریکہ کے توسط سے روس پر دباؤ ڈالا جائے تو مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ آخر کار فرنٹ لوڈنگ کا مطالبہ' جس کا مطلب ہے کہ پہلے مرحلے میں ہی روسی افواج کا پچاس فیصدی نکال لیا جائے' سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے پچھلے ہی دنوں کہا اور مسٹر گورباچوف نے اسے فوراً مان لیا۔ اس لئے ضرورت امریکہ پر زور ڈالنے کی ہے اور اس کے لئے گنجائش ہے۔ ہاں اس کا مطلب ہے کہ دستخط کرنے کی 15 مارچ کی تاریخ کو شاید چند دنوں کے لئے معرض التواء میں ڈالنا پڑے لیکن عبوری حکومت کے لئے صرف جنیوا مذاکرات پر انحصار ناکافی ہو گا۔

حکومت کے مکتب فکر کے موید ین کو یہ حسن ظن بھی ہے کہ جونہی روسی افواج کا انخلاء ہوا' نجیب حکومت گر جائے گی اور افغان مجاہدین کابل پر قابض ہو جائیں گے۔ پاکستان کو ٹالنے کے لئے یہ بات مسٹر شلز نے بھی کہی ہے حالانکہ ایسے اہم معاملے کو محض ظن اور تخمین پر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اس وقت کابل میں صورت حال یہ ہے کہ روس نے پہلے آئندہ پانچ سال کے لئے اپنی کٹھ پتلی حکومت کو جدید ترین سازوسامان سے لیس کر دیا ہوا ہے نیز جہاں جنیوا معاہدات میں مجاہدین کی امریکی امداد بند ہونے کی پابندی ہے' روس پر کابل کو اسلحہ فراہم کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ جبکہ مجاہدین خارجی امداد سے محروم ہو جائیں گے' نجیب کے فوجیوں کو اسلحہ ملتا رہے گا پھر ماسکو ان بیس ہزار افغان فوجیوں کی' جن کی روس میں سالہا سال سے تربیت ہوئی ہے' کمک نجیب حکومت کو پہنچے گی' تو نجیب حکومت کا زوال قیاس سے روشن و گراں تر نہیں۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ماسکو نے کابل کو چار سو سے زیادہ

Marfat.com

معاہدات میں جکڑ رکھا ہے۔ روسی افواج انخلاء کے بعد بھی نجیب حکومت کی نکیل کریملین کے ہاتھ میں ہوگی۔ اس نکیل سے یونہی رہائی حاصل کی جا سکتی ہے کہ کابل حکومت میں مجاہدین کا غلبہ ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ روس نے تو کمیونسٹ نظام افغانستان پر مسلط کیا ہی ہے لیکن ایک اسلامی حکومت کا تصور امریکہ کے حلق میں بھی اٹکتا ہے۔

زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ خانہ جنگی کے دورانیے کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ خانہ جنگی زیادہ دیر تک جاری رہی تو نہ صرف مزید افغان کام آئیں گے' مزید افغان پاکستان ایران کا رخ کریں گے اور مزید تباہی ہوگی بلکہ افغانستان شمال و جنوب میں تقسیم بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت حال سے امریکہ اور روس کو کوئی تشویش نہ ہوگی کہ ایک کے لئے روسی فوجوں کی افغانستان میں موجود ہونے کی وجہ سے خلیج سے نزدیکی کا انخلاء سے تدارک ہو گیا تو دوسرے افغانستان کو اپنی پٹھو حکومت کا تکیہ مل گیا۔ اگر پورے افغانستان کا نہیں تو آدھے افغانستان کا تکیہ۔ دونوں طرف سے مریں گے تو افغان' اور اس سے نہ روس کو کوئی دکھ ہے نہ امریکہ کو۔

پھر ان حلقوں کا یہ کہنا ہے کہ امن پسندی مستحسن امر ہے لیکن امن پسندی کی بھی کوئی حد مقرر ہونی چاہئے۔ اس وقت ہمیں اسی آزمائش کا لمحہ درپیش ہے جو 38 سال پہلے کشمیر کی جنگ میں درپیش تھا۔ ہم نے جلدبازی سے جنگ بندی کر لی اور ریاست جموں و کشمیر کے بڑے حصے کو کھو دیا۔ اگر پاکستان نے اس وقت امن پسندی کی جلدی دکھائی تو اس کے مہلک اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف افغانستان میں خانہ جنگی کا خطرہ منڈلا رہا ہے بلکہ مہاجرین بھی واپس نہ جائیں گے اور اس کا سامنا جونیجو حکومت کو ہی کرنا پڑے گا۔

حکومت کی طرف سے اس امید کا بجا طور پر اظہار کیا جاتا ہے کہ اگر پاکستان اور روس کے درمیان سے مسئلہ افغانستان نکل جائے تو ان کے تعلقات بہتر و خوشگوار ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ امید تب ہی بر آسکتی ہے جب مسئلہ افغانستان درمیان سے نکل جائے۔ اگر صورت یہ رہی کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ مجاہدین تو نجیب حکومت ہرگز قبول نہ کریں گے اور مہاجرین یہیں مقیم رہیں تو تعلقات کی بہتری کے بہت کم امکانات ہیں۔ بہتر تعلقات کی ہی خاطر یہ ضروری ہے کہ مسئلہ افغانستان اس طرح منصفانہ بنیاد پر حل ہو کہ حق بحق دار رسید!

Marfat.com

ان دلائل میں وزن ہے۔ صدر ضیاء الحق کے موید حلقے صرف یہ چاہتے ہیں کہ وزیر اعظم جونیجو کسی اقدام، فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے ان دلائل پر پورے صبر و تحمل سے غور کریں۔ قوم و ملک کے مفاد کا بہر حال یہ تقاضا ہے کہ صدر مملکت اور وزیر اعظم کے اختلافات کی خلیج پاٹ جائے اور مسئلہ افغانستان یوں حل ہو کہ افغان مجاہدین اور مہاجرین کے ساتھ ساتھ پاکستان کا بول بالا ہو۔

Marfat.com

# مینڈیٹ کیا ہے؟

اب جبکہ وزیر اعظم محمد خان جونیجو پارلیمانی اور غیر پارلیمانی مشاورت سے فیض یاب ہو چکے ہیں اور خصوصاً اپوزیشن لیڈروں کی وزیر مملکت خارجہ زین نورانی (جو چار جنیوا معاہدات کے مسودات سے لیس واپس کانفرنس میں حصہ لینے آئے ہیں) کے سہ روزہ بالواسطہ جنیوا مذاکرات کی کارروائی کی رپورٹ پر ردعمل اور رائے سے واقف ہو چکے ہیں' وہ اب یقیناً اس پوزیشن میں ہوں گے کہ حکومت پاکستان مسئلہ افغانستان کے بارے میں کسی حتمی فیصلے پر پہنچ جائے تاکہ مسٹر زین نورانی اس فیصلے کی روشنی میں دوبارہ شروع ہونے والے جنیوا مذاکرات میں اپنے مؤقف کا صحیح تعین کر سکیں' سہ روزہ مذاکرات سے ایک بات تو بالکل واضح ہو گئی ہے کہ ان معاہدات کو تیار کرنے میں مشکل پیش نہیں آئی' اور مشکل کیوں پیش آتی کہ وہ مسٹر کارڈووِیز کے دورۂ اسلام آباد اور کابل کے دوران ہی تیار ہو چکے تھے' نئی بات ہوئی تو یہ کہ کابل حکومت کے نمائندے کی طرف سے مسٹر گورباچوف کے روسی افواج کے انخلاء کے دس ماہی دورانیے میں ایک ماہ کی کمی کی پیشکش ہوئی اور وہ نو ماہی بن گیا' دراصل جنیوا مذاکرات کے لئے سوال ایک ہی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ آیا پاکستان ان معاہدات پر مشروط طور پر دستخط کرے گا یا غیر مشروط طور پر؟ اسی سوال پر وزیر اعظم نے وزیر مملکت خارجہ کو مینڈیٹ یا فیصلہ دینا ہے۔

یہ ملک کے لئے بڑا نازک لمحہ ہے' ایسا ہی نازک لمحہ جیسا کہ 38 سال پہلے ہمیں کشمیر کی جنگ میں پیش آیا تھا اور ہم نے امن پسندی کے نام پر جلد بازی میں جنگ بندی قبول کر لی تھی' جس کا نتیجہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر کا بہت بڑا حصہ ہندوستان نے ہتھیا لیا ہے۔ اس المناک

Marfat.com

پس منظر میں پاکستان کو مسئلہ افغانستان تحمل وتدبر سے حل کرنا ہوگا کہ کہیں ہم خسارے کا سودا نہ کر بیٹھیں۔ سب سے پہلے مسئلہ افغانستان کی اہمیت اور اس کے دوررس مؤثرات کا جائزہ لینا ہوگا۔اب صورت حال یہ ہے کہ اس مسئلے کے دو پہلو ہیں' اول ڈیڑھ لاکھ روسی فوجیوں کا انخلاء اور دوم پاکستان اور ایران سے پچاس لاکھ مہاجرین کی مراجعت وطن۔ اب روسی افواج کی واپسی کا تو فیصلہ ہوگیا ہے' جنرل سیکرٹری گورباچوف نے ان کی واپسی کیلئے پندرہ مئی کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔مسٹر گورباچوف کے اس فیصلے کے محرکات میں بے شک عالمی رائے عامہ کی روسی جارحیت پر ناپسندی اور امریکی امداد کا بھی بڑا عمل دخل ہے لیکن اس اعلان کا فیصلہ کن محرک افغان مجاہدین کا بے مثل جذبہ جہاد و قربانی (بارہ لاکھ مجاہدین شہید ہوئے اور تین لاکھ اپاہج ہوئے) ہے تو پاکستان کا اسلامی جذبہ حمیّت واخوت۔جس نے نو سال سے اس کے باسیوں کو بدرجہ اتم بے معنی اور بے غرضی سے تیس لاکھ سے اوپر مہاجرین کو بسانے اور دیکھ بھال کرنے نیز روسی حملے کا خطرہ مول لیتے ہوئے افغان مجاہدین کی بہرنوع مدد کرنے پر ثابت قدم رکھا۔

مسئلہ افغانستان کا دوسرا پہلو یہ ہے (اور یہ پہلو روسی افواج کے انخلاء کے پہلو سے کسی طرح کم اہم نہیں) کہ یہ مہاجرین باعزت و بحفاظت اپنے وطن کو واپس جائیں اور وہ اسی صورت اپنے گھروں کو پلٹ سکتے ہیں کہ کابل میں ایسی حکومت قائم ہو' جس پر انہیں اعتماد ہو' نجیب حکومت روسی ساز و سامان کا حصہ ہی نہیں کہ اسے روسی افواج کے انخلاء کے ساتھ تحلیل ہو جانا چاہئے بلکہ وہ ایسی حکومت ہے' جسے نہ افغان مجاہدین قبول کر سکتے ہیں اور نہ مہاجرین کا اعتماد حاصل ہو سکتا ہے اس طرح کابل میں فوری نئی عبوری حکومت کا قیام روسی افواج کی واپسی کا ناگزیر لازمہ ہے۔ اس لئے اگر روسی افواج تو واپس چلی جائیں، لیکن پانچ سال کے لئے جدید ترین اسلحہ سے مسلح نجیب حکومت جو چار سو سے زیادہ معاہدوں کے بندھنوں میں ماسکو سے بندھی ہوئی ہے' پیچھے چھوڑ جائیں' تو نہ افغان مجاہدین کی کامیابی ثمربار ہوتی ہے اور نہ پاکستان کا مہاجرین کی ذمہ داری کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے' اس لئے صرف روسی افواج کا انخلاء مسئلہ افغانستان کا حل نہیں اس کے خلاف اگر روسی افواج کی واپسی کے ساتھ کابل میں ایسی حکومت قائم ہوتی ہے' جو افغان مجاہدین کی غالب پوزیشن کا اعتراف اور عکاسی کرے اور جسے مہاجرین کی تائید حاصل ہو' تو نہ صرف مسئلہ افغانستان بحسن وخوبی حل ہوتا ہے بلکہ پاکستان کی کوششیں اور قربانیاں بھی بارآور ہوتی ہیں کہ اسے ایک ایسی دوست اسلامی حکومت کا ہمسایہ نصیب ہوگا جس سے اس علاقے میں اس کی حیثیت مضبوط اور بلند ہوگی اور کسی دشمن کو اس پر بآسانی جارحیت کا حوصلہ نہ ہوگا۔

اب ہمارے ہاں ایسے کوتاہ نظر سیاستدانوں اور دانشوروں کی کمی نہیں جو مسٹر گورباچوف کے اعلان انخلاء کو مسئلہ افغانستان کا مکمل حل تصور کرتے ہیں حالانکہ ہمارا اصل مسئلہ مہاجرین کی مراجعت وطن ہے۔ اس لئے وہ حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ جنیوا معاہدات پر بلاتامل دستخط کر دیئے جانے

Marfat.com

چاہئیں حالانکہ اس معاملے میں پاکستان کنجی کی حیثیت رکھتا ہے اور جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا روس اور امریکہ اپنی من مانی نہیں کر سکتے، جو عوامل ذہن میں رکھنے والے ہیں وہ یہ ہیں:

1۔ روسی افواج کے انخلاء کا اصل سبب افغان مجاہدین کی میدان جنگ میں کامیابیاں ہیں اور ان کے پیش نظر ساڑھے آٹھ سال بعد روس میں سکت نہیں کہ وہ اس سراسر نقصان دہ جنگ کو جاری رکھ سکے۔ اس طرح افغانستان میں روس کی پوزیشن امریکہ کی ویت نام میں پوزیشن سے چنداں مختلف نہیں۔

2۔ بے شک امریکہ روس کی کمزور پوزیشن سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور اس سے سربراہی کانفرنس میں کچھ ایسی مراعات حاصل کرنا چاہتا ہے، جو ریگن انتظامیہ کو انتخابی سال میں کسی سرخاب کے پر سے مزین کر دیں اور اس لئے وہ انخلاء پر قانع ہو گیا ہے حالانکہ وہ کل تک کابل میں نئی عبوری حکومت کا مطالبہ کرتا رہا ہے لیکن سیاست میں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس میں کبھی حرف آخر نہیں کہا جاتا۔ اس کی دو مثالیں اسی مسئلہ افغانستان کے موضوع میں دیتا ہوں:

اول جب واشنگٹن کو ماسکو کے اس عندیئے کا علم ہوا کہ وہ مراجعت کی سوچ رہا ہے اور مسٹر گورباچوف اس ضمن میں کوئی اعلان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو سیکرٹری آف سٹیٹ جارج شلز نے مطالبہ کر دیا کہ روس افواج ایسے واپس بلائے کہ پہلے ہی مرحلے میں پچاس فیصدی سے زیادہ فوجیوں کا انخلاء ہو جائے اب یہ مطالبہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا لیکن ماسکو واشنگٹن کی بات ماننے پر مجبور تھا چنانچہ اس نے مسٹر گورباچوف کے 8 فروری کے اعلان کے ذریعے مسٹر شلز کا مطالبہ مان لیا' دوسری مثال روسیوں کے نجیب حکومت کو ترسیل اسلحہ کا معاہدہ ہے۔ جنیوا معاہدات کی رو سے' جہاں افغان مجاہدین کو اسلحہ کی امداد بند کی جاتی ہے' وہاں روس پر کابل کو اسلحہ فراہم کرنے پر کوئی بندش نہیں' اس لئے معاہدات کے پیش نظر واشنگٹن نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ روسی افواج کا انخلاء شروع ہونے کے ساٹھ دن کے اندر اندر وہ افغان مجاہدین کی امداد بند کر دے گا' لیکن آج ہی افغان مجاہدین نے امریکی سینیٹ کی ناراضگی کے رد عمل کی روشنی میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (وزارت خارجہ) نے اعلان کیا ہے کہ وہ تب تک افغان مجاہدین کو مدد جاری رکھے گا' جب تک ماسکو نجیب حکومت کو اسلحہ دیتا رہے گا۔ ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ سیاست میں اور حکومتوں کی حکمت عملی میں خارجی و داخلی دباؤ کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ برابر مد و جزر آتا رہتا ہے' شرط دباؤ قائم رکھنا ہے' اس لئے اگر پاکستان عبوری حکومت کیلئے امریکہ پر دباؤ قائم رکھے تو ہمارا کیس اتنا اچھا ہے کہ وہ اس پر سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ ہو جائے گا' جس کا مطلب ہے کہ وہ ماسکو پر عبوری حکومت قائم کرنے میں تعاون پر زور دے گا تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

تو اب میں اپنے اصل سوال کی طرف لوٹتا ہوں اور وزیر اعظم صاحب سے پوچھتا ہوں کہ وہ وزیر مملکت خارجہ زین نورانی صاحب کو کیا مینڈیٹ دے کر جنیوا واپس بھیج رہے ہیں؟ کیا وہ انہیں

Marfat.com

غیر مشروط طور پر معاہدات پر دستخط کرنے کا حکم دے رہے ہیں یا انہیں ہدایت فرما رہے ہیں کہ جب تک روس کابل میں نئی عبوری حکومت کے قیام پر راضی نہیں ہوتا' پاکستان معاہدات پر دستخط معرض التواء میں رکھے گا؟ آخر کار 15 ر مارچ کی تاریخ کاتب تقدیر نے نہیں لکھی کہ بدلی نہ جاسکے۔ میری سوجھ بوجھ تو یہ بتاتی ہے کہ معاملہ جنیوا میں نہیں' واشنگٹن میں طے ہو گا کیونکہ اگر امریکہ کو فوری نفع اندوزی کی بجائے (جس کی اسے ماسکو سربراہی کانفرنس سے توقع ہے اور جس کی خاطر وہ مہاجرین کے مفاد کو نظرانداز کر رہا ہے) دوراندیشی پر مائل کر دیا جائے اور اگر ہم میں سفارتی و سیاسی صلاحیت ہو تو یہ عمل عین ممکن ہے کہ ہمارے ہاتھ میں اچھے پتے ہیں بلکہ چند ٹرمپ کارڈز ہیں' تو مسئلہ افغانستان مضبوط بنیاد پر حل ہو سکتا ہے کہ روسی افواج بھی ملک سے نکل جائیں اور ایک قابل قبول عبوری حکومت کے زیر نگرانی مہاجرین بھی بخیر و عافیت اپنے وطن واپس لوٹ جائیں' ہمیں فیصلہ کرنے میں جلدی کی ضرورت نہیں' عزم اور حوصلے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

# پرنالا وہیں گرا

اپوزیشن جماعتوں سے وزیراعظم محمد خان جونیجو کی دو روزہ گفت و شنید کا یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت نے جنیوا مذاکرات کے ذریعے مسئلہ افغانستان کے حل پر جو موقف اختیار کیا ہوا تھا اس میں کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ اسے مزید استقامت حاصل ہوئی ' بے شک بعض عناصر نے کانفرنس کے انعقاد کو اپنی پسند کے معنی پہنانے کی کوشش کی 'اگر سرکار کے موید تر جمانوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ ایم آر ڈی نے حکومت کی منتخبہ پوزیشن کو تسلیم کر لیا ہے تو اپوزیشن کے طرف دار حلقوں کی طرف سے کہا گیا کہ بالآخر حکومت کو جھکنا پڑا اور اسے ایم آر ڈی کی اہمیت کو ماننا پڑا (بعض نے تو یہ بھی استدلال کیا کہ اب سیاسی پارٹیوں کی رجسٹریشن کی ضرورت ساقط ہو گئی) اور روسی لابی کے منچلوں نے تو اس قومی بحران کے نازک موقع پر بھی اپنا لالچ تکنے سے پرہیز نہ کیا اور اس افواہ کی خوب تشہیر کی کہ روس نے پاکستان کو دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے 15 رمارچ تک جنیوا مذاکرات پر دستخط نہ کئے تو اس کی خیر نہیں 'مقصد عوام میں دہشت پھیلا کر انہیں حکومت پر دباؤ ڈلوانے کے لئے اکسانا مقصود تھا کہ وہ ڈر اور خوف میں آ کر معاہدات پر دستخط کر دے 'قومی محاذ کے انقلاب پسند معراج محمد خاں صاحب نے تو یہ بھی مطالبہ کر دیا کہ افغان مجاہدین کو فوراً اسلحہ سے محروم اور نہتا کر دیا جائے اور بعض مبصروں نے یہ رائے دی کہ ایک آدھ بنیاد پرست جماعت کے سوا ' پورے احزاب اختلاف کے مجمع نے فوری طور پر جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کا مشورہ دیا ہے 'لیکن مابعد دراصل ہوا کیا؟ صدر ضیاء الحق تو شروع سے یہ کہہ رہے ہیں کہ افغان مہاجرین کی مراجعت وطن کیلئے نجیب حکومت کی جگہ کابل میں ایک ایسی حکومت کا قیام ضروری ہے جسے ان کا اعتماد حاصل ہو اور جو انہیں واپس آنے کی ترغیب دے سکے ' وہ بروقت (15 رمارچ) سمجھوتے کی بجائے معاملے کے عملی حل کو سرانجام دینے پر زور دیتے رہے ہیں اور اس نکتے کو انہوں نے اپنے گلف ٹائمز کے بیان میں دہرایا ہے کہ ان

Marfat.com

کی بات چھوڑیئے کہ مسئلہ افغانستان کے بارے میں صدر مملکت کا مؤقف کبھی غیر واضح نہیں رہا' لیکن جونیجو حکومت (جس کے متعلق کہا گیا کہ وہ اپوزیشن کے نقطہ نگاہ سے بہت متاثر ہوئی ہے) کے مافی الضمیر بیان بازوں نے کیا کہا؟ سب سے پہلے وزیر مملکت خارجہ زین نورانی نے واپس جنیوا پہنچتے ہی اخباری نامہ نگاروں کو بیان دیا کہ عبوری حکومت کا قیام اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ معاہدات پر دستخط کرنا اور ظاہر ہے کہ اگر اس مہم کو سر کرنے میں وقت لگتا ہے تو پھر کوئی چارہ نہیں۔

بہر حال وزیر مملکت خارجہ معاہدات پر دستخط کرنے کیلئے کسی تیزی میں نظر نہیں آتے' اقوام متحدہ کے نمائندے مسٹر کارڈوویز' جن کی وساطت سے پاکستان اور کابل حکومت میں موجودہ بالواسطہ مذاکرات ہو رہے ہیں' ان کے متعلق بھی یہی اطلاع ملی ہے کہ انہوں نے اپنے سیکرٹری جنرل کو جو رپورٹ بھیجی ہے' اس سے مظہر ہے کہ معاہدات پر 15 ر مارچ تک دستخط ہوتے نظر نہیں آتے اور گو چاروں دستاویزات تیار ہیں لیکن ان میں ابھی کئی تفاصیل تصفیہ طلب ہیں مثلاً یہی کہ تیسرے معاہدے کا تقاضا ہے کہ مہاجرین سے ان کی واپسی کے بارے میں مشورہ ہی نہ کیا جائے بلکہ ان کی باعزت و بحفاظت واپسی کا یقینی انتظام کیا جائے' اس تقاضے کو عملاً کیونکر پورا کیا جائے؟

دریں اثناء پچھلی اتوار' وزارت خارجہ کے لائق اور محنتی سیکرٹری عبدالستار نے لندن ویک اینڈ ٹیلی ویژن پر مسئلہ افغانستان کے موضوع پر ایک نہایت مصفّا و مجلّا انٹرویو نشر کیا۔ انہوں نے کہا کہ جنیوا مذاکرات "مکمل تعطّل" کی گرفت میں آچکے ہیں کہ دوسری پارٹی (ماسکو کابل) کی طرف سے "عبوری حکومت کی تشکیل کے بارے میں کوئی شروعات نہیں ہو رہی" ٹی وی نمائندے کے اس استفسار پر کہ جنیوا معاہدات پر دستخطوں اور عبوری حکومت کی تشکیل میں کیا تعلق ہے؟ سیکرٹری عبدالستار نے کہا کہ اس ضمن میں حکومت پاکستان کا مؤقف مبنی بر ہوا نہیں ہے۔ "ہماری پوزیشن کا مدار وہ تجویز ہے' جو اقوام متحدہ کے نمائندے نے ستمبر 87ء میں پیش کی تھی اور جس کا مقصود بیک وقت دوجہتی پیش رفت تھا کہ ایک جہت جنیوا سمجھوتہ بروئے تکمیل پہنچے تو دوسری جہت کابل میں عبوری حکومت کا ظہور ہو' اس تجویز کو پاکستان کی ہی نہیں بلکہ روس کی بھی حمایت حاصل تھی اور اب اسی بیک وقت دوجہتی پیش رفت پر ہمارے مؤقف کی بنیاد ہے" مسٹر عبدالستار نے کہا کہ اگر ایک پارٹی (ماسکو کابل پارٹی) اس متفقہ فیصلے سے منحرف ہو رہی ہے تو اسے اس کے نتائج کی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی۔ اس سوال کے جواب میں کہ جب دوسری طرف سے آپ کو مفاہمت و تعاون کا ہاتھ نہیں بڑھایا جا رہا تو پھر ان مذاکرات کا فائدہ؟ سیکرٹری خارجہ نے کہا کہ یہ پاکستان کی خواہش' کوشش اور کومٹ منٹ ہے کہ وہ ہر وہ اقدام کرے جس سے جنیوا مذاکرات کامیاب ہوں۔ اس پر نمائندے نے کہا کہ کیا آپ افغان وزیر خارجہ اور مسٹر کارڈوویز کے اس بیان سے اتفاق کریں گے کہ جہاں تک جنیوا معاہدات کا تعلق ہے ان پر اتفاق رائے ہو چکا ہے اور وہ مکمل ہیں اور اب ان پر

Marfat.com

مہر توثیق ثبت کرنے میں ایک ہی امر حائل ہے اور وہ جیسا کہ آپ نے کہا کابل حکومت کا آپ کے مطالبہ عبوری حکومت' کا انکار ہے؟

مسٹر عبدالستار نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ تحریراً (جہاں جنیوا معاہدات بے شک مکمل ہو چکے ہوں وہاں ان کے مضمرات پر عمل کے لحاظ سے وہ ابھی نامکمل ہیں) مثلاً ان کا تیسرا حصہ اس بات کا متقضی ہے کہ افغان مہاجرین کی مراجعت وطن کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی جائے خصوصاً اس امر کے متعلق ان کی رائے معلوم کرنا ضروری ہے کہ آیا مہاجرین کی واپسی کے انتظامات مناسب و موزوں ہیں اور انہیں قبول ہیں۔ اب یقیناً یہ شرط' اس تیقن کا حصول اور فرض کی ادائیگی کہ مہاجرین کی واپسی کے انتظامات خاطر خواہ اور قابل قبول ہیں۔ اسی جنیوا معاہدے سے بر آمد ہوتی ہے کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ وہ مہاجرین کی باعزت اور بحفاظت مراجعت وطن کو راس اور ساز گار ہو۔

اب اگر مہاجرین کی واپسی کے لئے ایسے راس اور ساز گار حالات نہیں پیدا کئے جا رہے تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جنیوا معاہدات مکمل ہو گئے ہیں؟ ہم نے دوسری پارٹی کو مطلع کر دیا ہے کہ ایسے حالات کا پیدا کرنا جنیوا معاہدات کا جزولاینفک ہے۔ نمائندے نے پھر پوچھا کہ کیا آپ کو اس بات کا خیال نہیں کہ لوگ پاکستان کو الزام دیں گے کہ وہ اپنے مطلب کی خاطر جان بوجھ کر جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے میں تاخیر کر رہا ہے؟ مسٹر عبدالستار نے جواب دیا کہ ماسکو نے روسی افواج حکومت پاکستان کی دعوت یا درخواست پر نہیں بھجوائی تھیں اور اسی لئے روسی افواج کو افغانستان چھوڑنے کے لئے حکومت پاکستان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں' اس لئے ہم کسی تاخیر کے ذمہ دار نہیں' ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ اب جبکہ مسٹر گورباچوف نے اپنی افواج کو واپس بلانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ ملک کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جائیں کہ افغان عوام کی مصیبتوں میں کمی آئے اور افغانستان میں ایسا ماحول ہو کہ مہاجرین واپس آ جائیں اور وہاں ایسے حالات نہ ہوں جیسے کہ ہم لبنان میں دیکھ رہے ہیں ورنہ وہاں خانہ جنگی ہو گی۔ خون بہے گا اور قتل و غارت گری ہو گی۔ ہمیں اپنے آپ سے اور افغانستان کے عوام سے ذمہ داری کا ثبوت دینا ہو گا۔ اس پر نمائندے نے اپنے سوال کا آخری تیر چلایا۔ اس نے کہا "مسٹر عبدالستار آپ نے کہا ہے کہ روس کو افغانستان چھوڑنے کے لئے پاکستان کی اجازت کی ضرورت نہیں تو کیا آپ کو کوئی فکر لاحق ہو گی اگر وہ خود بخود ناراضگی یا خوشی سے ملک چھوڑ کر اس بناء پر جنیوا معاہدات سے کنی کترا جائے کہ آپ (پاکستان) معاہدات کی تکمیل کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں؟" اس سوال کا سیکرٹری عبدالستار نے دوٹوک جواب دیا۔ "روس واپس جانے کو بالکل آزاد ہے' اگر وہ کل واپسی شروع کر دے تو اس کے لئے تحسین و مرحبا کے نعرے لگائیں گے' لیکن خدارا پاکستان سے یہ توقع نہ رکھئے کہ وہ ایسے معاہدات پر دستخط کر دے جس کے نتیجے میں افغانستان میں کشت و خون اور قتل و غارت شروع ہو جائے' ہم سوویت یونین سے

Marfat.com

کہہ رہے ہیں کہ براہ مہربانی اس ذمہ داری کا ثبوت دیجئے جو ایک سپر پاور کے شایان شان ہو ایسا اقدام کیجئے کہ جو افغانستان کو امن دے، جو اسے خانہ جنگی سے بچائے اور جو ان غریب مہاجرین کو باعزت و بحفاظت واپس وطن جانے کی راہ ہموار کرے" میں نے سیکرٹری عبدالستار کی ٹی وی تقریر کو اس لئے ذرا تفصیل سے پیش کیا ہے کہ وہ کم از کم مغربی سامعین کے لئے پاکستان کے مؤقف کی بڑی مؤثر تصویر پیش کرتی ہے اور جس طرح امریکی روسی زعماء کے جنیوا میں جم گھٹ سے نظر آرہا ہے بالآخر مسئلہ افغانستان کی گتھی واشنگٹن کو ہی سلجھانی پڑے گی اور وہ اس سے زیادہ دیر تک پہلوتہی نہیں کر سکتا۔

اب گھر کے منظر کی طرف لوٹئے، وزیراعظم جونیجو پارلیمانی اور اپوزیشن کی جماعتوں سے مشاورت کے بعد، صوبہ در صوبہ عوام کی رائے معلوم کر رہے ہیں، پہلے وہ صوبہ سرحد گئے، پشاور میں ہر طبقۂ خیال کے رہبروں اور دانشوروں سے ان کے تبادلہ خیالات کی وہاں کے انگریزی اخبار "فرنٹیر پوسٹ" میں دلچسپ اور چشم کشا کارروائی چھپی ہے۔ وزیراعظم صاحب نے فرمایا کہ ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ روسی افواج کے انخلاء کے بعد کابل میں کس قسم کی حکومت بنتی ہے "لیکن ہم ایسے منصوبوں اور لائحہ عمل کو ضرور بروئے کار لائیں گے جو مہاجرین کی باعزت و بحفاظت مراجعت وطن کو یقینی بنائے۔" جس مجلس سے وزیراعظم نے خطاب کیا وہ صوبے کی ممتاز شخصیتوں پر مشتمل تھی اس میں چوٹی کے مفکّر، ایم این اے، ایم پی اے، کونسلرز، وکلاء، صحافی اور لیبر یونین لیڈرز تھے۔ بیس مقررین پاکستان کی اس حالت شش و پنج کے موضوع پر بولے کہ آیا وہ جنیوا معاہدات پر کابل میں عبوری حکومت کا سوال اٹھائے بغیر دستخط کر سکتا ہے۔ جب مقررین نے بولنا شروع کیا تو اکثر نے افغانستان میں جہاد جاری رکھنے پر زور دیا اور عبوری حکومت کی تشکیل کے بغیر جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کی مخالفت کی، جس پر وزیراعظم کو مداخلت کرنا پڑی اور حاضرین کو یقین دہانی کرانی پڑی کہ ابھی حکومت نے اس مسئلے پر کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا اور یہ فیصلہ پوری قوم کی رائے معلوم کر کے ہی کیا جائے گا۔ اس کارروائی پر اخبار نے، جو بائیں بازو کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے، اداریہ لکھا کہ اگرچہ وزیراعظم نے جو مسئلہ افغانستان پر مشاورت کا دائرہ (پارلیمانی اور اپوزیشن سے مشاورت کے ماوراء) عوامی رائے بنانے والوں تک پھیلایا ہے مستحسن اقدام ہے "لیکن شاید اس فیصلے کی فوری نوعیت کی وجہ سے، پہلے تجربے کا نتیجہ کچھ بے ہنگم رہا، گو مسٹر جونیجو کو سامعین کی یاددہانی کے لئے خود مداخلت کر کے بتانا پڑا کہ وہ راہ ترجیح، جس پر چلنے کیلئے مقررین جوش و خروش سے اظہار خیالات کر رہے ہیں، ہمارے لئے کھلی نہیں ہے، لیکن اس مداخلت کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہی رجحان خیال جاری رہا" اخبار بڑے افسوس سے لکھتا ہے کہ "صحیح رائے اور فیصلے کیلئے حقائق کا علم لازمی ہے" لیکن ہمارے لوگوں کو حقائق کا کیا علم؟ وہ تو گورنمنٹ کے پراپیگنڈے کے کشتہ ہیں، وہ مسئلہ افغانستان کو "حق و باطل" کی لڑائی سمجھتے ہیں اور یہ "اصولی مؤقف" کی رٹ نے ہمیں کسی حقیقت

Marfat.com

پسندانہ راہ اختیار کرنے کے قابل نہ چھوڑا اور تو اور اخبار کو وزیر مملکت خارجہ زین نورانی سے شکایت ہے کہ عین اس وقت جب وزیر اعظم قوم کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جنیوا مذاکرات میں ہماری ترجیحات محدود ہیں' وہ جنیوا میں پریس والوں کو بتا رہے ہیں کہ عبوری حکومت کی تشکیل کا عمل اتنا ہی اہم ہے جتنا معاہدات پر دستخطوں کا عمل' مستزاد ان کا بیان کہ اس معاملے میں کسی مفاہمت کی گنجائش نہیں۔

اخبار کا کہنا ہے کہ جس قسم کی مسئلہ افغانستان پر عوام کی تعلیم و تدریس ہوئی تو "اس پر تعجب کیوں کہ دس میں سے نو مقررین حکومت پر زور ڈالیں کہ وہ لڑائی جاری رکھے! کیا یہ جہاد نہیں؟" اخبار نے طنزاً کہا۔ پھر اس نے وزیر اعظم کو ٹھیک ہی مطلع کیا کہ جو ردعمل انہوں نے پشاور (پشاور تو اس موضوع میں ملک و قوم کی قیادت کا مقام رکھتا ہے کہ جتنی جانی و مالی قربانی پشاوریوں نے دی کسی اور نے نہیں دی) میں دیکھا' وہی ردعمل ان کی کراچی' کوئٹے اور لاہور میں پیشوائی کرے گا۔ اس ردعمل سے اخبار کچھ ایسا جل بھن گیا کہ وہ وزیر اعظم کو یہ نصیحت کرنے سے نہ رک سکا کہ اگر وہ واقعی ٹھیٹھ عوامی رائے (جسے پنجابی میں "وچلی گل" کہا جا سکتا ہے) معلوم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں گلی کوچوں میں چلنے والوں کے پاس جانا چاہئے' ان لوگوں کے پاس جانا چاہئے جو بسوں اور ویگنوں میں چڑھتے ہیں' اس کے خلاف اگر انہیں (وزیر اعظم کو) تعلیم یافتہ لوگوں کی رائے کی تلاش ہے تو پھر انہیں پہلے ان تعلیم یافتہ لوگوں کو نئی تعلیم دینی پڑے گی" یعنی برین واشنگ کرنی پڑے گی تاکہ پہلے ذہنی اثرات کے فضلے سے دماغ پاک صاف ہو۔ اب اس اداریئے کے مقطع کا بند بھی سن لیجئے۔ اخبار کہتا ہے کہ اگر اسلام آباد کے مسئلہ افغانستان پر موقف میں کچھ تبدیلی آئی ہے اور وہ اس تبدیلی موقف کا احساس و ادراک عوام تک منتقل کرنا چاہتا ہے تو اس کا یہ طریقہ نہیں جیسا کہ کل (7 مارچ) پشاور میں برتا گیا کہ رہبران و دانشوران شہر کے اظہار خیال کیلئے مجلس بپا کی گئی اور ان کی آراء کے احتساب روشنی کی کوشش کی گئی (کیونکہ وہ تو وہی رائے دیں گے جس کا انہیں پچھلے نو سالوں ہیں بلکہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ ان کی سننے کی بجائے انہیں اپنی بات سنائی جائے اور ان کے دل میں اپنا نیا نظریہ اتارا جائے یعنی یکطرفہ معاملہ ہو' رہبران و دانشوران شہر وزیر اعظم کی بات سننے کیلئے بلائے جائیں تاکہ اپنی کتھا سنانے کیلئے اور پھر جلسہ برخاست ہو جائے اگر یہ نسخہ استعمال کیا جائے تو انشاء اللہ نصابی خیالات کی ٹریفک تیز چلے گی اور عوامی رائے کو کلی صحت حاصل ہوگی۔ یہ ہے محنت کشوں کے عالم رہنماؤں کی نظر میں' اہل علم و رائے کی توقیر! لیکن جس نکتے کو اخبار بالکل گول کر گیا وہ تھا' وزیر اعظم کا فرمان کہ گو ہمیں آئندہ کابل حکومت کی تشکیل سے کوئی غرض نہیں (سب پارٹیوں کے نزدیک یہ افغانوں کا اپنا کام ہے) لیکن ہم اس امر سے بے بہرہ نہیں ہو سکتے کہ پچاس لاکھ افغان مہاجرین کو باعزت و بحفاظت واپس پہنچایا جائے۔

وزیر اعظم کی تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ اس امر کی جیسا کہ سیکرٹری عبدالستار نے اپنے ٹی وی

Marfat.com

انٹرویو میں کہا' پاکستان نے ذمہ داری اٹھائی ہے وہ اس ذمہ داری سے کترا نہیں سکتا اور اسی ذمہ داری میں عبوری حکومت کا ہیولیٰ مضمر ہے کہ وہی حکومت مہاجرین کی مراجعت وطن کا مرحلہ طے کرا سکتی ہے جسے' ان کا اعتماد حاصل ہو۔

جیسا کہ مجھے پہلے کہنے کا بھی اتفاق ہوا ہے' جمہوری ملکوں میں ایگزیکٹو ( کابینہ اور حکومت ) کو کسی معاملے پر فیصلہ کرنے میں پیشگی اپنی پارٹی کی رائے لینے کی ضرورت نہیں ہوتی ایگزیکٹو کا اوّلین کام ہی انتظامیہ چلانا ہے' کوئی پارٹی برسرِ حکومت آتی ہی تب ہے جب اسے پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل ہو اور اس کی حکومت ہمیشہ پارٹی کی تائید پر بھروسہ کر سکتی ہے' اس لئے مسٹر جونیجو کو ہر گز جنیوا معاہدات پر پارٹی' پارلیمنٹ چہ جائیکہ ایسی اپوزیشن سے' جو ان کی حکومت کے وجود کو ہی تسلیم نہیں کرتی' مشورہ کرنے کی حاجت نہ تھی' جمہوریت کی تاریخ میں یہ ایک غیر روایتی اقدام تھا لیکن اب جبکہ انہوں نے یہ اقدام لے لیا اور مشاورت کے وسیع میدان میں اتر آئے ہیں اور آگے ہی آگے قدم لئے جا رہے ہیں تو جو امر ناقابلِ تردید طور پر اظہر من الشمس ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ جیسا کہ صدر ضیاء الحق نے مدیران جرائد سے باتیں کرتے ہوئے چند ہی روز پہلے کہا تھا' پاکستان افغان مہاجرین کو غیر یقینی اور ممکنہ خانہ جنگی کی وادی موت میں نہیں دھکیل سکتا اور اس نکتے پر وزیراعظم' وزیر مملکت خارجہ زین نورانی' سیکرٹری عبدالستار ہی ہم خیال نہیں بلکہ مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی اور پارلیمانی اور غیر پارلیمانی ( ماسوائے چند کیمونسٹوں کے ) اپوزیشن کا اجماع ہے' حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس دس کروڑ پاکستانی قوم کا بچہ' بوڑھا' جوان' عورت و مرد یک زبان ہو کر کہہ دے کہ جنیوا معاہدات پر دستخط کر دو' تب بھی وہ اپنے اس مقدس فرض سے کبھی مفر نہ حاصل کرنا چاہے گی کہ افغان مہاجرین کی مراجعت وطن کا شک و شبے سے بالاقطعی طور پر محفوظ اور اطمینان بخش انتظام ہو' ساڑھے آٹھ سال کی لامحدود قربانیوں کے بعد پاکستانی قوم کبھی اپنے ماتھے پر یہ کلنک کا ٹیکہ نہیں لگوا سکتی کہ اس نے افغان مہاجرین کو ان کے دشمنوں کے ظلم و انتقام کے جہنم میں جھونک دیا' اگر ہم اس مؤقف پر قائم رہیں جیسے کہ ہیں بلکہ جیسے کہ معروضی حالات کی منطق کے دباؤ سے ہم روز بروز اس پر مضبوط سے مضبوط تر ہو رہے ہیں ( جیسا کہ وزیراعظم کے مختلف شہروں میں خطابات کے ردِ عمل سے ظاہر ہے ) تو پندرہ مارچ کو جنیوا معاہدات پر دستخط ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ تاریخ سپر پاورز امریکہ اور روس ( جن کے نمائندے جنیوا میں موجود ہی نہیں بلکہ باقاعدہ شریک مذاکرات ہیں ) کو پاکستان کے مؤقف کو سمجھنے کے ضرور قریب تر کر دے گی کہ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا' ماسکو سربراہی کانفرنس کے امریکی روسی مقاصد کے خواب بھی تشنہ تعبیر رہیں گے' پاکستان کو اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا کہ بے شک دن گزرتے جائیں' تاریخیں الٹتی جائیں لیکن وہ مہاجرین کی باعزت و بحفاظت واپسی کے اٹل مؤقف پر اڑا رہے' اسی گر سے تمام مسائل حل پائیں گے۔

Marfat.com

# ابھی نہیں

آج فیصلے کا دن ہے اور کیسا فیصلہ؟ ایسا فیصلہ جس سے ملک کی قسمت پر بہر صورت ایک انمٹ نقش ثبت ہو گا۔ اس فیصلے سے قوم کا مستقبل مائل بہ عروج ہو سکتا ہے اور وہ علاقے میں واقعی تمکن فی الارض کی نعمت سے سرفراز ہو سکتی ہے کہ اسلامی حکومتوں سے گھری اس کی پوزیشن بے پناہ تقویت پکڑ سکتی ہے اور دشمن اس پر اپنے تحکم کا سکّہ چلانے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا یا خدانخواستہ وہ ایسے گرداب کے چکر میں پھنس سکتی ہے جیسے کہ وہ 38 سال پہلے کشمیر میں جنگ بندی سے پھنسی تھی کہ اس کی شہ رگ دہلی کے پنجے میں آ گئی یا سقوط ڈھاکہ سے ایسی روبہ زوال ہوئی کہ نظریہ ربانہ مسلم قومیت! آج ہم عظمت کے ممکنات اور ناکامی کے خطرات کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔

اس فیصلے کا تعلق جنیوا معاہدات پر دستخطوں سے ہے۔ اس فیصلے کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے اپنی عوامی مہم (پارلیمانی و غیر پارلیمانی مشاورت نیز صوبہ در صوبہ مجالس شوریٰ) کے ذریعے دو ایشو فریم کئے ہیں۔ ایک پاکستان سے تیس لاکھ سے اوپر مہاجرین کی باعزت و بحفاظت مراجعت وطن دوسرا اس امر کو یقینی بنانے کے لئے کابل میں ایک ایسی عبوری حکومت کا قیام جو تمام افغان عناصر پر مشتمل ہو اور جسے مجاہدین اور مہاجرین کا اعتماد حاصل ہو۔ یہ دو شرائط روس کے اعلان انخلاء افواج کے مابعد حکومت پاکستان کے شش و پنج کی پیداوار نہیں بلکہ جنیوا معاہدات کے تیسرے معاہدے کے جبلی مضمرات ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ مہاجرین کی واپسی کا انتظام محفوظ و معززانہ ہی نہ ہو بلکہ ان کی رضا کے مطابق ہو۔

Marfat.com

اس فیصلے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے لئے دو ہی راہیں کھلی ہیں یا جنیوا معاہدات پر دستخط کر دو یا ان پر دستخط نہ کرو' اس کے لئے تیسری یہ راہ نہیں کھلی کہ اس پر مشروط دستخط کر دو کیونکہ اگر ان معاہدات پر دستخط کر دیئے گئے تو وہ فی الفور لاگو اور چالو ہو جائیں گے' ان پر شرطوں (مندرجہ بالا شرطوں یعنی مہاجرین کی واپسی اور عبوری حکومت کا قیام) کی پابندی کی قدغن اسی طرح لگ سکتی ہے کہ ماسکو اور کابل کے خلاف اسلام آباد کے پاس ایسے دباؤ کی طاقت ہو (مثلاً روس کا وعدہ اور امریکہ کی ضمانت' جو اسے پیشگی حاصل ہو) جس کے تحت ایک معینہ وقت کے اندر اندر (مثلاً معاہدات پر دستخطوں سے ساٹھ دنوں کے عرصے میں جب روسی فوجوں کا نکلنا قرار پایا ہے) ان شرطوں پر عمل در آمد کرایا جا سکے۔ ایسے روسی وعدے اور امریکی ضمانت کے بغیر معاہدات پر مشروط دستخط خود فریبی کے مترادف ہوں گے۔

تو سوال یہ ہے کہ وزیر اعظم اپنی شرائط کی تکمیل کا مقصود کس طرح حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ مہاجرین کی واپسی اور عبوری حکومت کے قیام میں روسی اور امریکی غیر دلچسپی کے پس منظر میں پاکستان کے پاس ایک ہی چارہ کار رہ جاتا ہے کہ وہ جنیوا معاہدات پر مہر توثیق لگانے کے عمل کو (جس کے لئے روس نے یکطرفہ طور پر آج کا دن مقرر کیا ہے) معرض التواء میں ڈال دے' بین الاقوامی معاہدات کی تکمیل میں التواء کوئی نئی روایت یا پیش رفت نہ ہوگی۔ ایسا ہوتا ہی آیا ہے۔ خود امریکہ اور روس کے مختلف النوع مذاکرات میں کئی بار التواء کے مراحل آئے ہیں۔

التواء سے روس اور امریکہ پر عملاً یہ واضح ہو گا کہ پاکستان کا عبوری حکومت کے قیام کا مطالبہ محض گیدڑ بھبکی نہیں بلکہ ایک سنجیدہ تجویز ہے جسے بآسانی ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان کے اقدام کا اثر ہو گا لیکن اگر پھر بھی روس اور امریکہ اپنے مؤقف سے نہ ہٹیں' تب بھی پاکستان کو روا نہیں کہ وہ بغیر کوشش اور تگ و دو اس گھمبیر معاملے میں سپر پاورز کے سامنے سر تسلیم خم کرے کہ ایسا عمل ملکی و ملی مفادات کے تحفظ کی ذمہ داری سے راہ انحراف اختیار کرنے پر محمول ہو گا۔

مزید بر آں وزیر اعظم قوم کے سامنے بھی جوابدہ ہیں' انہوں نے خود ہی ایک غیر روایتی عوامی تبلیغی عمل کے ذریعے جنیوا معاہدات کی منظوری کے لئے قوم کا دو شرائط پر اجماع کروایا ہے...... مہاجرین کی باعزت و بحفاظت واپسی اور عبوری حکومت کا قیام...... اب وہ ان دو اہم شرائط کو منوانے کے فرض سے کس طرح عہدہ بر آ ہو سکتے ہیں۔

یہاں معاہدات پر دستخط کرنے اور نہ کرنے کے موثرات کو بھی پرکھ لینا چاہئے۔ اب اگر پاکستان بے چون و چرا دستخط کر دیتا ہے تو اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ بے شک روسی افواج نکل جائیں گی لیکن کابل میں نجیب حکومت قائم رہے گی اور اس حکومت کو روسی اسلحہ کے علاوہ ماسکو کی پوری سرپرستی اور حمایت حاصل رہے گی' نیز اسے بیس ہزار ان افغان فوجیوں کی کمک بھی حاصل ہو گی جو سالہا سال سے روس میں ٹریننگ پا رہے

Marfat.com

ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجاہدین اس حکومت کو تسلیم نہ کریں گے اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کے پیش نظر نہ مہاجرین وطن واپس جا سکیں گے نہ ہم انہیں وہاں جانے پر مجبور کر سکیں گے یعنی جہاں ہماری موجودہ مشکلات بدستور اپنی جگہ قائم رہیں گی' وہاں آزادی افغانستان کے لئے پاکستان کی ساڑھے آٹھ سالہ جانی مالی قربانیاں ضائع ہو جائیں گی اور نہ ہم مجاہدین سے آنکھ ملا سکیں گے اور نہ مہاجرین کو ان کے گھروں میں بسانے کے معاملے میں سرخرو ہو سکیں گے' اس کے برعکس اگر پاکستان دستخط نہ کرے تو صورت حال یہ ہوگی کہ گو ہماری موجودہ مشکلات بدستور قائم رہیں گی لیکن جہاں مجاہدین کا وہ جہاد' جس نے روسی افواج کا منہ موڑ دیا (اور جو عنقریب ملک کو آزاد کرانے کی اہلیت کا حامل ہے) جاری رہے گا، وہاں پاکستان جنیوا معاہدات کی عائد کردہ کسی پابندی کا تابع نہ ہوگا اور دنیا میں مجاہدین' مہاجرین اور پاکستان کا جو حریت پرور تصور قائم ہوا ہے وہ مزید اجاگر ہوگا اور انہیں وسیع تر عالمی تائید حاصل ہوگی اور انشاءاللہ بصورت فتح پاکستان اور افغانستان یک جان و دو قالب ہوں گے اور ان کی دوستی و رفاقت اس علاقے میں ثبات و استحکام کا قلعہ تعمیر کرے گی اور ہم افغانوں کی نظروں میں سرفراز ہوں گے تو دنیا کے تمام ملکوں کی نظروں میں بھی اعلیٰ مرتبہ پائیں گے۔ سب سے بڑھ کر اسلامی ملکوں کا اتحاد جنوب مشرق میں ابھرتے ہوئے سامراج کے لئے سد سکندری کا کام دے گا کہ جو لوگ روس کی طاقت کے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں' ان سے دوسروں کے سامنے بھی سرنگوں ہونے کی توقع نہ ہو سکے گی۔ افغان مجاہدین کے طفیل پاکستانیوں کو یہ ثابت کرنے کا موقع مل رہا ہے کہ برصغیر میں ایک آزاد مسلم قوم کی حیثیت سے ان کا ظہور کسی بڑے اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔

ان دو صورتوں کو دیکھا جائے تو معاہدات پر دستخط نہ کرنا سیاسی فراست اور عملی سود مندی پر دلالت کرتا ہے کہ جہاں دستخط کرنے میں خسارہ ہی خسارہ نظر آتا ہے وہاں نہ کرنے سے عین ممکن ہے کہ امریکہ اور روس کو اپنے مفادات کی رکھوالی کے ضمن میں (ابھی ماسکو میں سربراہی کانفرنس ہونے والی ہے) ایسا دھچکا لگے کہ وہ ہمارے مؤقف پر غور کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

○ جنیوا معاہدات پر دستخط کرانے میں روسی لابی پیش پیش ہے' کمیونسٹوں اور ان کے ہم سفروں کو پاکستان کی خارجہ پالیسی پر ہمیشہ اعتراض رہا ہے کہ وہ امریکہ کی طرف داری پر مبنی ہے اور وہی پالیسی اس نے افغانستان میں اختیار کی ہوئی ہے اب یہ "محبان وطن" بتائیں کہ افغانستان پر حملہ کس نے کیا؟ امریکہ نے یا روس نے؟ اور پاکستان نے حریت پرست مجاہدین کی مدد' غریب الوطن مہاجرین کی میزبانی اور امریکی اعانت حاصل کر کے کیا غلطی کی؟ کیا اگر وہ روس کو افغانستان میں اپنے قدم جمانے دیتا تو یہ حکمت عملی وطن دوستی اور حریت پرستی کی ذیل میں آتی خواہ ایک مسلم قوم ہمیشہ ہمیش کے لئے غیر مسلموں کی غلام بن جاتی؟ دراصل روسی لابی کو روس کے مفاد کے نفوذ سے غرض ہے اسے پاکستان کی آزادی اور خود مختاری

Marfat.com

سے کوئی لگاؤ نہیں، لیکن وہ پروپیگنڈے میں تیز ہے اور ٹھیٹھ پاکستانی اذہان کو بھی امن پسندی کے نام پر ورغلانے میں ماہر و کامیاب ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نازک قومی لمحے، اس کے کردار کو پہچانا جائے اور ملک کے مفاد پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے۔ آج مسئلہ افغانستان کے بارے میں ایسا فیصلہ ہونا چاہئے، جو ہمیں آئندہ نسلوں کے سامنے شرمندہ نہ کرے، ہمارا المیہ یہ ہے کہ پاکستان کے ظہور کے بعد اور جو ارکان و عوامل کے علاوہ قائداعظمؒ کی صلاحیت مذاکرات کا رہین منت ہے، ہم نے بین الاقوامی مذاکرات میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی، جنگ بندی سے کشمیر گنوایا، ہندوستان کے ہاتھوں دریا گنوائے، مشرق و مغرب کے مذاکرات میں آدھا ملک گنوایا، شملہ معاہدہ سے سیز فائر لائن گنوائی اور اپنا آزاد منصب گنوایا کہ اب ہم تاوقتیکہ ہندوستان کو منظور ہو اپنے طور پر بین الاقوامی اداروں میں کشمیر کے سوال کو نہیں اٹھا سکتے اور اب ہمارے سر پر جنیوا مذاکرات کے قیامت کی گھڑی ہے۔ دیکھیں اس میں سے کیا پاتے ہیں کیا کھوتے ہیں؟

میری وزیراعظم صاحب سے صرف یہ عرض ہے کہ وہ کم از کم آج معاہدات پر دستخط کرنے کا حکم نہ صادر فرمائیں اگر انہوں نے اپنے زوردار دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ مہاجرین کی مراجعت وطن کے خاطر خواہ انتظام کے بغیر جس کے لئے عبوری حکومت کی ضرورت ہے پاکستان اپنا اصولی کردار (جس پر ہم نے ساڑھے آٹھ سال تکیہ کیا اور ہر صعوبت کو برداشت کیا) ادا نہیں کر سکتا تو ہم میں یہ مظاہرہ کرنے کی بھی قوت ہونی چاہئے کہ ہم دوسروں کے احکامات کا نفی میں جواب دے سکیں۔ قائداعظمؒ کے متعلق انگریزوں اور ہندوؤں کی رائے تھی کہ انہوں نے نو نو، نہیں نہیں کہہ کر پاکستان حاصل کر لیا، کسی اصول کی روشنی میں ہی نو کہا جا سکتا ہے ورنہ یس سر کہنا آسان ہے۔ یس سر کہنے والے بہت ہیں۔

Marfat.com

# کیا کانٹا بدلا؟

روس کی جنیوا معاہدات پر دستخطوں کی مقرر کردہ ڈیڈ لائن (پندرہ مارچ) آئی اور چلی گئی اور ان پر دستخط نہ کرنے کی بناء پر کوئی قیامت نہیں ٹوٹی' مذاکرات بدستور جاری ہیں' نہ کابل حکومت کے نمائندے نے بالواسطہ کانفرنس سے واک آؤٹ کیا اور مسٹر کارڈوویز کو ملنے سے انکار کیا اور نہ اس کے روسی سرپرست مسٹر کازوروف نے احتجاجاً گھر کی راہ لی بلکہ انہوں نے اقوام متحدہ کے نمائندے سے ملاقات کے بعد نامہ نگاروں کو یہی بتایا کہ مذاکرات چل رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اول تو ماسکو نے دستخطوں کے لئے 15 مارچ کی تاریخ اپنے طور پر مقرر کی تھی' دوسرے فریق اس تاریخ کی تقرری میں شامل نہ تھے' اس لئے اسے الٹی میٹم تو کہا جا سکتا تھا' ڈیڈ لائن نہ کہا جا سکتا تھا' جس کی پابندی ضروری ہو' جس تاریخ میں کل دنیا کو دلچسپی تھی وہ روسی افواج کے انخلاء کی تاریخ تھی یعنی پندرہ مئی' جہاں 15 مئی کی تاریخ کا قائم رہنا اہم ہے کہ وہ ایک کومٹ منٹ ہے وہاں جنیوا معاہدات پر اس تاریخ سے پہلے کسی دن بھی دستخط ہو سکتے ہیں۔ پاکستان نے معاہدات پر دستخط کرنے کے ارادے میں کبھی تامل سے کام نہیں لیا لیکن معاہدات پر یونہی دستخط نہیں ہو جایا کرتے ان کے شمولات و مضمرات پر پورے غور و فکر کے بعد ہی صاد کیا جا سکتا ہے' خصوصاً جبکہ ان کا اثر ایسی پارٹیوں پر مرتب ہونا لازمی ہو جو مذاکرات میں شریک نہ ہوں۔ امریکہ اور روس کو افغان مجاہدین و مہاجرین کے مفادات سے شغف ہو نہ ہو' لیکن پاکستان تو اپنے آپ کو ان سے الگ رکھ کر سوچنے کا تصور نہیں کر سکتا' اب چونکہ عملاً یہ ثابت ہو چکا ہے' 15 مارچ کو دستخط نعوذ باللہ حکم الٰہی کی نوعیت نہ رکھتا تھا کہ جس کے سامنے ہڑبڑاہٹ اور گھبراہٹ پر قابو نہ ہو' تو ان حلقوں

Marfat.com

کو بھی جو دستخط کرنے کے لئے حکومت پاکستان پر اتنا زور اور دباؤ ڈال رہے تھے بلکہ ڈرا رہے تھے کہ اگر یہ تاریخ بے دستخط گزر گئی تو نہ معلوم ہم پر کیا آفت نازل ہو جائے گی۔ ذرا صبر و تحمل سے ملک کے خیر کی روشنی میں معاملے پر تدبر کریں تو بے جا نہ ہو گا کہ آج جلدبازی میں کیا ہوا کوئی اقدام ملک و قوم کو قرن ہا قرن کے لئے مشکلات میں مبتلا کرا سکتا ہے۔ میں یہ بات دہرانے میں کبھی نہ تھکوں گا کہ ذرا کشمیر کی طرف دیکھئے وہاں ہمیں جنگ بندی کتنی مہنگی پڑی!

15 مارچ کی تاریخ تو بخیر و عافیت گزر گئی لیکن اس سے وزیر مملکت خارجہ 'زین نورانی' کے دو بیانات نکلے ہیں جو گہری توجہ کے لائق ہی نہیں بلکہ تشویش کا باعث بھی ہیں۔ ایک بیان میں انہوں نے کہا ہے کہ پاکستان معاہدات پر دستخط کرنے میں ایک دن کا بھی توقّف گوارا نہ کرے گا' بشرطیکہ اسے دو امور پر اطمینان آفرین حل مل جائے گا اور وہ امور ہیں..... اوّل کابل میں عبوری حکومت کے قیام کے سلسلے میں ضروری اقدامات کا اہتمام (اس بارے میں انہوں نے توجیہہ کی کہ اگر ایک بار اس جہت میں اقدامات شروع ہو جائیں تو وہ معاہدات پر دستخطوں کے بعد بھی جاری رہ سکتے ہیں یعنی عبوری حکومت کے قیام کے عمل کو دستخطوں سے پہلے مکمل ہو جانے کی شرط نہیں ہے) 'دوم کابل حکومت کو روس کی اور مجاہدین کو امریکہ کی بیک وقت اسلحی امداد کی بندش کا معاملہ ہے..... دوسرا بیان ہے کہ "ہم نے (یعنی پاکستان نے) کابل میں عبوری حکومت کی تشکیل کو معاہدات پر دستخطوں کے سوال سے الگ تھلگ ( Delinked ) کر دیا ہے" گو انہوں نے اس نکتے کی ایزاد کی کہ ہمیں پھر بھی اس مسئلے کی فکر لاحق رہے گی اور اپنے پہلے بیان کو دہرایا کہ اگر ایک بار عبوری حکومت بنی شروع ہو گئی تو اس کا تمام دستخطوں کے بعد بھی جاری رہ سکتا ہے۔ اب سادہ سی بات یہ ہے کہ یہ دو بیانات آپس میں لگا نہیں کھاتے۔

پوچھنے والی بات یہ ہے کہ اگر پاکستان نے معاہدات پر دستخطوں کے عمل کو کابل میں عبوری حکومت کی تشکیل سے الگ تھلگ اور ڈی لنک ( Delink ) کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو کس بناء پر؟ کیا ماسکو نے اسلام آباد کو عبوری حکومت کی تشکیل کے بارے میں کوئی یقین دلایا ہے 'کوئی کومٹ منٹ کی ہے؟ کیا اس کومٹ منٹ کو بروئے کار لانے کے لئے امریکہ نے کوئی ضمانت دی ہے؟ جنیوا' ماسکو اور واشنگٹن کی رپورٹوں سے اس قسم کی کوئی اطلاع مظہر نہیں اور اس قسم کا کوئی تاثر نہیں ملتا۔ واشنگٹن سے جو رپورٹ آئی ہے وہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان' چارلس ریڈمین' کے اس تبصرے کا ضرور حوالہ دیتی ہے کہ ضامن ہونے کے لحاظ سے امریکہ یقیناً ایسے "جنیوا سمجھوتے کی ضمانت دینے کو تیار ہو گا جو اس کے لئے مکمل طور پر قابل اطمینان ہو۔" آگے چل کر ترجمان نے ان خطوط کی بھی توضیح کر دی جن پر سمجھوتہ امریکہ کے لئے "قابل اطمینان" ہو سکتا ہے۔ وہ خطوط کیا ہیں؟ ترجمان نے کہا "ایسا سمجھوتہ جس کے متعلق ہم (واشنگٹن اور ماسکو) باتیں کرتے رہے ہیں" اب یہ دو سپر پاورز آپس میں سربراہی کانفرنس کے

Marfat.com

دوران یا وزرائے خارجہ کی ملاقاتوں میں کیا باتیں کرتے رہے ہیں۔ ہمیں ساری باتوں کا علم نہیں، لیکن دو باتوں کا ہمیں بخوبی علم ہے، ایک یہ کہ واشنگٹن کابل میں عبوری حکومت کے بارے میں گرمجوش نہیں، اس موضوع پر مسٹر شلز کا بیان بالکل واضح ہے، دوم یہ کہ، امریکہ نے روس سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ نجیب حکومت کو اسی وقت فراہمی اسلحہ بند کر دے جب امریکہ مجاہدین کی امداد بند کرے گا۔ بالفاظ دیگر، اگر ماسکو نے نجیب حکومت کو فراہمی اسلحہ بند نہ کی، تو واشنگٹن بھی مجاہدین کی امداد بند نہ کرے گا۔ اب امریکہ اس مطالبے کو بآسانی منوا سکتا ہے کہ اگر روس اس کا مطالبہ ماننے سے انکار کرتا ہے تو امریکہ جنیوا معاہدات پر ضامن کا کردار ادا کرنے سے پھر سکتا ہے، جس سے معاہدات لٹکے رہ جائیں گے، تو نجیب حکومت کی فراہمی اسلحہ کی بندش (جسے زین نورانی صاحب نے اپنا نکتہ دوم قرار دیا ہے) کا کریڈٹ امریکہ کو جاتا ہے نہ کہ پاکستان کو۔ اگر امریکہ چاہتا تو وہ روس کو نئی عبوری حکومت بنانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا لیکن تادم تحریر اس امر کی کوئی شہادت نہیں ملی کہ اس نے ایسا کیا یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ جہاں پاکستان نے جنیوا معاہدات پر بظاہر غیر مشروط طور پر دستخط کرنے کی آمادگی کا اظہار کر دیا ہے وہاں روس کی طرف سے کسی ایسے بیان یا اقدام کے آثار نظر نہیں آئے کہ وہ کابل میں نئی عبوری حکومت کی تشکیل میں تعاون کا ہاتھ بڑھانے کو تیار ہے۔

اب اگر جلد ہی وزیر مملکت خارجہ کی طرف سے کوئی ایسا توضیحی بیان نہیں آتا، جس سے معلوم ہو کہ کابل میں حکومتی تبدیلیاں ہونے والی ہیں، تو وزیر اعظم جونیجو کے لئے مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کہ انہوں نے عوامی رائے کو یقین دلایا تھا کہ وہ ملک کے عظیم مفادات میں افغان مہاجرین کی باعزت و بحفاظت مراجعت وطن کا انتظام کروائیں گے، جس کے لئے کابل میں عبوری حکومت کا قیام شرط اولین ہے، ورنہ بصورت موجودہ معاملہ یکطرفہ نظر آتا ہے اور ہمارا کانٹا بدلا ہوا لگتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

# کابل قریب ہو گیا

روس نے کل دوٹوک اعلان کر دیا ہے کہ جنیوا مذاکرات نتیجہ خیز ہوں یا نہ ہوں' وہ اپنی افواج افغانستان سے نکال لے گا' مجھے بی بی سی پر یہ خبر سن کر قطعاً کوئی تعجب نہ ہوا' کیونکہ میں نے متعدد بار ان کالموں میں لکھا ہے کہ روس افغان مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھا چکا ہے اور وہ اب مزید اپنے مقبوضہ ملک میں ٹھہر نہیں سکتا' جنرل سیکرٹری گورباچوف کے مورخہ 8 ر فروری کے اعلان انخلاء کے پیچھے دو محرکات کار فرما تھے' ایک تو اپنی شکست خوردگی چھپانے کے لئے امن پسندی کا مظاہرہ کر کے عالمی تائید و مقبولیت حاصل کرنا' اسی عمل کو انگریزی میں Making virtue of Necessity کہتے ہیں' یعنی (ضرورت کو نیکی کا رنگ دینا) دوسرے تیل کے خزانے' خلیج فارس سے روسی افواج کی واپسی سے بعد پیدا کر کے امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنا تاکہ اس سے بہتر تعلقات قائم کر کے روس کی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کا سامان کیا جا سکے۔ مسٹر گورباچوف اپنے ہر دو اہداف میں کامیاب ہوئے' جہاں روس کی فوجوں کی واپسی کے اعلان پر کل دنیا میں واہ واہ ہوئی اور ایک جارح قوم امن کی علمبردار بن کر عالمی سٹیج پر رونما ہوئی' وہاں ماسکو کی حکمت عملی نے واشنگٹن کو اس حد تک مطمئن کر دیا کہ اس نے یکایک افغان مجاہدین اور مہاجرین (جن کے لئے وہ کل تک سرگرم حمایت و مدد تھا) کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا اور کابل میں عبوری حکومت کے مطالبے سے ہاتھ اٹھالیا' اور اس طرح ایک طرف روسی رہنما بڑے شاد کام اور کامران نظر آئے تو دوسری طرف پاکستان بڑی مشکل میں گرفتار دکھائی دیا۔

پاکستان کی ایک مشکل یہ تھی کہ جہاں مسٹر گورباچوف نے یہ کہہ کر کہ ''افغان حکومت بنانا افغانوں کا کام ہے'' اور باہر کے لوگ اس کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں دے سکتے' بحالت موجودہ نجیب

Marfat.com

حکومت کے بدستور قائم رہنے کا جواز پیدا کیا' وہاں سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے بظاہر ایک اصولی مؤقف پر صاد کر کے عملاً کابل میں ایک ایسی نئی عبوری حکومت کا رستہ روک دیا جسے مجاہدین کا تعاون اور مہاجرین کا اعتماد حاصل ہوتا کہ وہ مراجعت وطن کے قابل ہو سکیں۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ خانہ جنگی ہو' یہاں سے مہاجرین جا نہ سکیں اور یہاں سرحد پار سے اور غریب الوطن آئیں' ساتھ ہی ساتھ یہ نظر آ رہا تھا کہ جہاں مجاہدین اور مہاجرین کی خارجی امداد بند ہو جائے گی وہاں نجیب حکومت کو روس کی بہرنوع امداد جاری رہے گی۔ پاکستان کی دوسری مشکل یہ تھی کہ تھڑدلے اور روسی لابی کے بائیں بازو والوں کا پرزور اصرار اور دباؤ تھا کہ بہرقیمت مسٹر گورباچوف کی پیشکش قبول کر لینی چاہئے اور جیسے کیسے بھی ہوں' بے چون وچرا جنیوا معاہدات پر دستخط کر دیئے جانے چاہئیں' پھر صرف دستخط کرنے کا معاملہ نہ تھا اس کا تو پاکستان مکلف تھا' لیکن وہ تو معاہدات کی ہر شق کی جانچ پڑتال کر کے دستخط کرتا' مگر چنگیزی تقاضا یہ تھا کہ روسی حکم نامے کے مطابق 15 مارچ کو دستخط کر دیئے جائیں' اب پاکستان' روس کے حکم' ماسکو کے مؤقف کی واشنگٹن سے حمایت اور خود ملک کے اندر مخصوص و مؤثر پریشر گروپوں کے سخت دباؤ تلے اپنے اور افغان مجاہدین و مہاجرین کے لئے راہ عزت و سلامتی کا متلاشی تھا۔

پاکستان کی ترجیحات محدود تھیں' اگر وہ ماسکو کے حکم کے مطابق **15** مارچ کو دستخط کر دیتا تو اسے کیا ملتا؟ کابل میں نجیب حکومت قائم رہتی' جسے روسی مدد ملتی رہتی اور جہاں مجاہدین اس سے نبرد آزما ہوتے کہ وہ اسے کبھی تسلیم نہ کرتے اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی' وہاں مہاجرین وطن واپس نہ جاتے بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔ مزید برآں عدم مداخلت کے معاہدے کی رو سے مہاجرین کی خارجی امداد بند ہو جاتی اور تمام بوجھ پاکستان پر آ پڑتا' سب سے بدتر مجاہدین سے' جنھیں پاکستان نے ساڑھے آٹھ سال تک سہارا دیا اور جن سے اس کی مستقبل کے لئے امیدیں بندھی ہوئی ہیں' ہمارے تعلقات کٹ جاتے اور ہم خسر فی الدنیا و آخرہ کی تصویر بن جاتے۔ اس کے برعکس' اگر پاکستان ماسکو کے وقت مقررہ پر دستخط نہ کرتا تو اس کے معروضی حالات زیادہ برے نہ ہوتے۔ نجیب حکومت ہوتی' خانہ جنگی ہوتی اور مہاجرین جوں کے توں یہاں رہتے لیکن ایک بڑا فرق پڑتا' ایک تو قومی مفادات کی روشنی میں اپنے حق خوداختیاری کو استعمال کرنے کے احساس و عمل سے ہماری نفسیاتی کیفیت کو تروتازگی اور قوت حاصل ہوتی' جس سے وہ عزت نفس عود کر آتی' جس نے ہمیں تخلیق پاکستان کے چیلنج پر پورا اترنے کا حوصلہ دیا تھا اور جو ہم آزادی کے بعد بری طرح کھو چکے ہیں اور دوسرے ہمیں مجاہدین افغانستان کی محبت و دوستی ملتی جو ہمارے پس منظر اور پیش منظر میں قیمتی ترین متاع ہے۔ مجاہدین نے ایک سپرپاور کی افواج کا منہ توڑ دینے کا جو کارنامہ سرانجام دیا ہے' اس سے قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے' جب چند عشروں میں ہی مسلمان دنیائے معلوم کے آسمانوں پر گھٹاٹوپ بادلوں کی طرح چھا گئے تھے۔ ہمیں افغان مجاہدین کی رفاقت کے سرمائے کو کسی

Marfat.com

قیمت پر ضائع نہ کرنا چاہئے۔ اکٹھے ' مجاہدین کا افغانستان اور مسلم قوم کا پاکستان ' علاقے کی عظیم طاقت بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دوسری صورت میں ' جس میں تگ و تازگی کی آزادی حاصل رہتی ' مکمل فتح چند دنوں کی بات ہے ' روسی گئے تو ان کے حواری پیچھے نہ رہ جائیں گے۔

لیکن سوال تھا کہ پلڑا کس متبادل کے حق میں جھکتا ہے..... بلا سوچے سمجھے ماسکو کی مقرر کردہ 15 مارچ کی تاریخ کو جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کے حق میں ' یا سوچ بچار سے عبوری حکومت کا مطالبہ منوا کر کسی مناسب و موزوں تاریخ پر دستخط کرنے کے حق میں وسیع مشاورتی عمل سے وزیر اعظم جونیجو عالم شش و پنج میں پڑ گئے ہیں لیکن صدر ضیاء الحق شروع سے اس امر پر اڑے ہوئے تھے کہ عبوری حکومت کے قیام کے بغیر افغانیوں کی جدوجہد آزادی اور پاکستانیوں کی حمایت جہاد آزادی اکارت جائے گی اور یہ صدر مملکت کی رہنمائی تھی ' جس نے وزیر اعظم کی قیادت کو اس مؤقف پر مضبوط کیا کہ مہاجرین کیلئے نئی عبوری حکومت کی ضرورت ہے اور معاہدات کو چھانے بینے بغیر دستخط نہیں کئے جائیں گے خواہ 15 مارچ کی تاریخ گزر جائے ' چنانچہ یہی ہوا ' 15 مارچ بے دستخط گزر گیا۔

پاکستان کی عدول حکمی سے کوئی قیامت نہیں ٹوٹی! یا ٹوٹی؟ روسی لابی نے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر ہم نے بروقت معاہدات پر دستخط نہ کئے تو روس پاکستان پر حملہ کر دے گا۔ کابل کی کٹھ پتلی حکومت کے وکیل نے تو جنیوا میں بڑے آتش فشاں بیانات دیئے کہ جنگ کی آگ پاکستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر روسی اتنے ہی بجنگ آمادہ رہتے (نجیب حکومت انہی کے کھونٹے پر ناچتی ہے نا؟) تو اپنی اس طرح بساط لپیٹتے کہ جنیوا معاہدات پر دستخط ہوں یا نہ ہوں انہوں نے فوجیں واپس بلانے کا اعلان کر دیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جونہی یہ اعلان ہوا ' ایک روسی صحافی کے 1980ء میں لکھے ہوئے ' اس مضمون کے اقتباسات بھی نشر ہوئے ' جس میں افغانستان پر روسی فوجی حملے کو فاش غلطی سے تعبیر کیا گیا تھا۔ بات یہ ہے کہ کریملین بھی کا اس نتیجے پر پہنچا ہوا ہے کہ افغان جنگ سخت حماقت تھی اور یہ رائے حکمرانوں تک محدود نہیں ' عوام کو بھی اس کا احساس ہے اور اسی لئے اس قسم کے مضامین کی اشاعت سے موجودہ پالیسی کو صحیح ثابت کرنا مقصود ہے۔ صرف مسٹر گورباچوف کی یہ کوشش تھی کہ وہ اپنی نئی افغان حکمت عملی کے ایک پتھر سے دو پرندے شکار کریں۔ ایک پرندہ تو یہ تاثر پھیلانا ہے کہ روسی فوجوں نے شکست نہیں کھائی ' وہ برضا و رغبت امن پسندی کی خاطر افغانستان چھوڑ رہی ہیں ' دوسرا پرندہ امریکہ سے تعلقات بڑھانا ہے کہ اسی میں سوویت یونین کی اقتصادی ترقی و بہبود کا راز مضمر ہے۔ واشنگٹن ماسکو کی خوب مصلحت سمجھتا تھا لیکن اس کی اپنی مصلحت بھی تھی کہ روسیوں کو ڈھیل دی جائے ' اسی لئے دونوں میں سودے بازی کی گنجائش نکلی۔ روسی افواج کے انخلاء سے خلیج میں امریکی مفاد کو تقویت ملتی تھی تو اسے ماسکو سے کابل میں مجاہدین کی اسلامی حکومت کے قیام کی مخالفت میں کوئی اختلاف رائے نہ تھا کہ امریکہ کا ایک

Marfat.com

حکومت سے ایران میں پالا پڑچکا ہے اور وہ اسلامی بنیاد پرستوں سے الرجک ہے چنانچہ دونوں طاقتوں میں مفاہمت ہوگئی اور جہاں مسٹر گورباچوف نے اعلان انخلاء کر دیا' وہاں امریکہ نے نہ صرف معاہدات کی رو سے مجاہدین اور مہاجرین کو امداد بند کرنے کے عندیئے کا اظہار کیا بلکہ عبوری حکومت کا مطالبہ ہی ترک کر دیا۔

اس پیش رفت سے پاکستان سخت مخمصے میں پڑ گیا کہ وہ معاہدات پر دستخط کرے تب اور نہ کرے تب' دونوں صورتوں میں اسے نجیب حکومت اور خانہ جنگی اور اس کے نتائج کا اکیلے سامنا کرنا پڑتا تھا' لیکن قدرت اپنے مظاہرے دکھاتی رہتی ہے' وہ جو کہتے ہیں کہ انسان تجویز کرتا ہے اور اللہ اس کا فیصلہ کرتا ہے' Man proposes God disposes سو جہاں ایک طرف مسٹر ریگن اور مسٹر شلز اور دوسری طرف مسٹر گورباچوف اور مسٹر شیورڈناڈزے سربراہی کانفرنس کی ملی بھگت کر رہے تھے اور ایک طرف امریکی صدر علمبردار امن عالم بن کر اپنے عہدہ عالیہ سے رخصت ہونا چاہتے تھے اور دوسری طرف سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری اپنی سلطنت کو ارتقائی منازل طے کرا کر سرخروئی حاصل کرنا چاہتے تھے' وہاں ریاستہائے متحدہ میں جمہوریت اپنا کام دکھا رہی تھی۔ اب سودے بازی کی گرمی میں مسٹر ریگن اور مسٹر شلز تو مجاہدین اور مہاجرین کو بآسانی بھول سکتے ہیں لیکن کانگرس (سینٹ اور ایوان نمائندگان) کے ارکان' جو سالہا سال ان کی بے پناہ قربانیوں کا گن گاتے رہے ہیں' ان کی امداد کیلئے ووٹ دیتے رہے ہیں' نیز اخبارات و جرائد اور سیاسی زعماء (سابق صدر نکسن نے کابل میں عبوری حکومت کا پرزور مطالبہ کیا) جو مسئلہ افغانستان کو دنیا کا مسئلہ اول گنواتے رہے ہیں' وہ اس آسانی سے مجاہدین اور مہاجرین کو نہ بھول سکتے تھے' چنانچہ سینٹ نے 77 مثبت ووٹوں سے قرارداد پاس کی کہ مجاہدین اور مہاجرین کی تب تک مدد نہ بند کی جائے جب تک روسی افواج کا آخری سپاہی سرزمین افغانستان کو خالی نہ کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریگن انتظامیہ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اسے روسیوں کو افغانستان سے نکالنے کا کریڈٹ ملنے کی بجائے افغانیوں کو روسیوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا الزام لگنے کا اندیشہ لاحق ہو گیا۔ فوراً سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے پینترہ بدلا اور اس کی طرف سے بیان جاری ہوا کہ مجاہدین اور مہاجرین کی تب تک مدد بند نہ کی جائے گی جب تک روسی نجیب حکومت کی مدد نہ بند کریں گے۔

جنیوا میں پاکستان نے یہ تو صریحاً کہہ دیا کہ وہ معاہدات پر دستخط کرے گا لیکن وہ پہلے چند معاملات طے کروانا چاہتا تھا۔ ایک تو یہی معاملہ تھا کہ دونوں طرف سے' روس سے کابل کو اور امریکہ سے مجاہدین کو' بیک وقت مدد بند ہو' دوسرا عبوری حکومت کا معاملہ تھا۔ گو وزیر مملکت خارجہ نے عبوری حکومت کو دستخطوں سے الگ تھلگ ( Delink ) کر دیا لیکن اس پر کڑی یقین دہانی کا مطالبہ کیا۔ اس حیص بیص میں 15 مارچ کی تاریخ گزر گئی' یعنی تاریخ بے دستخط گزر گئی۔ یہ امر روس کو' جو بلاریب ایک سپرپاور کا مرتبہ رکھتا ہے' سخت گراں گزرا' بالفاظ دیگر' ایک تھرڈ ورلڈ ملک کی طرف سے اس کی ہیٹی

Marfat.com

ہوئی' ادھر ماسکو نے یہ بھی دیکھا کہ واشنگٹن سے مفاہمت کچھ کام نہیں آرہی بلکہ اس نے 15 ر مارچ کی تاریخ کو "مصنوعی اور یکطرفہ" قرار دے دیا ہے اور پاکستان کی طرف داری کی ہے' نیز وہ دونوں طرف سے امداد کی بیک وقت بندش کے علاوہ عبوری حکومت کی ضرورت کی بھی نشاندہی کر رہا ہے۔ بہرحال وہ سمجھتا ہے کہ جنیوا معاہدات پر جلدبازی میں بات چیت نہیں ہونی چاہئے اور امریکہ نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ وہ انہی جنیوا معاہدات کی پاسداری کرے گا اور انہی معاہدات کی ضمانت دینے کو تیار ہو گا' جس پر طرفین راضی ہوں گے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ جارج شلز نے سینٹ کی بجٹ کمیٹی کے سامنے واشگاف الفاظ میں کہا کہ روسی افواج کی واپسی کے بعد افغان مہاجرین کی اور بھی امداد کی ضرورت ہوگی اور امریکہ ان کے لئے ہر طرح کے اقدام لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان چارلس ریڈمین نے یہ بات زور دے کر کہی کہ 13 ر' 22 ر مارچ کو وزرائے خارجہ کی ملاقات میں افغانستان کا مسئلہ نہ صرف زیربحث آئے گا بلکہ سرفہرست ہو گا۔ ان باتوں سے واشنگٹن کے بدلتے ہوئے مؤقف کا پتہ لگتا ہے۔

اس تناظر میں ماسکو کی اس "دھمکی" کا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ جنیوا مذاکرات نتیجہ خیز ہوں یا نہ ہوں' وہ اپنے فوجیوں کو واپس بلا لے گا؟ روس کے افغانستان میں معروضی حالات کے پیش نظر یہ امر باور کرنے کے لائق نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے آہستہ آہستہ انخلاء کروائے گا۔ حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے (مذکورہ بالا صحافی کے مضمون کی اشاعت معنی خیز ہے) کہ روس جلدی میں ہے' ماسکو اس لئے جلدی میں ہے کہ آٹھ سالہ جنگ اور ڈیڑھ لاکھ افواج کی افغانستان میں موجودگی اسے بہت مہنگی پڑی ہے۔ دوسرے وہ اس لئے بھی جلدی میں ہے کہ اسے امریکہ سے بہت سے معاملات چکانے ہیں اور انہیں تاخیر میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس لئے مجھے یہی قرین یقین معلوم ہوتا ہے کہ روس اپنی افواج کو اسی نظام الاوقات کے مطابق نوماہ' یا اس سے بھی کم میعاد میں' واپس بلالے گا۔ (مسٹر شلز نے مطالبہ کیا ہے کہ اس نظام الاوقات کی جزئیات سے امریکہ اور دوسری متعلقہ پارٹیوں کو مطلع کیا جائے) جس کا وہ وعدہ کرچکا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ افواج کے انخلاء کے بعد کیا صورت حال ہوگی؟ کیا پاکستان نجیب حکومت اور خانہ جنگی کے خطرے سے دوچار ہو گا؟ بے شک ماسکو چاہے گا کہ اس کی افواج تو نکل جائیں لیکن اس کا افغانستان میں اثرورسوخ بدستور رہے۔ لیکن مجھے ایسے آثار نظر آرہے ہیں کہ بالآخر افغانستان میں اسلامی انقلاب آنے والا ہے۔ آثار یہ ہیں ایک اگر ماسکو کا اعلان مذاکرات جنیوا سے نقطہ انقطاع کا نشان ہوتا' تو کابل حکومت کا نمائندہ مذاکرات میں شرکت جاری نہ رکھتا' ماسکو اسے مذاکرات کا بائیکاٹ کرنے کا حکم دے دیتا۔ دو' اگر واشنگٹن کو ماسکو سے تعلق خاطر رکھنا مقصود ہوتا تو وہ کبھی اس قدر شدید ردعمل کا اظہار نہ کرتا جتنا کہ مسٹر شلز نے کیا ہے' جنھوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ امریکہ تبھی ضامن ہونے کا

Marfat.com

کردار ادا کرے گا' جب وہ معاہدات کے مندرجات سے پوری طرح اطمینان محسوس کرے گا۔ ماسکو کے لئے فیصلہ کن امر واشنگٹن کا طرز عمل ہے اور اب تک یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ سربراہی کانفرنس کے پیش نظر ماسکو واشنگٹن کو ناراض کرنے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں۔ ہوا یہ ہے کہ روس کی پاکستان سے تندی کی بنا اس کی امریکہ سے مفاہمت تھی' وہ اس وجہ سے کابل میں نئی عبوری حکومت بنانے سے انکاری تھا کہ اسے اعتماد تھا کہ امریکہ اس پر زور نہ دے گا۔ (آخر کار مسٹر شلز نے کہہ ہی دیا تھا کہ عبوری حکومت کی چنداں ضرورت نہیں) لیکن کانگریس اور عوامی رائے نے امریکی انتظامیہ کی پوزیشن کو بدل دیا ہے اور وہ اب پاکستان کے مؤقف کے حق میں نظر آتی ہے۔ اس بدلی صورت حال کے سامنے ماسکو کے لئے ضروری ہے کہ وہ واشنگٹن کی خیر سگالی قائم رکھنے کے لئے جنیوا مذاکرات میں پاکستان کے نقطہ نظر کا پاس رکھے اور اسے کابل میں عبوری حکومت کے قیام کے بارے میں خاطر خواہ یقین دہانی فراہم کرے۔

Marfat.com

# دو ٹوک بات

آج زمانہ حاضرہ کے عالمی مسائل میں ایک اہم ترین مسئلے پر دو سپر پاورز کے وزرائے خارجہ مسٹر جارج شلز اور مسٹر شیورڈ ناڈزے کے درمیان واشنگٹن میں ملاقات ہونیوالی ہے۔ دراصل یہ ملاقات آئندہ جون ماسکو سربراہی کانفرنس کی تیاری کے سلسلہ میں منعقد ہونا قرار پائی تھی۔ اس سلسلے کی ایک ملاقات پچھلے ماہ کے اواخر میں ماسکو میں ہوئی تھی اور طرفین کی طرف سے بہت کامیاب قرار دی گئی تھی۔ اس ملاقات کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ امریکہ اور روس کو مسئلہ افغانستان نے کوئی نزاعی صورت نہ پیش کی تھی۔ امریکی مسٹر گورباچوف کے 8 فروری کے اعلان انخلاء افواج سے اس قدر شاداں و فرحاں تھے کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اس ضمن میں دو اہم سوالات و نکات "افغان مجاہدین کی امداد کی بندش کے تعین وقت (جبکہ نجیب حکومت کو روسی امداد جاری رہنا تھی) اور نئی عبوری حکومت کے قیام کو کلیتاً نظر انداز کر دیا تھا اور پاکستانی وزیر مملکت برائے امور خارجہ کی سیکرٹری آف سٹیٹ سے واشنگٹن میں ملاقات بہت مایوس کن ثابت ہوئی تھی اور بے چارے زین نورانی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکے تھے کہ امریکہ عبوری حکومت کے خلاف ( Averse ) نہیں ہے۔

لیکن پچھلے تین ہفتوں کے دوران ایک ایسی اہم پیش رفت ہوئی جس نے آج ہونیوالی امریکی روسی وزرائے خارجہ کی ملاقات کی نوعیت اور ماحول کو یکسر بدل دیا ہے۔ جہاں ان کی پچھلی ملاقات میں واشنگٹن اور ماسکو کے نقطہ نگاہ سے مسئلہ افغانستان سے متعلقہ تمام امور فیصلہ پا چکے تھے' کابل میں حکومت بنانا افغانوں کا کام قرار دیا تھا۔ جنیوا مذاکرات کی رو سے مجاہدین کو امریکی امداد روسی فوجوں کے انخلاء کے ساتھ

Marfat.com

دن کے اندر اندر بند ہو جانی تھی اور اب صرف معاہدات پر دستخط کرنا باقی رہ گیا تھا جس کے لئے مسٹر گورباچوف نے از خود یکطرفہ طور پر پندرہ مارچ کی تاریخ مقرر کی تھی اور یاد رکھئے کہ جہاں امریکہ نے 15 مئی کو روسی افواج کے انخلاء کا پر جوش خیر مقدم کیا تھا وہاں اس نے معاہدات پر دستخطوں کے لئے ماسکو کے 15 مارچ کی تاریخ کی تحکمانہ تقرری پر کوئی اعتراض نہ اٹھایا تھا۔ یہ تھا دو طاقتوں میں خوشدلانہ جذبات کا عالم! لیکن اس مقرر کردہ تاریخ پر دستخط نہ ہو سکے۔ وہ تاریخ بے دستخط گزر گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ اسی ''کیوں'' کی توضیح سے آج کی امریکی روسی وزرائے خارجہ کی ملاقات کی اہمیت اظہر من الشمس ہوگی۔

ہوا یہ کہ مسئلہ افغانستان کے جن متعلقہ معاملات کو واشنگٹن اور ماسکو نے اپنی دانست میں فیصل قرار سمجھ لیا تھا' وہ حقیقتاً مذاکرات کی دوسری پارٹی پاکستان کی نظر میں ابھی تک فیصل نہ پائے تھے بلکہ مکمل حل طلب تھے۔ ان میں دو معاملے خصوصاً بنیادی تھے۔ ایک تو عبوری حکومت کا قیام تھا تاکہ پچاس لاکھ سے اوپر مہاجرین اپنے وطن واپس جا سکیں کیونکہ وہ اسی حکومت کے زیر سایہ بسنے کو راضی ہوں گے جہاں پر انہیں اعتماد ہو' مجاہدین نہ مہاجرین ماسکو کی کٹھ پتلی حکومت کو تسلیم کرنے کو تیار ہونگے دوسرا معاملہ مجاہدین کی خارجی امداد کی بندش کا تھا' پاکستان کا مؤقف تھا کہ اگر روس کی امداد نجیب حکومت کو جاری رہے گی تو مجاہدین کی امداد بھی بند نہیں ہو سکتی۔ انصاف کا تقاضا تھا کہ دونوں منابع امداد بیک وقت بند ہوں۔ شاید پاکستان کے ان معاملات کے اٹھانے سے بھی فرق نہ پڑتا لیکن جس چیز سے صورتحال میں انقلابی فرق پڑا' وہ پاکستان کے طرز عمل میں سختی تھی کہ تاوقتیکہ ان مسائل کا حل نہ ڈھونڈ لیا جائے۔ وہ معاہدات پر اپنا انگوٹھا لگانے کو تیار نہ تھا۔ چونکہ ان مسائل کے حل کی طرف مخالف پارٹیوں (ماسکو اور کابل) نے کوئی توجہ نہ دی مذاکرات میں تعطل پیدا ہو گیا اور مسٹر گورباچوف کی مقرر کردہ 15 مارچ کی تاریخ اس تعطل کا شکار ہو گئی۔ روس کے لئے اس تاریخ کی غیر پابندی ایک سانحہ سے کم نہ تھی۔ یہ ایک سپر پاور کا حکم تھا جس کے سامنے سر تسلیم نہ جھکایا گیا تھا۔ لیکن جس امر نے اصلاً ماسکو کا دل توڑا' وہ واشنگٹن کا ردّعمل تھا' جہاں وہ کچھ ہی دنوں پہلے ماسکو سے ہر دو مندرجہ بالا پاکستان کے اٹھائے ہوئے معاملات پر متفق تھا اور اس نے معاہدات پر دستخطوں کے لئے 15 مارچ کی تقرری پر کوئی پس و پیش نہ کی تھی۔ اب اس کے رویئے میں زمین و آسمان کا فرق در آیا تھا اور نہ صرف اس نے دستخطوں کے لئے 15 مارچ کی تاریخ کو ''مصنوعی اور یکطرفہ'' قرار دیدیا تھا بلکہ وہ معاہدات کے ٹھوک بجا کر بہر طور مکمل ہونے کا قائل ہو گیا تھا اور اس ضمن میں واشنگٹن نے طرفین (مجاہدین اور نجیب حکومت) کی بیک وقت امداد کی بندش کی شرط کے علاوہ کابل میں عبوری حکومت کے قیام کا بھی ذکر کیا اور ستم بالائے ستم سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے دھمکی دی کہ جب تک امریکہ جنیوا معاہدات کے بارے میں پوری طرح اطمینان نہ کر لے وہ ان کے ضامن بننے کے کردار کو ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔ مختصراً امریکی روسی وزرائے خارجہ کی ماسکو ملاقات جو باہمی رضامندی

Marfat.com

اور اتفاق رائے کے انتہائی درجہ ارتقاء کی گرم جوشی پر منتج ہوئی الٹ پلٹ ہو کر رہ گئی' اور کم از کم جہاں تک مسئلہ افغانستان کا تعلق تھا (اور یہ آپس میں تعلقات کے دوسرے پہلوؤں کے لئے کنجی کی حیثیت رکھتا تھا) آئندہ سربراہی کانفرنس کی فضا خالی خالی نظر آتی تھی اور چونکہ تدابیر کی یہ سب الٹ پلٹ امریکی کارستانی تھی روس کو شکایت کا حق پہنچتا تھا۔

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

لیکن امریکہ کی اپنی مجبوریاں ہیں' نہ صرف وہاں جمہوریت بڑی تیزی سے چلتی ہے عوامی رائے کا بڑا اثر ہے اور انتظامیہ جمہوری تقاضوں کی پابند ہے بلکہ روسیوں کی بدقسمتی سے یہ انتخابی سال ہے اور جہاں مسٹر ریگن ایک بہت مقبول اور کامیاب و یادگار صدر کی حیثیت سے تاریخ کے صفحات پر اپنا نام ثبت کروانا چاہتے ہیں وہاں انکے اپنے اعلیٰ امیج کے زور پر اگلے ری پبلکن امیدوار ——— (انہی کے پارٹی کا اعتماد حاصل کرنے کی روشن توقعات اور پیش گوئیاں ہیں) مسٹر بش (Bush) کی صدارتی کامیابی کا دارومدار آئندہ مہینوں میں مسٹر ریگن کے کردار کی عوامی تصور اور تصویر پر ہے۔ اب ایسے نازک موقع پر اگر امریکی عوام میں یہ تاثر پھیلے کہ امریکہ نے افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی کو کسی مصلحت کے تحت روسیوں کے ہاتھوں بیچ دیا ہے اور شاید عوام سفارتی سیاست کی گنجلکوں کو تو نہ سمجھیں کہ مجاہدین کی امداد کب تک جاری رہنی چاہئے لیکن انہوں نے حکمت یاری کی یہ موٹی بات بخوبی سمجھ لی ہوگی کہ امریکہ اور روس آپس میں مل گئے ہیں اور دونوں نے مجاہدین افغانستان کے خلاف گٹھ جوڑ اور سازش کر لی ہے اور اسی وجہ سے واشنگٹن ماسکو کی ہر بات پر ہاں میں ہاں ملا رہا ہے۔ مثلاً یہی کہ اگر ماسکو نے معاہدات پر دستخط کے لئے یکطرفہ طور پر پندرہ مارچ کی تاریخ مقرر کر دی تو اسے بے چون و چرا مان لیا۔ آخر بین الاقوامی مذاکرات میں یہ کہاں کا دستور ہے کہ معاہدے کے لئے دوسری پارٹی سے صلاح مشورہ کئے بغیر پیشگی تاریخ مقرر کر دی جائے۔ اب امریکی عوام پچھلے ساڑھے آٹھ سال سے افغانستان کے متعلق سنتے آ رہے ہیں وہ افغان مجاہدین کی قربانیوں اور کارناموں سے واقف ہیں تو وہ پاکستان میں تین لاکھ سے اوپر مہاجرین کی زبوں حالی سے آگاہ ہیں اور وہ یہ بات بھی جانتے ہیں کہ ریگن انتظامیہ نے ساڑھے سات سال مجاہدین اور مہاجرین کی ہر طرح امداد کی ہے۔ (ان سالوں مسئلہ افغانستان کا اتنا چرچا ہوا کہ امریکہ کی عوامی اکثریت پاکستان کو اسی حوالے سے پہچانتی ہے۔ اس لئے جب عوامی جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے کانگریس کے زعما اور اخبارات و جرائد کے مدیران اور کالم نگاران نے ریگن انتظامیہ کے روس کے حق اور پاکستان کے خلاف رویئے کا نوٹس لیا تو مسٹر شلز اور مسٹر شیورڈ ناڈزے کا کھیل چوپٹ ہو گیا اور سارا معاملہ طشت از بام ہو گیا۔

Marfat.com

میں یہاں اس بات پر زور دوں گا کہ امریکی روسی سمجھوتے کے ڈرامے کو ڈراپ سین کرنے میں پاکستان نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اگر پاکستان آغا شاہی کے ماہرانہ اور روسی لابی کے طرفدارانہ مشورے کے مطابق نشان کردہ ( Dotted line ) لائن پر 15 مارچ کو معاہدات پر دستخط ثبت کر دیتا تو نہ صرف وہ عملی خودکشی کے مترادف ہوتا بلکہ واشنگٹن ماسکو سے اپنی مفاہمت سے ٹس سے مس نہ ہوتا اور آج کے مسٹر شلز اور مسٹر شیورڈ ناڈزے کے مذاکرات میں مسئلہ افغانستان موضوع بحث نہ بنتا۔ چہ جائیکہ سرفہرست آتا کیونکہ وہ سودا اب تک signed sealed and delivered یعنی مکمل ہو چکتا۔ اس اہم ترین پیش رفت کیلئے صدر ضیاء الحق کی راہنمائی میں حکومت پاکستان کریڈٹ اور تحسین کی سزاوار ہے اسی کے بعد امریکی پالیسی کا کانٹا بدلا۔

اسی اثناء میں ماسکو نے اعلان کر دیا ہے کہ جنیوا مذاکرات فیصلہ کن نتیجے پر پہنچیں یا نہ پہنچیں وہ اپنی افواج کو افغانستان سے نکال لے گا۔ سو مسئلہ افغانستان کے حل کے موضوع میں یہ ایک نیا عامل داخل ہو گیا ہے جو یقیناً آج کی امریکی روسی وزرائے خارجہ کی ملاقات میں زیر بحث آئے گا۔ جیسا کہ میں اپنے پچھلے مضمون میں کہہ چکا ہوں کہ یہ کوئی تعجب خیز فیصلہ نہیں' دراصل روسی افغانستان میں شکست ہی نہیں کھا چکے بلکہ وہ افغانستان پر قبضہ جمانے کی اس پوری مشق سے ہی بیزار ہو چکے ہیں اور اسی لئے انہوں نے گورباچوف (جب وہ جنرل سیکرٹری نہیں تھے) کے سابق مشیر بادامالوف کے 1980ء میں لکھے ہوئے ان محکماتی میمورنڈم کے اقتباسات شائع کئے ہیں، جن میں افغانستان میں فوجوں کے استعمال کی مخالفت کی گئی۔ اس وقت ان ملفوظات کی اشاعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ روسی عوام کو افغانستان کے متعلق نئی حکمت عملی کے لئے تیار کیا جائے۔

اب آج کی امریکی روسی وزرائے خارجہ کی ملاقات کو دو زاویہ ہائے نگاہ سے پرکھا جا سکتا ہے' ماسکو کے تازہ ترین اعلان کی روشنی میں سابقہ صورتحال کی روشنی میں جب جنیوا مذاکرات میں غیر متوقع پیش رفت نے ماسکو مفاہمت کو متزلزل کر دیا تھا۔ پہلی صورت میں ایک تو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان کا بیان پیش نظر رہنا چاہئے۔ (چارلس ریڈمین نے کہا ہے کہ اگر روسی بغیر جنیوا سمجھوتے کے اپنی فوجیں واپس لانا چاہتے ہیں تو وہ بخوشی ایسا کریں۔ امریکہ ان کے اقدام کا خیر مقدم کرے گا۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ امریکہ کو روس کی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں۔ اب اگر واقعی ایسا ہونا شروع ہو جاتا ہے یعنی روسی فوجیں نکلنے لگتی ہیں تو ماسکو یقیناً اس عمل کو جلد از جلد مکمل کرنا چاہے گا۔ اس طرح شاید وہ نو ماہ سے پہلے ہی اپنے گھروں کو پہنچ جائیں۔ ماسکو کے اس فیصلے کے دوسرے فوائد یہ ہیں کہ مجاہدین کی خارجی امداد بند ہونے کی نوبت نہ آئے گی جو جنیوا معاہدات پر عمل درآمد کی صورت میں لازمی ہو گا۔ امریکہ اور پاکستان کی مجاہدین کو امداد وہی کابجیب حکومت پر اثر ہو گا۔ سب سے بڑھ کر وہ ماسکو کے نئے فیصلے

Marfat.com

سے نفسیاتی طور پر ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گی اور اس کی خود بخود تحلیل ہو جائے گی۔

بے شک بعض حلقے اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ روس افغانستان سے فوجیں تو نکال لے گا لیکن اس کا قبضہ نہ چھوڑے گا جس کے لئے وہ نجیب حکومت کے قیام کے علاوہ ہزار منصوبے بنا کر ملک چھوڑے گا۔ مگر مجھے ماسکو کے از خود جانے کے فیصلے کے پیچھے دو ایسے اٹل محرکات نظر آتے ہیں جو افغانستان میں کسی منصوبہ بندی کے مانع ہیں۔ ایک تو روسی حکمرانوں کا شکستہ موڈ ہے۔ امریکی تعاون سے روسی حکمرانوں میں کچھ جان آئی تھی لیکن جب جنیوا میں آزمائش کے وقت واشنگٹن نے ماسکو کا ساتھ چھوڑ دیا تو ان کا ہنی مون ختم ہو گیا۔ دوسرا محرک مسٹر گورباچوف کے سوویت یونین کے لئے خارجی حکمت عملی اور اقتصادی منصوبہ بندی کے وہ عزائم ہیں جو انہوں نے اپنی سلطنت کو بالکل نئے قالب میں ڈھالنے کے لئے عرصہ دراز سے پالے ہوئے ہیں۔ اندرون سلطنت آزادی اظہار کے نئے اسلوب بروئے کار آرہے ہیں تو اقتصادیات کے لئے نئے سانچے ڈھل رہے ہیں اور سب سے اہم خارجی تعلقات کی ڈگر بدل رہی ہے تو نظریاتی عمارتوں کے لئے نئی اساس رکھی جارہی ہے۔ حال میں مسٹر گورباچوف نے سوشلزم کے متعلق اپنے اعلان نو کے لئے بلغراد (یوگوسلاویہ) کو منتخب کیا جس نے مارشل ٹیٹو کے ماتحت سٹالن کی روسی کمیونزم کے خلاف بغاوت کی تھی۔ وہاں مسٹر گورباچوف نے علی الاعلان کہا کہ ہر سوشلسٹ ملک اپنے حالات کے مطابق اپنی سوشلسٹ سوسائٹی کا نقشہ بنانے کا مجاز ہے۔ اس طرز فکر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب روس زیادہ تر اپنی اصلاح پر متوجہ ہو گا اور اس دقیانوسی کمیونسٹ نظام کو اکھاڑ پھینکے گا جس سے معاشرے میں ہر طرف جمود طاری ہو گیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر گورباچوف رضا کارانہ طور پر افغانستان سے کوچ کر جانے کے ارادے میں غیر مخلص نہیں ہیں۔

دوسری، حسب معمول صورت میں ایک بات تو ذہن میں رکھنے کے لائق ہے کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان نے روسیوں کے رضا کارانہ مراجعت کے خیر مقدم کے ساتھ ہی یہ کہا کہ بہتر یہی ہو گا کہ فوجوں کی واپسی کسی سمجھوتے کی بنیاد پر ہو کہ یہ امر روس سمیت سب پارٹیوں کے مفاد میں ہو گا اور افغان سمجھوتے کے ضمن میں جو مسائل باقی رہ گئے ہیں وہ حل ہو سکیں گے۔ ایک نکتہ تو بالکل واضح ہے کہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کا مطالبہ ماسکو نے کیا تھا اور اسی کے اصرار پر واشنگٹن نے ضامن کا کردار ادا کرنا قبول کیا تھا۔ اب اگر رضا کارانہ انخلاء ہوا تو کسی ضامن کی ضرورت نہ ہو گی امریکہ اور پاکستان کو مجاہدین کی امداد دینے کی کھل ہو گی جس سے کابل کی حکومتی ہیئت میں سرعت سے تبدیلی آئیگی۔ ہاں اگر انخلاء جنیوا معاہدات کے ذریعے کیا جاتا ہے تو پھر روس کو پاکستان کے اٹھائے ہوئے دو امور پر سنجیدگی سے سوچنا ہو گا اور وہ یہ ہیں کابل میں عبوری حکومت کا قیام اور نجیب حکومت اور مجاہدین کی بیک وقت امداد کی بندش پر رضامندی اب ان امور کا خطاب تو ماسکو سے ہے لیکن ان سے واشنگٹن غیر متعلق نہیں اور یہاں

Marfat.com

میں اسی کے رول کا ذکر کروں گا۔ اوّل تو یہ کہ ماسکو کے پاکستان کی طرف تحکمانہ انداز عمل (مثلاً معاہدات پر دستخطوں کے لئے 15 مارچ کی تاریخ یک طرفہ تقرری اور عبوری حکومت سے انکار) کا دراصل محرک واشنگٹن کی کریملن کی پالیسی کے لئے آشیرباد تھی۔ اس آشیرباد کی اثرانگیزی کا یہ عالم ہے کہ جونہی واشنگٹن نے ماسکو کی پشت پناہی سے ہاتھ اٹھایا وہ نہ صرف اپنے دیئے ہوئے پندرہ مارچ کے الٹی میٹم کو ہضم کرنے پر مجبور ہوگیا بلکہ رضا کارانہ انخلاء پر بھی تل گیا تو عرض ہے کہ اب امریکی انتظامیہ اپنے اس مؤقف سے پیچھے نہ ہٹے اور سیکرٹری آف اسٹیٹ شلز وزیر خارجہ شیورڈ ناڈزے کو نہ صرف جنیوا مذاکرات کو جاری رکھنے اور ان میں شریک رہنے پر مائل کریں بلکہ دو مذکورہ بالا تنازعہ امور (طرفین کی بیک وقت امداد کی بندش اور عبوری حکومت کا قیام) طے کرائیں۔ پچھلے چند دنوں کے واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ واشنگٹن کے پاس فیصلہ کن طاقت ہے وہ اس معاملے میں حرف آخر کا اختیار رکھتا ہے۔

جو چیز امریکی انتظامیہ کو اپنے سامنے رکھنے والی ہے وہ یہی نہیں کہ روس ایک جارح ملک ہے۔ اس نے ایک چھوٹی مگر خود مختار اور غیر جانبدار مملکت پر قبضہ کیا۔ اس پر زبردستی کمیونسٹ نظام مسلّط کیا اور دنیا نے ایک عظیم اور بے مثل تحریک مزاحمت کا نظارہ کیا جس نے ایک سپرپاور کی جدید ترین اسلحہ سے مزین ڈیڑھ لاکھ افواج کا منہ موڑ دیا۔ ہاں صرف یہی نہیں بلکہ امریکہ نے مجاہدین کے کاز کو اپنایا۔ ان کی بھرنوع سات سال مدد کی۔ اسی طرح لکھو کھا مہاجرین کی بسر اوقات کیلئے بلین کے بلین ڈالر خرچ کئے۔ اقوام متحدہ میں آزادی افغانستان کا مسئلہ اٹھایا اور دنیا بھر میں اس کی حمایت کا پرچم اٹھائے پھرے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس طرح امریکنوں نے افغانوں کی مدد کی ہے ان کی تاریخ میں کم ہی مثال ملتی ہے۔ پھر کیا ہوا کہ امریکی انتظامیہ نے افغان مجاہدین پر اپنی پیٹھ موڑلی اور ان سفاکوں کی پیٹھ ٹھونکنے لگے جنھوں نے بارہ لاکھ افغانوں کو شہید کیا۔ تین لاکھ افغانوں کو لولے لنگڑے اور اپاہج بنایا اور پچاس لاکھ افغانوں کو وطن بدر کیا؟ کیا یہ پالیسی میں تبدیلی محض اس لئے ہوئی کہ روسی فوجوں کا افغانستان سے انخلاء یقینی ہوگیا اور خلیج فارس کو ان کی نزدیکی و موجودگی کا خطرہ ٹل گیا اور انسانی حقوق کے تحفظ کے علمبردار امریکی انتظامیہ کو افغان مجاہدین و مہاجرین کی قربانیوں سے اس سے زیادہ غرض نہ تھی کہ ان کے عالمی سیاسی مفادات محفوظ ہو جائیں۔ نیز اسے اس پیش رفت سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی کہ کابل میں عوام کی مقبول حکومت قائم ہو کہ ڈر تھا کہ ایسی حکومت اسلامی بنیاد پرستوں پر مشتمل ہوگی اور وہ ان کی حامی ہی نہیں بلکہ اس ناپسندیدگی میں ماسکو کی ہم نوا ہے؟ واشنگٹن کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر افغان مجاہدین، روسی افواج سے نہیں دبے تو امریکی روسی گٹھ جوڑ سے بھی مات نہ کھائیں گے اور آج نہیں تو کل کابل میں ان کی حکومت قائم ہوگی۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جب اپنی بے بہا خدمات کی بنا پر امریکہ اسلامی حکومت افغانستان سے خوشگوار ترین تعلقات قائم کر سکتا ہے وہ محض وقتی مصلحتوں کی تحریک پر افغان مجاہدین کی دشمنی مول لے رہا ہے۔ یہ بڑے

Marfat.com

خسارے کا سودا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جب امریکی عوام کو معلوم ہوگا (کانگریس پہلے ہی اپنے عزم کا اظہار کر رہی ہے) کہ افغانوں کے حق میں سالہا سال کے پراپیگنڈے کے بعد ریگن انتظامیہ نے آزادی افغانستان کے متوالوں کو "شیطان حکومت" (صدر ریگن نے سوویت یونین کو شیطانی نظام قرار دیا تھا) کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے تو صدر ان کی نظروں میں بے وزن دکھائی دیں گے۔ وہ امریکی تاریخ میں ایک "عظیم صدر" کی صف میں نہ کھڑے ہو سکیں گے بلکہ ری پبلکن پارٹی کے لئے دردِ سر ثابت ہونگے اور اس کے لئے نومبر کے صدارتی انتخابات جیتنا مشکل ہو جائے گا۔ سو عقل کے ناخن لو، اپنے کئے پر پانی نہ پھیرو، آپ کا ماسکو میں اثر و رسوخ ہے، اسے انصاف کرنے پر مجبور کرو۔ کابل میں عبوری حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ ایسی حکومت کے بغیر نہ مہاجرین وطن واپس جا سکتے ہیں اور نہ اس میں افغان مجاہدین کی شمولیت کو روکا جا سکتا ہے۔ آج وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں امریکی نمائندوں [illegible] چاہئے کہ کمیونسٹ روس تو اسلام کے ساتھ مصالحت نہیں کر سکتا۔ لیکن اہل کتاب مغرب تو مسلمانوں [illegible] گزار سکتا ہے اگر اس سے امریکہ نے افغان مجاہدین کی دوستی کھو دی تو شاید دنیا [illegible] دوبارہ خیرسگالی کے تعلقات قائم کرنے کا موقع نصیب نہ ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

# سادہ لوحی یا خود فریبی

جنیوا معاہدات کے بخیر وخوبی سرانجام پہنچنے کی راہ میں دو مشکلات کا ذکر تھا۔ ایک کابل میں عبوری حکومت کا قیام اور دوسرے افغان مجاہدین اور نجیب حکومت کو ایک ہی وقت میں امریکہ اور روس کی طرف سے اسلحی امداد کی بندش۔ اب وزیر مملکت پاکستان زین نورانی نے فرمایا ہے کہ چونکہ واشنگٹن میں امریکی روسی وزرائے خارجہ کی حالیہ ملاقات سے اشارہ ملا ہے کہ ماسکو کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ مسٹر کارڈوویز اپنی نجی حیثیت میں افغانوں کے مختلف حلقوں میں صلح صفائی کرا کے ایک نئی حکومت تشکیل کروا دیں تو (بالفاظ دیگر) عبوری حکومت کے مسئلے کا حل نکل آتا ہے اور اس طرح صرف ایک معاملہ تصفیہ طلب رہ گیا ہے جس پر سمجھوتے کے بعد پاکستان فوراً معاہدات پر دستخط کر دے گا۔ یہ امر تو خود وزیر مملکت کو تسلیم ہے کہ ایک معاملہ طے ہونا باقی ہے۔ اس معاملے میں حل کی کوئی رمق نظر آتی ہے تو وزیر خارجہ شیورڈ نادزے کے بیک وقت طرفین کی بندش امداد کے ضمن میں مسٹر شلز کی سہ ماہی التوا Moratorium کی تجویز بظاہر مشروط استرداد میں کہ انہوں نے کہا کہ میں اس مطالبے کو فی الوقت ناقابل قبول قرار دیتا ہوں۔ ان کا فقرہ "I rule it out at this time" اس کا یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ شاید کچھ عرصے بعد اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ کیا معلوم کہ اسے ماسکو سربراہی کانفرنس میں آپس میں سودے بازی کا نکتہ بنانے کے لئے بچا کر رکھ لیا ہو اور اس کا فیصلہ مئی کے اواخر تک ملتوی کر دیا ہو۔ اس معاملے میں ماسکو نے اس معاہدۂ دوستی پر تکیہ کیا ہے جو روس نے افغانستان کے ساتھ میں کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا نجیب حکومت جس کی قلمرو میں بمشکل تمام ملک کا تیس

Marfat.com

فیصدی حصہ شامل ہے' اس مرتبے کی حکومت ہے' جس سے ماسکو نے معاہدہ کیا تھا؟ سارا جھگڑا ہی کابل حکومت کے مرتبے کا ہے۔ اگر وہ افغانوں کی اکثریت کو قبول ہوتی تو روس کو افغان مجاہدین سے آٹھ سال تک جنگ نہ کرنا پڑتی اور پھر فاش ناکامی کی صورت میں اپنی افواج کے انخلاء کا اعلان نہ کرنا پڑتا۔ بہرحال جنیوا مذاکرات کی رو سے جیسا کہ زین نورانی صاحب نے فرمایا جانبین کی بیک وقت بندش امداد کا مسئلہ ابھی معاہدات کی تکمیل میں سرراہ ہے۔

لیکن میری گزارش یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ حل طلب ہے تو عبوری حکومت کا مسئلہ کب حل ہو گیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ واشنگٹن کانفرنس سے اشارہ ملا ہے کہ مسٹر کارڈوویز اپنی نجی حیثیت میں اس مسئلے سے نمٹ سکتے ہیں۔ وزیر مملکت نے اسے مسائل کی فہرست سے خارج کر دیا ہے لیکن مجھے تو یہ پہلے کی طرح لاینحل نظر آ رہا ہے اور میری رائے میں اس مسئلے کے حل میں کوئی ٹھوس پیش رفت ہوئی ہے نہ اس طور طریق حل ہونے کا امکان ہے حالانکہ مسائل میں عبوری حکومت کا قیام کلیدی' مرکزی اور اولی نوعیت و نزاکت کا حامل ہے۔ اب غور کیجئے کہ اگر ہمیں دوسرے مسئلے (بندش امداد) میں امریکی تجویز کے مطابق تین مہینے کے التوائی رعایت مل جاتی ہے (جو میرے خیال میں مل جائے گی کہ یہ کل مسئلے کو حل کرنے کے لئے بہت کم قیمت ہے جو کچھ ڈھلمل کے بعد ماسکو دینے پر تیار ہو جائے گا) تو پاکستان عبوری حکومت پر "اشارے" کا پہلے ہی اثبات میں جواب دینے کے بعد معاہدات پر دستخط کرنے کا مکلف ہو گا۔ دستخط ہو جانے پر صورت حال کیا ہو گی؟ ایک امر تو یقینی ہے کہ جہاں اسلام آباد کے ہاتھ میں ماسکو پر دباؤ ڈالنے کے لئے کوئی آلہ کار نہ ہو گا جیسا کہ اس وقت دستخط کرنے کی صورت میں ہے وہاں کابل میں نجیب حکومت بدستور قائم رہے گی۔ دوم چونکہ مسٹر کارڈوویز اپنی نجی حیثیت Private Capacity میں افغانوں سے بات چیت کریں گے' ان کے پیچھے اقوام متحدہ کی اتھارٹی اور وزن نہ ہو گا جو اقوام متحدہ کا نمائندہ ہونے کی بنا پر اس وقت انہیں جنیوا مذاکرات میں حاصل ہے تو پھر کوئی افغان دھڑا ان کی بات کو کیوں وقعت دینے لگا۔ اس کی بھی کوئی شہادت نہیں کہ امریکہ اور روس نے اپنی طرف سے اقوام متحدہ سے الگ مسٹر کارڈوویز کو ایسے خصوصی سفارتی اختیارات تفویض کئے ہیں جنھیں کام میں لا کے وہ افغان دھڑوں سے اثر و رسوخ استعمال کر سکیں اور عبوری حکومت کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ بروئے کار لا سکیں۔ اقوام متحدہ کے مصالحت کنندہ کی پوزیشن سے محروم اور سپر پاورز (خصوصاً روس) کی طرف سے بے اختیار مسٹر کارڈوویز عبوری حکومت کے متعلق قطعی کوئی فیصلہ کروانے کی استعداد نہیں رکھتے اور ہمیں اپنے آپ کو یہ دھوکا نہیں دینا چاہئے کہ کسی موہوم اشارے سے عبوری حکومت کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں دوسرا مسئلہ تو بقول زین نورانی ہنوز حل طلب ہے وہاں پہلا مسئلہ بھی حل نہیں ہوا۔ مسائل کے حل کا اصل گر طاقت ہے' وہ افغان مجاہدین کے جہاد کی طاقت ہو یا پاکستان کی نفی

Marfat.com

میں جواب دینے کی صلاحیت کی طاقت ہو' اسی طاقت سے وہ دباؤ پیدا ہوتا ہے جو مسائل کے حل نکالتا ہے۔ مغربی ایجنسیاں بھی ہمیں کیا بیوقوف بناتی ہیں۔ امریکی روسی وزرائے خارجہ کی ملاقات کے بعد انہوں نے یہ تاثر پھیلایا کہ جہاں طرفین کی بیک وقت بندش امداد پر سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ عبوری حکومت کا مسئلہ بسرعت حل Swiftly Resolveable ہو سکتا ہے حالانکہ عبوری حکومت بن جائے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں رہتا۔ اگر ماسکو 21ء کے معاہدے کے تحت کابل میں مجاہدین کی اسلامی حکومت کو امداد دینے پر مصر ہوتا ہے تو اسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ افغانستان کی تعمیر نو میں مجاہدین روس سے امداد کے طلب گار ہی نہ ہوں گے بلکہ مطالبہ کار ہوں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

# حل کی راہ

جنرل سیکرٹری گورباچوف کے اعلان انخلاء افواج کے بعد اصل مسئلہ کابل میں عبوری حکومت کا قیام تھا کہ نہ صرف کٹھ پتلی نجیب انتظامیہ روسی سازوسامان کا جزولاینفک تھی جس کی روسیوں کی واپسی کے ساتھ تحلیل لازمی تھی بلکہ اس کے (عبوری حکومت کے) قیام کے بغیر پاکستان اور ایران سے پچاس لاکھ سے اوپر افغان مہاجرین مراجعت وطن کے لئے تیار نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن اس اہم ترین مسئلے پر امریکی روسی اسلام دشمن عصبیت اور سیاسی گٹھ جوڑ کی وجہ سے توجہ نہ دی گئی۔ سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے اس مسئلے پر وزیر مملکت پاکستان زین نورانی (جو اس ضمن میں امریکی تائید حاصل کرنے کے لئے خاص طور پر واشنگٹن گئے تھے) کو انگوٹھا دکھا دیا گیا اور خود سربراہی کانفرنس کے معاملات طے کرنے کو ماسکو چلے گئے۔ وہ تو بعد میں سینٹ میں شور پڑا تو امریکی انتظامیہ کے کان پر جوں رینگی اور دوسری حالیہ وزرائے خارجہ کی ملاقات میں عبوری حکومت اور بیک وقت مجاہدین اور نجیب حکومت کی بندش امداد کے سوالات اٹھائے گئے۔

اب کہا جاتا ہے کہ عبوری حکومت کا مسئلہ تو فوراً حل ہو گیا کہ مسٹر کارڈوویز اپنی ذاتی حیثیت میں افغان دھڑوں میں صلح صفائی کرا کے ایک نئی نمائندہ کابل انتظامیہ کی تشکیل کی راہ ہموار کریں گے لیکن طرفین کی بیک وقت بندش امداد کا مسئلہ اس بنا پر ابھی معرض نزاع میں پڑا ہوا ہے کہ روس افغانستان سے 21ء کے معاہدۂ دوستی کو توڑنے کو تیار نہیں، جس کی رو سے اس پر افغانستان کو فراہمی اسلحہ کی پابندی لاگو ہوتی ہے۔ اب کہاں 21ء کا پورا افغانستان اور کہاں نجیب کا بیس فیصدی قطعہ! اس موضوع میں معاہدۂ دوستی کے اطلاق کی کیا تک ہے لیکن سیاست میں راہ انحراف اختیار کرنے کو کوئی بھی بہانہ تراشا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

لیکن میرے خیال میں امریکہ اور ہماری طرف سے اب تک جو مؤقف اختیار کیا گیا ہے وہ منزہ عن الخطا نہیں ہے۔ اوّل تو اولیت پہلے مسئلے 'عبوری حکومت' کو تھی نا کہ طرفین کی بیک وقت بندش امداد کے دوسرے مسئلے کو۔ اب پہلے مسئلے کو ٹال مٹول دیا گیا کہ ذاتی حیثیت میں' جیسا کہ میں پچھلے مضمون میں عرض کر چکا ہوں' مسٹر کارڈوویز کے پاس کوئی ایسی اتھارٹی اور دباؤ نہیں ہے کہ وہ ایک حکومت (جسے روس کی حمایت حاصل ہے) کو دوسری حکومت سے بدل سکیں۔ مسٹر کارڈوویز بے شک کابل میں (یا جینوا میں) افغان دھڑوں کا چکر لگائیں لیکن ان کے چکر بھٹو' سورن سنگھ کے ان مذاکراتی چکروں سے زیادہ کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے' جو نہرو نے چین سے نیفا میں جنگ کے پیش نظر پاکستان کو وادی میں پیش قدمی سے روکنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر مسئلہ کشمیر کے حل کے وعدے پر لگوائے تھے۔ اب جہاں عبوری حکومت کا قیام براہ راست جینوا معاہدات کے تحت افغان مہاجرین کی باعزت و بحفاظت ذمہ داری سے پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے' وہاں طرفین کی بیک وقت بندش امداد کا معاہدات کے تحت سوال نہیں اٹھتا۔ بندش امداد کی شرط صرف امریکہ پر لگتی ہے کہ روسی افواج کے انخلاء کے ساٹھ دن کے اندر اندر وہ مجاہدین کو اسلحہ کی فراہمی بند کر دیں گے تو اگر روسی افغانستان سے معاہدۂ دوستی کے حوالے سے کابل حکومت کی امداد بند کرنے پر راضی نہ ہوں تو وہ حق بجانب ہوں گے۔ ہماری پوزیشن کی کمزوری یہ ہے کہ امریکہ اور ہم نے اصل مسئلے 'عبوری حکومت کے قیام' پر تو بہت بودی تجویز قبول کر لی اور ثانوی مسئلے' طرفین کی بیک وقت بندش امداد' پر سخت روّیہ اختیار کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ٹھیٹھ پاکستانی مفادات اور افغان مجاہدین کے نقطۂ نظر کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی امریکی حکمت عملی کے تقاضوں کو' جن کی لپیٹ میں ہم پھنس گئے۔ اگر ہم دور بینی اور حوصلے سے کام لیتے تو خود بارسوخ امریکی حلقوں (کانگرس اور سیاسی زعماء) میں پاکستان اور افغان مجاہدین کے لئے اتنی خیر سگالی اور تائید موجود تھی کہ ہم اپنے مقصد کو پا سکتے اور ہماری قربانیاں بار آور ہو سکتیں۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی ترجیحات بدلیں اور حل کی راہ نکالیں۔ موجودہ حالات میں ہمارے لئے ایک رستہ کھلا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں ہم طرفین کی بیک وقت بندش امداد کا معاملہ امریکہ پر چھوڑ دیں وہاں ہم مسٹر کارڈوویز کو کابل میں عبوری حکومت بنانے پر لگا دیں۔ انہیں اپنے ہدف کے حصول کے لئے بڑی تگ و دو کرنی پڑے گی اور انہیں مختلف دھڑوں کو کسی اصول اور مؤقف پر جمع کرنے میں وقت درکار ہو گا۔ افغان مجاہدین کا فارمولا ان کے سامنے ہے ہی لیکن وہ متبادل راہیں بھی آزما سکتے ہیں۔ بہر حال مرکزی نکتہ حکومت کا اسلامی کردار ہو گا' اس سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔ اس نئی صورت حال میں پاکستان کو یہ مؤقف اختیار کرنے کی بجائے کہ جب تک ماسکو واشنگٹن کے ساتھ بندش امداد کی حامی نہیں بھرتا وہ جینوا معاہدات پر دستخط نہیں کرے گا۔ یہ مؤقف اختیار کرنا چاہئے کہ جب تک مسٹر کارڈوویز کے توسط

Marfat.com

سے کابل میں عبوری حکومت قائم نہیں ہوجاتی' پاکستان جنیوا معاہدات پر دستخط نہ کرے گا۔ یعنی ہمیں اپنے دستخطوں کا دباؤ اور ٹرمپ کارڈ عبوری حکومت کے حق میں استعمال کرنا چاہیے۔ میری رائے میں ہم اس وقت غلط بات پر زور دے رہے ہیں۔ زور بندش امداد پر نہیں بلکہ عبوری حکومت کے قیام پر ہونا چاہیے۔ کیونکہ ایک بار عبوری حکومت بن گئی تو باقی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ روسی فوجوں کی واپسی کی نگرانی ہوسکے گی' مہاجرین کی واپسی کا بندوبست ہوجائے گا' آئندہ انتخابات کا انتظام ہوسکے گا' افغانستان کی تعمیر نو کا کام شروع ہوجائے گا اور ان حالات میں اگر روس سے معاہدہ دوستی بھی چالو رہے تو کیا مضائقہ! ہمیں اسی حل کے حصول پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

Marfat.com

Marfat.com

# جنیوا کے ناکام مذاکرات

جنیوا مذاکرات کامیابی سے ہمکنار ہوتے معلوم نہیں ہوتے اور مجھے مذاکرات کے اس انجام سے کوئی تعجب نہیں کہ ؏

میری تعمیر میں مضمر تھی صورت اک خرابی کی

سب سے پہلے تو ہم نے ایسے نازک مذاکرات میں داخل ہوتے ہوئے کسی رازداری سے کام نہیں لیا اور غیر ضروری اور ناقابل جواز پارلیمانی اور غیر پارلیمانی عمل مشاورت سے اس امر کی تشہیر کی کہ پاکستان جنیوا معاہدات پر دستخطوں پر تلا ہوا ہے۔ عمل مشاورت سے دو نتیجے نکلے' ایک تو دوسری پارٹی (روس کی پشت پناہی میں کابل حکومت) سے ہمارے سودے بازی کی پوزیشن کمزور ہوئی کہ اگر وقت سے پہلے پتہ لگ گیا کہ ہم دستخطوں کے لئے مرے جا رہے ہیں تو وہ ہمیں کسی قسم کی رعایت دینے کو کیوں تیار ہونے لگا (بین الاقوامی مذاکرات' جن کا خاصا لین دین ہوتا ہے' میں رازداری کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ابھی کل ہی اسرائیلی وزیر اعظم شمیر نے اپنی پارٹی کے مسٹر وائزمین کو امریکی تجویز امن برائے مشرق اوسطی کی تائید کرنے کے لئے اس بناء پر سرزنش کی کہ اس طرح ان کے واشنگٹن سے سودے بازی کی استعداد میں کمی پڑی ہے۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کا موقف واضح نہ ہو سکا۔ بیک سانس افغان مہاجرین کی مراجعت وطن پر زور تھا تو عبوری حکومت کے قیام پر اصرار تھا لیکن تان وزیر اعظم کے اس غیر فصیح بیان پر ٹوٹی کہ جو بھی اقدام کیا جائے گا وہ قوم کے بہترین مفاد میں ہو گا۔ قدرتی طور پر اس مشاورتی مہم کے جلو میں سائن سائن چلانے والے تھڑدلوں کا جمگھٹا لگنا لازمی تھا۔

Marfat.com

اس پس منظر میں وزیر مملکت زین نورانی نے جنیوا مذاکرات میں حصّہ لینا شروع کیا انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ جونہی چار معاہدات تیار ہوتے ہیں اور کابل میں عبوری حکومت کے قیام اور افغان مجاہدین اور نجیب حکومت کی علی الترتیب امریکی اور روسی بندش امداد کے معاملات طے ہوتے ہیں وہ پاکستان کی طرف سے معاہدات پر دستخط کر دیں گے' کچھ دنوں بعد انہوں نے عبوری حکومت کے قیام کو معاہدات پر دستخطوں سے الگ ( Delink ) کر دیا یعنی معاہدات کی منظوری پر سے عبوری حکومت کے قیام کی شرط کو اڑا دیا لیکن اس امید کا اظہار کیا کہ اس معاملے کو فوراً یا معاً بعد ضرور زیر غور لایا جائے گا۔ دریں اثناء معاہدات پر دستخطوں کے لئے ماسکو کی مقرر کردہ 15 مارچ آئی اور بے دستخط گذر گئی اس پر دو تین روز بعد روسی وزارت خارجہ کی طرف سے یہ بیان جاری ہوا کہ جنیوا معاہدات پر دستخط ہوں یا نہ ہوں' روس اپنی فوجیں افغانستان سے لوٹا لے گا۔

23-22-21 مارچ کو امریکی روسی وزرائے خارجہ کی بظاہر سربراہی کانفرنس کی تیاری کے سلسلے میں ایک اہم ملاقات منعقد ہوئی لیکن مبصرین اس بات پر متفق تھے کہ اسکا اصل موضوع مسئلہ افغانستان تھا۔ اس لئے نگاہیں جنیوا سے واشنگٹن کی طرف مڑ گئیں۔ اب واشنگٹن کا فیصلہ ہمارے سامنے ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ سیکرٹری آف سٹیٹ شلز نے پاکستان اور افغان مجاہدین کے حق میں فیصلہ کروانے کے لئے اپنا پورا زور لگایا ہو گا کیونکہ اب وہ سینٹ کی مجاہدین کی طرفداری کے سخت دباؤ میں تھے' لیکن انہوں نے حاصل کیا کیا؟ عبوری حکومت کے قیام کے لئے یہ تجویز بر آمد ہوئی کہ مسٹر کارڈوویز اپنی ذاتی حیثیت میں افغان دھڑوں سے رابطہ قائم کریں اور انہیں کسی مخلوط حکومت کی تشکیل پر آمادہ کریں اس تجویز کے متعلق میں پہلے ہی رائے دے چکا ہوں کہ یہ بہت موہوم ہے۔ ذاتی حیثیت میں مسٹر کارڈوویز کے پاس کیا اتھارٹی اور دباؤ ہو گا کہ وہ نجیب حکومت کو ڈِسمس کر کے مجاہدین کو کس طرح نظرانداز کیا جاسکتا ہے؟ ) اور کچھ دیگر عناصر پر مشتمل حکومت بنوا دیں! اس تجویز کو روسی نظروں میں کس قدر اہمیت حاصل ہے' اس کا بخوبی عندیہ روسی ایجنسی تاس ( Tass ) کے تجزیہ نگار کی رائے سے ہوتا ہے' فرماتے ہیں اسلام آباد عرصے سے ایک عبوری حکومت (یعنی ایسی حکومت جو پاکستان میں مقیم مجاہدین سے ترتیب دی جائے ) کی تشکیل پر زور دے رہا ہے اور نجیب حکومت سے ( معاہدات پر ) دستخطوں سے انکاری ہے' اب روسی وزیر خارجہ ایڈورڈ شیورناڈزے اور امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ کے درمیان واشنگٹن میں مذاکرات کے بعد ( امریکی ( ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ کے ایک ترجمان نے اعلان کیا کہ پاکستان کے اٹھائے ہوئے عبوری حکومت کے معاملے کا جلد حل تلاش کر لیا جائے گا' اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ترجمان اعلان سے دوری اختیار کی گئی ہے۔ حالانکہ اگر مسٹر کارڈوویز کے توسّط سے کابل میں عبوری حکومت کے قیام کے مشترکہ مقصود کا اظہار منظور تھا تو اعلان کو مجرداً سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے

Marfat.com

ترجمان کے منہ میں نہ ڈالا جاتا بلکہ تجزیہ نگار کو کہنا چاہئے تھا کہ وزرائے خارجہ کے بعد اس نوعیت کا اعلان ہوا جس سے دونوں سپرپاورز کا اشتراک کار مترشح ہوتا اور اسے کہنا چاہئے تھا کہ اس سے اسلام آباد کی تسلی ہو جانی چاہئے تھی اور اسے مزید اعتراضات نہ اٹھانے چاہئے تھے۔

تو آپ دیکھیں گے کہ امریکی روسی وزرائے خارجہ کے مذاکرات سے نکلی ہوئی عبوری حکومت کی تجویز نہایت بودی ہے اور مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی' اوّل تو یہ تجویز نیم دلی سے دی گئی ہے۔ دوم جیسا کہ میں گزارش کر چکا ہوں مسٹر کارڈوویز کو نہ اقوام متحدہ نہ امریکہ اور روس کی طرف سے کوئی مینڈیٹ دیا گیا یا کوئی فیصلہ اختیارات تفویض کئے گئے ہیں۔ سوم نجیب حکومت سے بات چیت کرنے میں نجیب کو کیسے نظر انداز کر سکیں گے؟ ماسکو اسے کیسے پس منظر میں جانے دے گا؟ مجھے تو وہ اس وقت روسی نقطہ نگاہ سے سفید و سیاہ کا مالک نظر آ رہا ہے' انتخابات کروانے کی تیاری کر رہا ہے یہ جانے کے انداز میں بلکہ اپنے آپ کو جمہوریت نواز ثابت کرنے کا وطیرہ ہے ادھر روسیوں کے بھی عجیب رنگ ڈھنگ ہیں' ایک طرف انخلاء افواج کا اعلان کر رہے ہیں تو دوسری طرف نجیب کو ان دو شمالی صوبوں (جو قیمتی پتھروں کی دولت سے مالا مال ہیں) کے انضمام کے لئے استعمال کر رہے ہیں (کیا یہ افغانستان کی تقسیم کا پیش خیمہ ہے) سو عبوری حکومت کے قیام کے لئے کسی موقف کی ضرورت تھی' وہی موقف جو ہم نے پہلے اختیار کیا تھا کہ جب تک عبوری حکومت قائم نہیں ہوتی پاکستان معاہدات پر دستخط نہ کرے گا لیکن ہم نے تو عبوری حکومت کو دستخطوں سے ( Delink ) ڈی لنک (الگ) کر دیا اور اب ایک نئی تجویز کا سہارا لیا ہے جس میں کوئی جان نہیں یعنی عبوری حکومت کی بجائے جو آزادی افغانستان سے زیادہ بڑی کی حیثیت رکھتی تھی ہم نے طرفین کی بیک وقت بندش امداد Symmetrical cut – off of aid کی کوئی لکڑی پر ٹیک لگائی ہے اور کہہ رہے ہیں کہ جب تک اسے نہ مانا گیا ہم معاہدات پر دستخط نہ کریں گے۔ حالانکہ معاہدات میں اس مطالبے کا کوئی جواز نہیں۔ معاہدات امریکہ سے تو مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ روسی افواج کا انخلاء شروع ہوتے ہی افغان مجاہدین کو امداد بند کر دے گا لیکن روس پر اس قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کرتے' کیونکہ بنیادی بات یہ تھی کہ جہاں ہم روسی فوجوں کے افغانستان پر قبضے کے خلاف کیس بناتے تھے (جس میں کل دنیا ہمارا ساتھ دیتی تھی) وہاں ماسکو ہمارے خلاف افغانستان میں مداخلت کا کیس بناتا تھا تو بالآخر معاملہ یوں فیصل پایا کہ ایک طرف سے روسی قبضہ ختم ہو تو دوسری طرف سے امریکی امداد بند ہو' اب ماسکو بیک وقت بندش امداد کا مطالبہ دو بناء پر مسترد کر تا ہے' ایک یہ کہ معاہدات اس سے اس امر کا تقاضا نہیں کرتے اور دوسرے یہ کہ اس کا افغانستان سے معاہدہ (1921ء) دوستی فراہمی اسلحہ کی بندش کا مانع ہے' وہ تو بہ کابل حکومت کو فراہمی اسلحہ کا پابند ہے۔

Marfat.com

حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے دو ایشوز ( Issues ) یعنی معاملات میں سے ایک غلط ایشو پر مؤقف لے لیا ہے' جہاں تک بندش امداد کا تعلق ہے' روس کو ضرور افغان مجاہدین کے لئے امریکی اسلحہ کی بندش سے دلچسپی ہوگی لیکن مجھے یہ نظر آتا ہے کہ خود امریکہ بھی مجاہدین کو اسلحہ بند کرنے کو مستعد ہے' یہی دیکھئے کہ ابھی جنیوا مذاکرات کسی کروٹ بیٹھے نہیں کہ واشنگٹن نے مجاہدین کو سٹرنگر Stringer کی فراہمی بند کر دی ہے' واشنگٹن کے رویئے کے پیچھے دوررس محرکات کارفرما ہیں' ایک تو سچی بات ہے' امریکہ مجاہدین کی مکمل کامیابی کا خواہاں نہیں میں نے پچھلی جولائی میں لکھا تھا کہ جہاں امریکہ یقیناً یہ چاہتا ہے کہ روسی افغانستان سے نکل جائیں' وہاں وہ یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کابل میں اسلامی حکومت قائم ہو اور اس ممکنہ نتیجے کو منفی وشل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پاکستان کی ایڈ ساقط ہو جائے (ان دنوں ہماری امریکی ایڈ معرض نزاع میں پڑی تھی) اور افغانستان میں پوزیشن منجمد ہو کر رہ جائے تاکہ کسی ظاہر شاہ کے تحت نیم اسلامی' نیم مغربی انتظامیہ بروئے کار لائی جاسکے' پھر جہاں امریکہ روس کی اقتصادیات بہتر اور رواں کرانا چاہتا ہے (دراصل وہ اس کے اقتصادی نظام کو بدلنے کے درپے ہے) وہاں وہ اسے اپنے ہتھیاروں میں کمی پر مجبور کر رہا ہے تاکہ روس مغرب' خاص طور پر یورپ کے لئے خطرہ نہ بن سکے' دونوں صورتوں میں امریکی روسی دوستی اور تعاون کا چولی دامن کا رشتہ ہے' ہر سپر پاورز کی پالیسیوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے' وہ بہرحال وہی فیصلہ کریں گے جو ان کے مفادات کو راس ہو' لیکن ہمیں اتنا تو علم ہونا چاہئے کہ ہمارے قومی وملکی مفاد کے مختلف پہلوؤں کا کیا تقاضا ہے' اب ہمارے مفاد کا تقاضا تھا کہ ہم عبوری حکومت کے قیام پر مصر ہوتے کہ اس کے قیام سے نہ صرف مہاجرین کی واپسی یقینی ہو جاتی بلکہ ہر دو طرف سے اسلحی امداد کا مسئلہ ختم ہو جاتا' امریکی امداد کی ضرورت نہ رہتی اور روس اور افغانستان میں معاہدہ دوستی کے مستقبل کا انحصار ان کے باہمی تعلقات پر ہوتا' افغانستان کو روسی ملیں یا نہ ملیں' لیکن روس نے جس طرح افغانستان کو تباہ وبرباد کیا ہے اسے افغانستان کا بڑا قرضہ چکانا ہے' اسے افغانستان کی تعمیر نو میں بھرپور کردار ادا کرنا پڑے گا' اگر جرمنوں کو جنگ عظیم بپا کرنے کی پاداش میں تاوان Reparations ادا کرنا پڑا تو روسی افغانستان پر سالہا سال ناجائز وجارحانہ قبضہ رکھنے کی پاداش میں تاوان ادا کرنے سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

اب جنیوا مذاکرات کے تعطل سے ایک تحریک کی صورت نکلی ہے جس سے اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ مذاکرات میں پاکستان کسی کھڈے لائن (سائیڈ لائن) پر واقع نہیں کہ اس کا فرض اور مقصد حیات واشنگٹن کے احکامات بجالانے کے سوا کچھ نہ ہو بلکہ اسکی پوزیشن جداگانہ' آزاد' مرکزی اور کلیدی ہے' تعطل سے تحرک کی صورت' پاکستان کی صحیح پوزیشن کا اندازہ روسی وزیر خارجہ شیورناڈزے کے بلغراد سے اس بیان سے ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جنیوا معاہدات پر عمل درآمد کرنے کے لئے امریکہ کے ضامن

Marfat.com

بننے کی کوئی ضرورت نہیں، معاہدات پر سہ فریقی سمجھوتہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان روس کو مجاہدین کے لئے فراہمی اسلحہ کی بندش کی ضمانت دے سکتا ہے کہ بالآخر افغانستان میں امریکی اسلحہ پاکستان کے توسط سے پہنچتا ہے، یہ بیان گہرے مؤثرات کا حامل ہے، اس کا اہم ترین نکتہ تو یہ ہے کہ اسلام آباد اور ماسکو میں براہ راست تعلقات و گفت و شنید کی راہ ہموار ہوتی ہے جس کی ہمیں عرصے سے جستجو اور خواہش تھی (مجاہدین بھی براہ راست ماسکو سے بات چیت کا مطالبہ کر رہے ہیں) دوم، براہ راست عمل سے مفاہمت کی راہ کھلتی ہے، اگر ایک طرف ماسکو اسلام آباد سے بندش اسلحہ کی ضمانت چاہتا ہے تو دوسری طرف اسلام آباد ماسکو سے کابل میں ایک نئی عبوری حکومت طلب کر سکتا ہے، اور اس سے کہا جا سکتا ہے کہ انخلاء افواج کے ساتھ ساتھ وہ ڈاکٹر نجیب اللہ کی قطعی غیر نمائندہ حکومت کو توڑ کر مجاہدین کو ایک ایسی نمائندہ حکومت بنانے کی گنجائش پیدا کرے جو ملک کے تمام مؤثر عناصر پر حاوی ہو (مجاہدین کے ذہنوں میں ایسی حکومت کا تصور موجود ہے) اس تبدیلی حکومت کی اس لئے اشد ضرورت ہے کہ جہاں جلد یا بدیر آج یا کل روسیوں کا مجاہدین سے واسطہ پڑنا لابدی ہے وہاں جب تک نجیب حکومت قائم رہتی ہے، اسلام آباد مجاہدین کو فراہمی اسلحہ کی بندش کی ضمانت نہیں دے سکتا، مجھے اعتماد ہے کہ براہ راست، دو طرفہ تعلقات کی بناء پر اسلام آباد اور ماسکو کابل میں عبوری حکومت کا بنیادی مسئلہ طے کر سکتے ہیں، سوم، اس آزادانہ راہ کو اختیار کر کے پاکستان امریکہ (جس کی پالیسیاں اپنے مفادات کی اونچ نیچ کے مطابق ہمارے حق میں ادلتی بدلتی رہتی ہیں اور ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت واشنگٹن ہمارے ساتھ کھڑا ہے یا نہیں!) کی آہنی گرفت سے نکل کر اس سے مساوات کی بنیاد پر تعلقات قائم کر سکتا ہے، چہارم اور سب سے بڑھ کر افغانستان پر اسلام آباد اور ماسکو میں مفاہمت سے پاکستان اور سوویت یونین کے تعلقات خوشگوار ہو سکتے ہیں جس کی سخت ضرورت ہے کہ نہ صرف سوویت یونین ایک سپر پاور ہے بلکہ وہ اس علاقے میں واقع ہے اور اس کی حکمت عملیوں سے ارد گرد کے ممالک متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مسٹر شیورناڈزے کے بیان سے جنیوا مذاکرات کے جمود میں روانی کا جو امکان نکلا ہے اس کا ہمیں پورا فائدہ اٹھانا چاہئے، بہرحال اس تجویز کو آزمائے بغیر نہ چھوڑنا چاہئے اس موقع پر صدر ریگن کا صدر ضیاء الحق کو ٹیلی فون خالی از علت نہیں، وزیر خارجہ کے بیان کا کرشمہ ہے کہ امریکی صدر کو فی الفور یہ یقین دہانی کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ امریکہ تب تک مجاہدین کی اسلحی امداد بند نہ کرے گا جب تک روس کابل حکومت کو فراہمی اسلحہ بند نہیں کرتا، حقیقتاً یہ یقین دہانی بیکار ہے کہ یہ اصل مسئلے کا حل پیش نہیں کرتی اصل مسئلہ عبوری حکومت کا قیام ہے جو مجاہدین کی قربانیوں کا پھل مہیا کرتا ہے تو مہاجرین کی مراجعت وطن کا سامان بھی کرتا ہے، اور اگر یہ مسئلہ اسلام آباد اور ماسکو کے درمیان براہ راست

Marfat.com

مذاکرات سے حل ہو سکتا ہے تو اس سے بہتر کوئی چیز نہیں اس طرح اگر جنیوا مذاکرات چار فریقی کی بجائے دو فریقی نوعیت اختیار کر لیں (دو فریقی اس لئے کہ ماسکو کی موجودگی میں نجیب حکومت کی کوئی حیثیت نہیں رہتی) تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس صورت میں بھی مذاکرات کی کامیابی کا کریڈٹ اقوام متحدہ اور مسٹر کارڈوویز کو جائے گا کہ انہوں نے ایک کٹھن عالمی مسئلے کو حل کرنے میں عظیم الشان اور تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

Marfat.com

## سمٹری پر زور کیوں؟

پاکستان کے وزیر مملکت خارجہ زین نورانی دو مقاصد کے پیش نظر جنیوا مذاکرات میں حصہ لینے گئے تھے' ایک افغانستان سے روسی افواج کا مکمل انخلاء اور دوسرے افغان مہاجرین کی مراجعت وطن کا انتظام جس کے لئے کابل میں ایسی عبوری حکومت کا قیام لابدی تھا جو غیر جانبدار ہو اور جس پر مہاجرین اعتماد کر سکیں' چونکہ جنرل سیکرٹری گورباچوف نے انخلاء کی پندرہ مئی تاریخ مقرر کر دی تھی' نیز معاہدے کی چاروں دستاویزات پہلے ہی تیار ہو چکی تھیں' **عملاً** جنیوا مذاکرات کے سامنے ایک ہی اہم سوال رہ گیا تھا وہ تھا مہاجرین کی باعزت و بعافیت واپسی کے لئے عبوری حکومت کا قیام' لیکن ایک ماہ کے جنیوا میں بالواسطہ مذاکرات اور واشنگٹن میں امریکی اور روسی وزرائے خارجہ میں بلاواسطہ مذاکرات کے بعد معلوم ہوا کہ افغانستان کا اہم ترین مسئلہ تو **سمٹری** ہے یعنی امریکہ کی افغان مجاہدین کو اور روس کی نجیب حکومت کو فراہمی اسلحہ کا مسئلہ' واشنگٹن کا کہنا ہے کہ یا دونوں سپرپاور معاہدے کے بعد اکٹھے' بیک وقت اپنے اپنے افغان حلیفوں کو فراہمی اسلحہ بند کر دیں یا اگر ماسکو افغانستان سے اپنے ۱۹۲۱ء کے نام نہاد معاہدہ دوستی کی بناء پر کابل کو فراہمی اسلحہ جاری رکھنا چاہتا ہے تو امریکہ کو بھی اس امر کا مجاز ہونا چاہئے کہ وہ بھی بدستور افغان مجاہدین کو اسلحہ فراہم کرتا رہے۔

اب ماسکو کو واشنگٹن کے رویئے پر دو اعتراضات ہیں' اول جنیوا معاہدے کی رو سے امریکہ پر تو یہ پابندی لاگو ہوتی ہے کہ وہ معاہدے پر دستخطوں کے ساٹھ دن کے اندر افغان مجاہدین کو اسلحہ فراہم کرنا بند کر دے لیکن یہ پابندی روس پر عائد نہیں ہوتی' دوم ماسکو کا کہنا ہے کہ **سمٹری** کے اصول کا اطلاق کرکے

Marfat.com

واشنگٹن کابل کی " آزاد و خود مختار' نجیب حکومت کا مرتبہ گرانا چاہتا ہے اور اسے اقوام متحدہ کی رکن حکومت کے " باغیوں اور مخالفوں " کی سطح پر لانا چاہتا ہے اور اس طرح وہ روس اور مطلق العنان افغانستان کے باہمی تعلقات میں دخیل ہو رہا ہے' ماسکو واشنگٹن کے اس مؤقف سے اس درجہ برہم ہوا ہے کہ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ امریکہ کو معاہدے پر عمل در آمد کرانے کے لئے ضامن بننے کی ضرورت نہیں (حالانکہ امریکہ نے معاہدے پر ضامن بننے کی حامی ہی روس کے پر زور مطالبے پر بھری تھی!) اور روسی وزیر خارجہ شیورڈ ناڈزے نے پاکستان کو دعوت دی کہ وہ کابل حکومت اور ماسکو سے جنیوا معاہدات پر چار فریقی کی بجائے سہ فریقی طور پر دستخط کرے' ورنہ وہ روسی فوجیں نکالنے کے لئے نجیب حکومت سے دو طرفہ سمجھوتہ کر لیں گے " بالفاظ دیگر' ماسکو انخلاء افواج پر تو تیار ہے لیکن وہ دنیا کے سامنے موجود روس کی ذیلی کٹھ پتلی حکومت کو اسی طرح " خود مختار و آزاد " حکومت کی طرح پیش کرنا چاہتا ہے جیسے وہ مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ملکوں کی ذیلی اور تابعدار حکومتوں کو پیش کرتا ہے درحقیقت یہ افغانستان میں پولینڈ وغیرہ میں تجربے کو دہرانے کی کھلی کوشش ہے' لیکن صورتحال یہ ہے کہ جہاں مشرقی یورپ میں روس کے عسکری تسلّط کو ہضم کر لیا گیا تھا' وہاں افغانستان میں ایسا نہیں ہوا اور ساڑھے آٹھ سال کی جدید ترین اسلحہ سے مزیّن ڈیڑھ لاکھ روسی فوجوں کی مسلسل یورش اور جنگ افغانستان پر قابض نہ کروا سکی اور افغان مجاہدین کی مزاحمت پر قابو نہ دلوا سکی' اور اگر آج ہمارے سامنے مسٹر گورباچوف کا اعلان انخلاء اختلافات کے باوجود بدستور منتظر تکمیل قائم نظر آ رہا ہے (اور اس اعلان سے کسی کو ہٹنے کی جرأت نہیں پڑتی) تو اسی لئے کہ روسی فوج اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی اور شیورڈ ناڈزے کی " آزاد اور خود مختار " نجیب حکومت بیس فیصدی قطعہ ملک پر بھی حاوی نہیں' یہ الزام کہ واشنگٹن نجیب حکومت کا مرتبہ گرا رہا ہے' بے بنیاد ہے کیونکہ وہ افغان دھڑوں میں زیادہ سے زیادہ ایک اقلیتی دھڑا ہے' افغانستان میں اصل سکہ افغان مجاہدین کا چلتا ہے جن کی نمائندگی اسلامی اتحاد کی سات جماعتیں کرتی ہیں اور سچی بات ہے کہ اگر نجیب حکومت کو روس کی فوجی بساکھیاں فراہم نہ ہوں' تو وہ دھڑام سے زمین پر آ گرے'

نجیب حکومت کے بارے میں تو مسٹر شیورڈ ناڈزے کا استدلال قابل قبول نہیں' لیکن سوال تو یہ ہے کہ امریکہ کے سمٹری کے مطالبے کے جواز سے مسئلہ افغانستان کا حل' جس کے لئے بالواسطہ جنیوا مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا گیا اور جس کے لئے پاکستان کو اتنا تردد ہے کیونکر بروئے کار آتا ہے؟ وہ تو وہیں کا وہیں رہا! اگر دونوں طرف فراہمی اسلحہ جاری رہتا ہے تو سوائے اس کے کہ دونوں طرف سے اور افغان مارے جائیں گے' کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ مسئلہ افغانستان کا دارومدار تو اس بات پر ہے کہ اگر ایک طرف روسی فوجیں نکلیں تو دوسری طرف ایسی عبوری حکومت قائم ہو جسے عوام کا اعتماد حاصل ہو اور جو ملک میں امن قائم کرے' اسی مقصد کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کو وزیر خارجہ شیورڈ ناڈزے کی متبادل تجویز کو

Marfat.com

اس نقطہ نظر سے قابل اعتناء گردانا چاہئے کہ اس سے اسلام آباد کی ماسکو سے براہ راست تبادلہ خیال کی راہ کھلتی ہے' ہماری اولین ترجیح کابل میں عبوری حکومت کا قیام ہونا چاہئے تاکہ امریکہ سے افغان مجاہدین کے لئے فراہمی اسلحہ کی یقین دہانی کا حصول' کیونکہ اگر اسلام آباد ماسکو کو عبوری حکومت کے قیام پر راضی کر لیتا ہے تو باقی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے' ضرورت ماسکو سے براہ راست مذاکرات کی ہے اور روسی وزیر خارجہ کے بیان کی اہمیت اسی نکتے میں پوشیدہ ہے کہ وہ ان مذاکرات کے دروازے کی کنجی کا حامل ہے' ماسکو نے ایک پیشکش کی ہے' ضروری نہیں کہ اسے قبول کیا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ معروضی حالات کی روشنی میں ماسکو کو اس بات پر قائل کرنا ناممکنات میں سے نہ ہوگا کہ نجیب حکومت نہ افغانستان کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے اور نہ پاکستان روس کے لئے مفید ہے اور نہ ہی مستقبل میں افغانستان روس کے تعلقات کیلئے سازگار ہیں' میں یہ بات ماننے کو آمادہ نہیں کہ ماسکو نجیب حکومت کی اصلیت کو نہیں پہچانتا اگر وہ مسئلہ افغانستان کے حل کی طرف مائل ہوا ہے تو اسی لئے کہ اسے سمجھ آ گئی ہے کہ اس سے کام نہیں چل سکتا اور اگر اس نے پاکستان کو بطور خاص مفاہمت کے لئے مخاطب کیا ہے تو اسی لئے کہ اس مسئلے کی سدِ راہ کو پار کرنا چاہتا ہے' اگر اسلام آباد اور ماسکو میں بات چیت ناکام رہے تو صورتحال کچھ زیادہ ابتر نہ ہوگی لیکن اگر ہم نے ماسکو کی تجویز پر اس سے سلسلہ جنبانی نہ شروع کیا تو پاکستان روس تعلقات کے بدتر ہونے کا خدشہ ہے' گویا ناکامی کی صورت میں حالات بدستور وہی رہیں گے جو اس وقت ہیں لیکن کامیابی کی صورت میں نہ صرف کابل میں عبوری حکومت قائم ہو سکتی ہے اور پرامن طریقے سے یہ حکومت ماسکو کے تعاون سے ہی قائم ہو سکتی ہے تو نہ صرف مسئلہ افغانستان بخیر و خوبی حل ہو جانے کا بلکہ پاکستان اور روس میں دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو جائیں گے جس کی اشد ضرورت ہے' امکانات کے اس پس منظر میں محض سمٹری کی رٹ سے کیا حاصل!

Marfat.com

Marfat.com

# کیا مسئلہ افغانستان حل ہو گیا؟

صدر مملکت جناب محمد ضیاء الحق کا پارلیمینٹ کو خطاب معرکتہ الاراء تھا اور غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا، نہ صرف وہ پر مغز و پر تاثیر تھا اور صدر محترم کے جذبہ ایمان وایقان کا آئینہ دار تھا ان کے سپاہیانہ و مجاہدانہ جوش وولولے کا مظہر تھا اور چند ایسے بنیادی قومی مسائل نیز اہم داخلی و خارجی امور کے عمیق اور چشم کشا تجزیے پر حاوی تھا جو رہنمایان قوم کے غور وفکر اور سوچ و تدبر کا سزاوار ہے بلکہ وہ خطاب ایک ایسے مسئلے پر بھی اظہار خیال کا وسیلہ بنا جو فی الوقت ہمارے لئے سنگین ترین نوعیت رکھتا ہے یعنی مسئلہ افغانستان۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ صدر محترم کا خطاب مرصع ہے اور اس کا ہر گوشہ دعوت فکر و نظر دیتا ہے، اب یہی قوم کا مسئلہ کہ اس ضمن میں ہماری پراگندہ خیالی کا یہ عالم ہے کہ وہی قوم جس کی کوکھ سے ملک نے جنم لیا تھا (یعنی قوم، مسلم قوم ملک بننے سے پہلے موجود تھی اور اسی کی کوششوں سے پاکستان بنا تھا) جملہ سوالیہ بنی ہوئی ہے اور اس بری طرح علاقائیت کے پھندے میں پھنسی ہوئی ہے کہ دنیا پوچھتی ہے کہ کیا یہاں کوئی پاکستانی قوم بستی ہے؟ لیکن یہاں نہ میں اس مسئلے میں پڑوں گا نہ کسی اور قومی مسئلے میں جو صدر مملکت نے اٹھایا یہاں میں صرف مسئلے افغانستان پر تبصرہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

سمٹری صدر ضیاء الحق کے خطاب موضوع میں مسئلہ افغانستان پر بات کرنے کی دو فوری وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ امریکہ اور روس میں سمٹری (دو سپر پاورز کے درمیان اپنے اپنے افغان حلیفوں کے بارے میں متوازن طرز عمل یعنی یا دونوں کو فراہمی اسلحہ یا دونوں کی بندش اسلحہ) کے تنازعے کے باعث جنیوا مذاکرات معرض تعطل میں پڑے ہوئے تھے اور وزیر مملکت خارجہ زین نورانی کا کہنا تھا کہ جونہی سمٹری کا

Marfat.com

مسئلہ حل ہوا' جنیوا معاہدات پر دستخط ہو جائیں گے' با الفاظ دیگران کی دانست میں مسئلہ افغانستان کا حل سمٹری کا سوال طے نہ ہونے کی وجہ سے لٹکا ہوا تھا اس سوال کے طے ہونے کی بھی کوئی صورت نہ نظر آ رہی تھی کہ روس نے اس پر ذراسخت 'غیر لچکدار اور "اصولی" مؤقف اختیار کیا ہوا تھا کہ اقوام متحدہ کی شناخت وتسلیم کردہ نجیب حکومت اور افغان مجاہدین کو ایک ہی سطح پر نہیں رکھا جاسکتا اور اسی مؤقف کی تفسیر میں روسی وزیر خارجہ شیورناڈزے نے صوفیہ سے بیان جاری کیا کہ جنیوا معاہدات کے لئے امریکہ کو ضامن بنانے کی ضرورت نہیں اور ان پر باقی تین پارٹیاں دستخط کرا سکتی ہیں اور انہوں نے پاکستان کو باقاعدہ جنیوا معاہدات پر سہ فریقی بنیاد پر مہر توثیق ثبت کرنے کی دعوت دی' ورنہ انہوں نے دھمکی دی کہ ماسکو کابل سے دوطرفہ معاہدہ کر کے اپنی افواج افغانستان سے نکلوالے گا' اس کے بعد وہ فی الحقیقت کابل چلے گئے اور ایسا معلوم دیا کہ واقعی نجیب حکومت سے جنیوا مذاکرات سے باہر کسی قسم کا معاہدہ کر رہے ہیں بلکہ آل انڈیا ریڈیو نے تو اڑادی کہ ایسا ماسکو کابل معاہدہ ہو بھی چکا (جس کی اسلام آباد میں روسی سفارت نے تردید کی) اور بعد میں خبر آئی کہ تاشقند میں مسٹر گورباچوف اور ڈاکٹر نجیب اللہ میں مذاکرات ہو رہے ہیں جن کے متعلق کسی قسم کی قیاس آرائیاں کی جانے لگیں' بہر حال جنیوا مذاکرات معطل تھے اور دنیا کے "صابر ترین سفار تکار" (یہ لندن اکانومسٹ کی رائے ہے) مسٹر کارڈوویز "نئے نکات" سے عاری اور بجٹ سے خالی ہونے کی شکایت کر رہے تھے اور سفار تکاری تیاگ کر کاشتکاری کے منصوبے بنا رہے تھے' تعطل بے سبب بھی نہ تھا اگر روسیوں کا یہ اعتراض بے جان نہ تھا کہ سمٹری کے ذریعے امریکہ عالمی قبولیت کی مالک نجیب حکومت کو اس کے باغیوں اور مخالفوں' کی صف میں گرانا چاہتا ہے تو ان کا یہ نکتہ بھی بے جواز نہ تھا کہ جنیوا معاہدات کی رو سے بندش اسلحہ کی پابندی صرف واشنگٹن پر لاگو ہوتی ہے' ماسکو پر نہیں' اسی عالم شش و پنج میں صدر ضیاء الحق نے اپنے خطاب میں یہ مثبت خبر سنائی کہ امریکہ اور روس میں سمٹری پر سمجھوتہ ہو گیا ہے کہ دونوں سپر پاورز اپنے اپنے حلیفوں کو (امریکہ مجاہدین کو اور روس نجیب حکومت کو) بدستور فراہمی اسلحہ جاری رکھ سکیں گے۔ گویا ماسکو نے اپنی مونچھیں کرلیں مسٹر گورباچوف ماسکو سربراہی کانفرنس کو کامیاب کرنے اور امریکہ سے اپنے تعلقات بہتر کرنے پر اس قدر تلے اور تلے ہوئے ہیں کہ اس کے لئے واشنگٹن کے دباؤ کا ہر کڑوا گھونٹ پینے کو تیار ہیں اور اس کے ناز نخرے برداشت کرنے کی ہر قیمت ادا کرنے کو مستعد ہیں' اس پیش رفت سے عالمی سیاست کا وہ اصول (جب حقیقت خواہ وہ کتنی بھونڈی ہو' ناقابل تردید بن جائے تو وہ اصول کی ہیئت اختیار کرلیتی ہے) اجاگر ہوتا ہے جو مسئلہ افغانستان پر لکھنے کے سلسلے میں ان کالموں میں بار بار بیان کیا گیا ہے کہ سیاست میں کبھی حرف آخر نہیں کہا جاتا۔ ۔

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے مے خانہ کہتے ہیں

اس میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا مقولہ چلتا ہے اب آپ دیکھئے کہ سیاست کے اسی کردار کی

Marfat.com

بدولت ہم کہاں سے چلے تھے اور کہاں پہنچے ہیں' فروری کے اواخر میں جنیوا معاہدات پر سائن کا شور و غوغا تھا اور ماسکو کی یکطرفہ مقرر کردہ پندرہ مارچ کی تاریخ ساعت قیامت کا حکم رکھتی تھی کہ۔

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

بڑے بڑے آزمودہ سفارت کار اور دانشور کہہ رہے تھے کہ اس تاریخ کو مس نہ کرنا ورنہ قیامت آ جائے گی' روسی لابی کے ترجمانوں نے یہاں تک کہا کہ اگر اس تاریخ تک دستخط نہ ہوئے تو روس پاکستان پر حملہ کر دے گا! لیکن پندرہ تاریخ آئی اور بے دستخط گزر گئی اور اور کوئی آسمان نہ ٹوٹ پڑا' نزاع بین الاقوامی سیاست میں عقل و دانش کے ساتھ دل گردے کی بھی ضرورت ہے اور اللہ کے فضل سے اور قوم کی خوش قسمتی سے صدر ضیاء الحق میں یہ خصائص اور جواہر موجود ہیں اور وہ حکومت کو صبر و تحمل کا مشورہ دیتے رہے وہی دراصل پاکستان کی افغان پالیسی کے مصنف ہیں اور یہ دوسری وجہ ہے کہ ان کے اظہار رائے پر بہت سنجیدگی سے بحث کی جائے۔ مجھے شروع سے یقین تھا کہ اگر امریکہ ہمارا ساتھ دے تو وہ روس سے کابل میں عبوری حکومت نکلوا سکتا ہے کہ جیسا اب آپ نے سمٹری پر دیکھا ماسکو واشنگٹن کے دباؤ کی تاب نہیں لا سکتا لیکن امریکی انتظامیہ نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور مسٹر شلز نے ماسکو سے عبوری حکومت کا مطالبہ نہ کیا اور اس لئے نہ کیا کہ امریکہ کابل میں افغان مجاہدین کی اسلامی حکومت کا روادار نہ ہو سکتا تھا اسلام کے معاملے میں واشنگٹن اور ماسکو ہم خیال تھے آپ پوچھیں گے تو پھر مسٹر شلز نے مسٹر شیورڈناڈزے سے اپنی پچھلی ملاقات میں اتنا سخت رویہ کیوں اختیار کیا کہ سمٹری پڑ گئے حالانکہ اس کا کوئی جواز نہ تھا (جب کہ اس کے خلاف عبوری حکومت پر اڑنے کا اس لئے جواز تھا کہ تیسرے معاہدے کی رو سے مہاجرین کی باعزت و باعافیت مراجعت وطن کی یقین دہانی لازمی ہے اور اسی صورت میں پوری کی جا سکتی ہے کہ کابل میں کوئی ایسی حکومت قائم ہو جسے ان کا اعتماد حاصل ہو) جہاں تک اس بار مسٹر شلز کے سخت رویئے اختیار کرنے کا تعلق ہے تو اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ کانگریس کے دباؤ میں آ گئے تھے۔ سینٹ نے بلا مخالفت 77 ووٹوں سے امریکی انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ افغان مجاہدین کی امداد سے ہاتھ نہ اٹھائے اور پاکستان پر جنیوا معاہدات پر دستخطوں کے لئے زور نہ ڈالے وہی سیاست میں دباؤ کا حربہ کام آیا۔ ذرا خیال کیجئے کہ اگر ہم پندرہ مارچ کو غیر مشروط طور پر دستخط کر دیتے تو کیا صورت حال ہوتی؟ صورت حال یہ ہوتی کہ روسی افواج تو انخلاء شروع کر دیتیں لیکن جہاں ایک طرف کابل میں نجیب حکومت قائم رہتی تو دوسری طرف مجاہدین نہتے کر دیئے جاتے' پاکستان میں اپنی پناہ گاہ کھو بیٹھتے اور مہاجرین کے واپس وطن جانے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔

Marfat.com

اب اس سے بھی اہم تر سوال کی طرف آتا ہوں سوال یہ ہے کہ بے شک امریکہ سمٹری کی اعصابی جنگ میں تو جیت گیا لیکن کیا اس کا مطلب ہے کہ مسئلہ افغانستان حل ہو گیا؟ یہ سوال اس لئے اہم ہے کہ بقول وزیر مملکت زین نورانی سمٹری کا جھگڑا ہی جنیوا معاہدات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں رکاوٹ ہے اور وہ راہ سے ہٹ جائے تو ان کا قلم دستخطوں کے لئے تیز اور تیار ہے گویا جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کے عمل کو مسئلہ افغانستان کے حل کی تمہید بلکہ اس کے مترادف سمجھا جا رہا ہے لیکن کیا واقعی جنیوا معاہدات سے یہ نتیجہ نکلنے کی توقع بجا ہے؟ روسی افواج تو ضرور نکل جائیں گی لیکن وہ تو معاہدات کے بغیر بھی چلی جانے کو تیار تھیں کہ اب روس کو افغان جنگ ساز گار ہی نہیں رہی اور جیسا کہ مسٹر گورباچوف نے مغربی جرمنی کے سوشلسٹ لیڈر مسٹر ولی برانٹ کو بتایا وہ 85ء سے اپنی فوجوں کو افغانستان سے نکالنے کی فکر میں تھے روس کا نیا اقتصادی نظام فوجوں کے انخلاء کا متقاضی ہے سو روس کی فوجوں کا انخلاء معجزہ تو یقیناً ہے اور مجاہدین کا کردار یقیناً قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ناقابل محو کارناموں کی یاد تازہ کرتا ہے لیکن روس کے نئے حالات میں قطعی غیر متوقع نہیں مگر اس سے مسئلہ افغانستان مکمل طور پر حل نہیں ہوتا کہ مسئلہ صرف روسی فوجوں کا انخلاء نہ تھا بلکہ کابل میں مقبول عام حکومت اور امن کا قیام بھی تھا ایسی حکومت ہی روسیوں کے بزور شمشیر کمیونسٹ نظام کے تسلط کا قلع قمع کرتی اور پچاس لاکھ مہاجرین کی وطن واپسی کی راہ ہموار کرتی لیکن موجودہ صورت میں کیا ہو گا؟ بظاہر روسی فوجی چلے جائیں گے لیکن نجیب حکومت قائم رہے گی اس کا بین الاقوامی مرتبہ قائم رہے گا اور ان سے ہر قسم کی روسی امداد جاری رہے گی نجیب حکومت کی بعینہٖ وہی پوزیشن ہو گی جو روس کے خیمہ بردار مشرقی یورپ کے ملکوں کی ہے ہاں افغان مجاہدین کو بھی امریکی امداد ملتی رہے گی لیکن اس سے وہ صرف لڑ سکتے ہیں نہ ملک میں امن قائم کر سکتے ہیں نہ نظام اسلام رائج کر سکتے ہیں اور نہ ہی مہاجرین کی واپسی کا بندوبست کر سکتے ہیں دوسرے الفاظ میں افغان مجاہدین کا جہاد جاری رہے گا اور افغانوں کا خون بہتا رہے گا۔

یہاں آپ مجھے ٹوکیں گے کہ امریکی روسی وزرائے خارجہ کے فیصلوں کے ضمن میں شاید میں مسٹر کارڈوویز کے اس رول کو بھول گیا جو واشنگٹن اور ماسکو نے انہیں کابل میں اپنی ذاتی حیثیت میں مختلف افغان دھڑوں سے مذاکرات کے ذریعے عبوری حکومت بنانے کو سونپا ہے؟ جی نہیں میں یہ نکتہ نہیں بھولا لیکن میری عرض ہے اور میں یہ عرض متعدد بار کر چکا ہوں کہ مسٹر کارڈوویز کے مشن میں قطعاً کوئی وزن نہیں ہے آپ نے دیکھا کہ سیاست دباؤ اور اتھارٹی کے زور پر چلتی ہے سمٹری پر قطعی مؤقف رکھنے کے باوجود ماسکو سربراہی کانفرنس کو کامیاب بنانے کے دباؤ میں واشنگٹن کے مطالبے کے سامنے جھک گیا مجھے امریکی انتظامیہ سے یہ گلہ ہے کہ اس نے اسلام دشمن عصبیت کی بنا پر ماسکو پر عبوری حکومت قائم کرنے کے لئے دباؤ نہ ڈالا ورنہ اگر وہ ایسا کرتا تو ماسکو اس مطالبے کو بھی قبول کر لیتا بلکہ اگر واشنگٹن سمٹری

Marfat.com

پر اصرار کرنے کی بجائے عبوری حکومت پر زور دیتا تو فراہمی اسلحہ یا بندش اسلحہ کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا اور مہاجرین کی واپسی کا یقیناً انتظام ہو جاتا اس لئے جب تک عبوری حکومت قائم نہیں ہو جاتی مسئلہ افغانستان حل نہیں ہو سکتا بلکہ میں اس سے آگے جاؤں گا اور کہوں گا کہ وہ حل ہی نہیں ہوا کیونکہ بقائمی ہوش و حواس میں یہ باور کرنے کو تیار نہیں کہ اختیارات سے نہتے مسٹر کارڈوویز عبوری حکومت کے خار دار مسئلے کو مجرداً اپنی خداداد لطافت لسانی' سفارتی مہارت اور خلوص قلب کے اثر اور امپیکٹ سے حل کر پائیں گے سمٹری کے اصول کی قبولیت کے بعد جنیوا معاہدات تو مکمل ہو جائیں گے اور روسی فوجی بھی گھروں کو چلے جائیں گے لیکن جہاں مجاہدین بدستور میدان کارزار میں مصروف جہاد رہیں گے وہاں مہاجرین بھی پاکستانی کیمپوں میں پڑے رہیں گے کہ کابل ہنوز دوراست' لیکن

ع بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

Marfat.com

Marfat.com

# دستخطوں کے بعد

جنیوا معاہدات پر دستخطوں کے مابعد نتائج و مؤثرات کا احاطہ کرنے سے پہلے ان عوامل وارکان اور حالات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جو 1982ء سے 6 سالہ جنیوا مذاکرات شروع کرنے کا باعث اور محرک بنے اور جب اپریل 1978ء میں افغانستان کے اندر خونی ثور سوشلسٹ انقلاب آیا تو پاکستان نے اس کے خلاف کوئی مداخلتی اقدام نہ کیا کہ تره کئی اور اس کے بعد حفیظ اللہ امین کی حکومتیں بہر حال دیسی افغانی حکومتیں نظر آتی تھیں۔ پاکستان کا "کابل حکومت" کے خلاف تب مؤقف قائم ہوا جب وہاں روسی ٹینکوں کے جلو میں ببرک کارمل برسر اقتدار آیا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوئی کہ افغانستان پر روسی فوجوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہ ملک میں بزور شمشیر کمیونسٹ نظام مسلط کرنا چاہتی ہیں۔ اس صورت حال میں جب غیور و حریت پسند افغان قوم غلام بنتی نظر آئی اور افغانستان کا اسلامی اور غیر جانبدارانہ کردار و مرتبہ تہہ و بالا ہوتا دکھائی دیا تو پاکستان نے روس کی کھلی جارحیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور ببرک کارمل کی کٹھ پتلی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس نے لفظی احتجاج پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ صدر محمد ضیاء الحق نے ایک واضح حکمت عملی کی بنا ڈالی، جس کی رو سے ایک طرف عالمی رائے کو افغانستان پر روسی جارحیت کے خلاف بیدار اور منظم کرنا اور اس کی مذمت کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے فوری طور پر اسلام آباد میں مسلم ممالک کی تنظیم کا اجلاس منعقد کروایا جس کی صدائے بازگشت اقوام متحدہ اور غیر جانبدار ملکوں کی تنظیم کے اجلاسوں میں سنائی دی تا آنکہ کل دنیا نے افغانستان پر روسی حملے اور قبضے کے خلاف پرزور آواز اٹھائی اور دوسری طرف ان افغان مجاہدین کی جو روسی افواج کے سامنے

Marfat.com

میدان جنگ میں سینہ سپر ہو گئے' پوری پوری مدد کی اور لکھو کھا افغان مہاجرین کو سینے سے لگایا اور ان کی میزبانی کا انصارانہ حق ادا کیا۔ اگر پاکستان کے خالصتاً اسلامی اخوت اور انسانی حمیت کے جذبے نے اسے افغان مجاہدین اور مہاجرین کی تن من دھن سے خدمت وامداد پر آمادہ کیا تو اس کے عمل نے روس کے غیض وغضب کو بھڑکایا جس کے نتیجے میں ساڑھے آٹھ سال سے یہ ملک ماسکو کابل کی ریشہ دوانیوں کا نشانہ بنا رہا اور کوئی فتنہ نہیں جو اس کی تباہی و بربادی کے لئے نہیں اٹھایا گیا۔ سرحدوں کی تقدیس کو پاش پاش کیا گیا' بمباری کی گئی شہر شہر بم بلاسٹ کروائے گئے جن میں سینکڑوں جانیں تلف ہوئیں اور کروڑوں کی جائیدادیں خاکستر ہوئیں لیکن پاکستان ثابت قدم رہا اور اپنے مؤقف سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جہاں بے شک پچھلے سالوں میں امریکی امداد ہمارے شامل حال ہوئی وہاں پہلے دو سال پاکستان تن تنہا اپنے مسلک پر ڈٹا رہا یہ افغان مجاہدین کے بے مثل سرفروشانہ کارہائے نمایاں اور پاکستان کی بینظیر و بے پناہ قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ آج ایک سپر پاور اپنے مقبوضہ ملک کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئی ہے حالانکہ روس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ جہاں اس کا قدم پڑ گیا وہ وہاں سے اٹھایا نہ جاسکتا تھا۔

پاکستان کی پامردانہ حکمت عملی کا راز صدر ضیاء الحق کی قوت ارادی اور مومنانہ فراست اور مجاہدانہ ہٹ میں مضمر تھا۔ اسی نے افغان مجاہدین کے حوصلوں کو استوار اور مہاجرین کو مطمئن رکھا' دنیا کو ان کی امداد پر تیار کیا نیز جنیوا مذاکرات کے تسلسل کو برقرار رکھا۔ 1985ء میں دو واقعات وقوع پذیر ہوئے۔ ایک طرف پاکستان میں جمہوریت کا نفاذ ہوا اور جناب محمد خان جونیجو وزیر اعظم بنے دوسری طرف روس میں مسٹر گورباچوف کے بیان (جو حال ہی میں انہوں نے مغربی جرمنی کے سوشلسٹ لیڈر ولی برانٹ پر واشگاف کیا) کے مطابق وہ جنرل سیکرٹری بنتے ہی افغانستان سے روسی افواج کے انخلاء کا سوچ رہے تھے۔ یعنی اس وقت تک افغان مجاہدین نے روس سے اپنی مزاحمتی طاقت کا لوہا منوا لیا تھا اور انہیں پتہ لگ گیا تھا کہ نہ افغان ہتھیار ڈالنے والے ہیں نہ پاکستان ان کی مدد سے ہاتھ اٹھانے والا ہے اور نہ افغانستان میں کمیونسٹ نظام اسلام کی جگہ لے سکتا ہے۔ اسی لئے انہوں نے مسئلہ افغانستان کو "رستا زخم" قرار دیا پھر دسمبر 1987ء میں امریکی روسی سربراہی کانفرنس کے بعد کہا کہ وہ ایک سال کے اندر اندر روسی افواج کو واپس بلالیں گے اور بالآخر 8 فروری 1988ء کو انخلاء کے لئے 15 مئی کی تاریخ مقرر کر دی اور اگرچہ انہوں نے اس تاریخ کو جنیوا معاہدات پر 15 مارچ تک دستخط کی شرط لگادی لیکن پاکستان کے عبوری حکومت کے قیام کے معاہدے سے الگ کرنے کے باوجود " سمٹری " (یعنی امریکہ اور روس کی طرف سے علی الترتیب افغان مجاہدین اور نجیب حکومت کی بندش یا فراہمی اسلحہ کے جھگڑے نے اس تاریخ کی پابندی کو ناممکن بنا دیا مگر مسٹر گورباچوف نے نہ صرف امریکہ کے سمٹری کے مطالبے کو منظور کر لیا بلکہ انخلاء کی 15 مئی کی تاریخ نہ بدلی۔ حالانکہ شروع میں انہوں نے کہا تھا کہ اگر معاہدات پر 15 ماچ تک مہر توثیق نہ ثبت کی گئی تو انخلاء میں بھی اتنی ہی تاخیر ہو گی۔ با الفاظ دیگر 15 مئی کی تاریخ قائم نہ رہ سکے گی۔ سوال یہ ہے کہ

Marfat.com

کیا 1985ء میں جمہوری حکومت کے قیام کے بعد پاکستان کے مؤقف میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی؟ بظاہر آواخر اکتوبر 1987ء تک حکومت کی پالیسی میں کوئی تبدیلی اور نہیں آئی اور یہی معلوم ہوتا تھا کہ وزیراعظم جونیجو بدستور صدر ضیاءالحق کی افغان پالیسی چلا رہے ہیں لیکن جب یکایک وزیر خارجہ صاحب زادہ یعقوب خان کی برخاستگی عمل میں آئی (اور آج تک ان کی علیحدگی کی کوئی سرکاری توجیہہ نہیں دی گئی) تو یہ نتیجہ اخذ کرنا ناگزیر ہو گیا کہ خارجہ پالیسی میں کچھ فرق پڑنے والا ہے اور ہو نہیں سکتا کہ ایک وزیر خارجہ جس نے چھ سال جنیوا مذاکرات کے مراحل طے کئے ہوں آخری مرحلے کے لئے بغیر کسی وجہ اور علت بتائے ملک اس کی خدمات سے محروم کر دیا جائے تو اس کے پیچھے کچھ محرکات کارفرما ہوں چونکہ صاحب زادہ یعقوب خان صدر ضیاءالحق سے منسلک رہے تھے اور انہی کے مقرر کردہ وزیر خارجہ تھے۔ ان کی تبدیلی کا یہی مطلب لیا گیا کہ وزیراعظم مکمل طور پر امور خارجہ اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں' جس کا مزید یہ مطلب لیا گیا کہ وہ صدر ضیاءالحق کی افغان پالیسی میں قدرے لچک پیدا کرنا چاہتے ہیں چنانچہ یہ لچک پیدا ہوئی اور اسکا بھرپور نظارہ مسٹر گورباچوف کے 8 فروری کے اعلان انخلاء کے وقت ہوا۔ حکومت کے اقدامات سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ مسٹر گورباچوف کے دستخط کے لئے مقررہ کردہ تاریخ 15 مارچ پر تلی ہوئی ہے۔ اور اپنے فیصلے کے لئے عوامی حمایت حاصل کرنے کی خواہاں ہے کیونکہ اگر عوام کی تائید بلکہ اس کے جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کے مطالبات کا مظاہرہ ہو سکے' تو صدر ضیاءالحق کا افغان پالیسی پر رہا سہا زور ٹوٹ جائے گا' چنانچہ اس ہدف کو پانے کے لئے مسٹر گورباچوف کے اعلان پر پہلے پارلیمنٹ کو مشورے کے لئے بلایا گیا پھر اپوزیشن کے راہنماؤں کا دو روزہ اجلاس کیا گیا اور بعدازاں صوبہ صوبہ ملک کے دانشوروں سے مشاورت کی۔ یوں معلوم ہوا کہ جہاں حکومت جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کے لئے بے تاب ہی نہیں بلکہ عوامی تائید کے حصول میں سرگرم عمل ہے' وہاں صدر مملکت اس رائے کے دھارے سے کٹے جا رہے ہیں۔ اس عمل مشاورات کا نقصان یہ ہوا کہ مخالف پارٹی کو معلوم ہو گیا کہ پاکستان جنیوا معاہدات پر دستخط کرنے کو تیار ہے اور ہم نرم نظر آئے اور ہمارے پاس سودے بازی کی کوئی گنجائش نہ رہی اسے ہمارے سب پتوں کا علم تھا۔ روسی افواج کے انخلاء کے بعد ہماری اہم ترین ضرورت عبوری حکومت کا قیام تھی۔ عبوری حکومت اس لئے ضروری نہ تھی کہ پاکستان نجیب حکومت کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کے بغیر افغان مہاجرین کی مراجعت وطن ممکن نہیں تھی۔ اب ہماری اس ضرورت کی تسکین ہوئی؟ ہم نے مذاکرات چلانے کے لئے عبوری حکومت کے مطالبے کو معاہدات سے ڈی لنک یعنی الگ کر دیا اور اپنا مؤقف امریکہ کے مطالبے سمٹری پر استوار کر لیا جس کا مطلب ہے کہ طرفین کو یا تو فراہمی اسلحہ جاری رہے یا بندش اسلحہ ہو یوں نہ ہو جیسا کہ معاہدات کا تقاضا ہے کہ امریکہ روسی افواج کے انخلاء کے بعد افغان مجاہدین کو اسلحہ دینا بند کرے گا۔ اب یہ ہے کہ جہاں روس امریکہ کے سمٹری کے مطالبے کو مان گیا ہے وہاں عبوری حکومت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا ہے یعنی اسے مسٹر کارڈووبز پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ذاتی حیثیت میں افغان دھڑوں سے مل کر مخلوط حکومت بنانے کی کوشش کریں گے ان معاہدوں اور مفاہمتوں کا نچوڑ یہ ہے کہ پندرہ مئی سے

Marfat.com

روسی فوجیں نکلنی شروع ہو جائیں گی۔ پاکستان اور افغانستان ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کا عہد کریں گے۔ افغان مہاجرین کے باعزت و بحفاظت وطن واپس جانے کا انتظام ہو گا۔ ان معاہدات پر عملدر آمد کی امریکہ اور روس ضمانت دیں گے۔ معاہدات کے باہر جہاں امریکہ اور روس میں سمٹری پر یہ سمجھوتہ ہوا ہے کہ دونوں طاقتیں اپنے اپنے حلیفوں کو فراہمی اسلحہ کی مجاز ہوں گی تو وہاں عبوری حکومت کے قیام کو مسٹر کارڈوویز کے ذاتی اثر ورسوخ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب عبوری حکومت کے متعلق میں متعدد بار عرض کر چکا ہوں کہ یہ بیل اس طرح منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ہاں اگر روس کی دعوت پر اقوام متحدہ انہیں اس کام پر سرکاری طور پر متعین کریں تو نتیجہ خیزی کی توقع ہو سکتی ہے ایسا کیوں نہیں ہوا؟ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ اوّل تو تیسرے معاہدے کی رو سے مہاجرین کی واپسی اس امر کی مقتضی ہے کہ کابل میں ایسی حکومت قائم ہو جس پر مہاجرین کو اعتماد ہو اور مہاجرین کی واپسی اتنی ہی اہم ہے جتنا روسی افواج کا انخلاء دوم اگر بالفرض محال یہ معاملہ تیسرے معاہدے کے تحت نہیں آتا تو بھی سمٹری کے معاملے کی طرح یہ بھی معاہدات کے باہر طے ہو سکتا تھا لیکن ایسا نہ کرا سکے کہ ہماری ترجیحات غلط تھیں یہی سمٹری دیکھئے اس سے ہمیں کیا ملا؟ کیا ہم معاہدے کی پابندی میں افغانستان کے معاملات میں عدم مداخلت کی شرط کو پورا نہ کریں گے؟ اور اگر عدم مداخلت کے مکلف ہوں گے تو امریکہ سے افغان مجاہدین کو بھیجا ہوا اسلحہ ان تک کیسے پہنچائیں گے؟ عدم مداخلت کا معاہدہ اور سمٹری کے طفیل افغان مجاہدین کو فراہمی اسلحہ آپس میں لگا نہیں کھاتے' مجھے تو سمٹری کا اطلاق یکطرفہ ہی نظر آتا ہے کہ روس نجیب حکومت کو اسلحہ فراہم کرنے میں آزاد رہے گا جیسا کہ وہ پہلے تھا اور امریکہ پاکستان کے توسط سے افغان مجاہدین کو اسلحہ نہ فراہم کر سکے گا۔ وزیر اعظم صاحب نے قوم سے خطاب میں فرمایا ہے کہ پاکستان نجیب حکومت کو تسلیم نہیں کرتا لیکن معاہدات میں ایک عدم مداخلت کے معاہدے پر تو صرف پاکستان اور افغانستان نے دستخط کئے تو افغانستان کی طرف سے کٹھ پتلی نجیب حکومت کے وزیر خارجہ عبدالوکیل نے اس طرح کیا ہم نجیب حکومت کو تسلیم کرنے کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ جب صدر ضیاء الحق نے کہا تھا کہ پاکستان نجیب حکومت سے جنیوا معاہدات پر دستخط نہیں کرے گا تو ان کے بیان کا مفہوم تھا کہ معاہدات کے تیار ہونے سے پہلے وہ روس سے عبوری حکومت کا قیام بروئے کار لا چکے ہوں گے لیکن اس وقت تو معاملہ ہی الٹ ہے' تو جہاں افغان مجاہدین نے پاکستان اور امریکہ کی مدد سے روسی فوجیوں کو بھگا دیا' وہاں مذاکرات کی میز پر مجاہدین کی جنگی فتوحات کا نقشہ نہیں جمایا جا سکا۔

دریں حالات فضا میں جنگ کے بادل چھائے ہوئے نظر آتے ہیں' ماسکو نجیب حکومت کی کیوں حمایت چھوڑنے لگا' مسٹر کارڈوویز ایک مخلوط حکومت بنانے کی اپنی سی سعی کریں گے۔ وہ مجاہدین سے ضرور رجوع کریں گے لیکن وہ پی ڈی پی اے کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے' بلکہ ماسکو چاہے گا کہ آئندہ کی حکومت نجیب کے ارد گرد بنے اور وہ اس میں مرکزی مقام کا مالک ہو' ایسے ماحول میں ظاہر شاہ بھی کوئی کردار ادا کرنا چاہیں گے اور شاید امریکہ اور روس کا ان کی شخصیت پر اجماع ہو جائے' غرض یہ کہ ایک

Marfat.com

ملغوبے کا سماں ہو گا جو افغان مجاہدین کے تاریخی جہاد کی پاکیزگی روح اور علوئیت مقصد کو منعکس نہ کر پائے گا اور اس تاریخ کا سنگ میل نہ بن سکے گا جس میں پاکستان اور افغانستان ایک مقام علیا پر متمکن ہوتے نظر آئیں' اور یہ تشنگی یہ خلاء محض اس لئے پیدا ہو رہا ہے کہ ہم نے اعلیٰ سیاست سے منہ موڑ کر ذاتیات کی سیاست اختیار کر لی۔ امریکہ اور روس کو یہ ڈگر خوب راس آئی کہ دونوں افغانستان میں اسلامی حکومت سے الرجک ہیں' انہیں اسلامی شاہراہ کس طرح سازگار ہو سکتی تھی! افغان مجاہدین کے لئے تو اپنا مشن پورا کرنے کے سوا کیا رہ گیا ہے' لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کا جہاد کتنا طویل ہو گا۔ اس پس منظر میں خدا معلوم مہاجرین کیسے واپس جائیں گے۔ بہرحال ہم نے دینی و دنیوی کامرانی کا ایک زریں موقع کھو دیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج خوشی کا دن ہے یا غم کا' ایک طرف ایک سپر پاور کو ہرانے کا معجزہ رونما ہوا ہے تو دوسری طرف اس معجزے کی روشنی کو گہنانے کا دلخراش منظر ہے۔ روسی افواج کے انخلاء سے افغانستان میں ایک قسم کی آزادی کی صبح تو طلوع ہوئی ہے لیکن وہ۔

ع  یہ داغ داغ اُجالا' یہ شب گزیدہ سحر

کی تصویر ہے۔ اس میں افغان مجاہدین کے تاریخ ساز کارناموں اور پاکستان کی بے بہا قربانیوں کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ پاکستان کے مستقبل کے رول کے متعلق تو کچھ کہا نہیں جا سکتا لیکن افغان مجاہدین کے مقدر میں جنگ جاری رکھنا نظر آتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

# نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

ابھی معاہدے جنیوا پر دستخط ہوئے چند ہی دن ہوئے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دستخطوں پر روشنائی خشک نہ ہونے پائی تھی ' اور ہر سو تحسین و مرحبا کے ڈونگرے برسائے جا رہے تھے۔ معاہدے کی کامیابی کا کریڈٹ تقسیم ہو رہا تھا۔ وزیر مملکت زین نورانی ' وزیر اعظم جونیجو کی فراست آفرین رہنمائی کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھے اور وزیر اعظم وزیر مملکت کی ذہانت و فطانت کی داد دے رہے تھے۔ سرکاری میڈیا ' ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے "خیر مقدمی" تبصرات سرکاری میڈیا کا معمول و مصرف ہی یہ ہے کہ حکومت کے ہر اہم اقدام کو سراہنے کا فریضہ ادا کرے لیکن اس بار "معاہدہ جنیوا۔ خیر مقدم" کے عنوان کا تعین موضوع کی غیر معمولی اہمیت کا مظہر تھا کہ اس شائبے کا امکان ہی نہ چھوڑا گیا کہ اس پیش رفت میں کسی قابل تنقید سقم کا دخل ہو سکتا ہے جس کا گمان مجرد لفظ تبصرہ سے پیدا ہو سکتا تھا ) کا سلسلہ رفتار پکڑ ہی رہا تھا کہ صدر ریگن کے منفی بیانات کے دھماکے ہونے شروع ہو گئے۔ پہلے تو صدر صاحب موصوف نے یہ فرمایا کہ معاہدے کا افغانستان میں جنگ سے کوئی تعلق نہیں ' وہاں تو افغان مجاہدین موجودہ کابل حکومت کے خلاف جہاد جاری رکھیں گے اور ہم نے روسیوں سے ہمسری کا اصول اسی لئے طے کروایا ہے کہ ہم مجاہدین کی مدد جاری رکھیں۔ پھر انہوں نے ایک مفصل تقریر اور جائزے میں اس شبے کا برملا اظہار کیا کہ روسی معاہدے کے مطابق نکلتے بھی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ پچھلے تیس سال میں تو کم از کم ایسا نہیں ہوا کہ جس ملک میں روسی افواج گھس گئی ہوں وہاں سے کبھی ان کا انخلاء بروئے کار آیا ہو اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ کابل میں جس انداز سے کام کر رہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی کٹھ پتلی حکومت کے مستقل

Marfat.com

قیام کا اہتمام کر رہے ہیں اور اسی منصوبے کے تحت پروگرام تیار کر رہے ہیں' اس لئے آئندہ تین ماہ کڑی نگرانی کرنی ہوگی۔ بہرحال ہم افغان مجاہدین کو بہرصورت امداد پہنچانے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے نجیب حکومت کو پاکستان میں دہشت پھیلانے اور اس کی سلامتی کو مخدوش بنانے کے لئے استعمال کرنے کا بھی ذکر کیا اور یہ اشارہ اوجڑی ڈپو کے قیامت خیز حادثے کی طرف معلوم ہوتا تھا۔ پاکستان کو خطرے کے پیش نظر صدر ریگن نے امریکہ کے اس ملک سے دفاعی معاہدے کی بطور خاص یاددہانی کرائی۔ صدر ریگن نے ان امور پر اتنا زور دیا ہے کہ وہ یہ کہنے سے بھی نہ ہچکچائے کہ اگر صورتحال یونہی تشویشناک رہی تو مغرب و مشرق کے تعلقات بھی بہتر نہ ہو سکیں گے۔

صدر ریگن کو بے شک افغانستان میں روس کی چال ڈھال کے متعلق بہت کچھ پتہ ہوگا۔ امریکہ کے پاس ایسے ذرائع مواصلات ہیں کہ دوسرے ملکوں کے متعلق بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں اور انہی معلومات کی بنا پر انہوں نے ماسکو سربراہی کانفرنس سے تھوڑے ہی دنوں پہلے ایسا سخت بیان دیا جو اس کی کارروائی پر اثر انداز ہو سکتا معاہدے کی اصلیت کو آشکارہ کرنے کے لئے کسی خاص علم کی ضرورت بھی نہ تھی۔ عام طور پر معاہدے اور سمجھوتے صلح امن کے پیامبر و آلہ کار ہوتے ہیں لیکن جنیوا معاہدہ پر دستخط کرتے وقت ہی ہر پارٹی کو معلوم تھا کہ افغانستان میں جنگ جاری رہے گی یعنی جس مسئلے کو حل کرنے کے لئے چھ سال تک جنیوا مذاکرات منعقد ہوئے' وہ مسئلہ بدستور لاینحل رہا۔ افغانستان میں امن قائم کرنے کی کوئی امید نہ بندھی اور جس بات پر معاہدہ ہوا ہے یعنی روسی افواج کا انخلاء' اس کے متعلق شک وشبہ کا بیان آپ نے صدر ریگن کی زبان اور سطح پر سن لیا۔ دراصل بنیادی مسئلہ سامنے ہی نہ لایا گیا بنیادی مسئلہ افغانستان میں روسی افواج کی موجودگی نہ تھا' بنیادی مسئلہ اپریل 78ء میں کابل کا روس میں ظاہر شاہ کے ٹرینڈ کروائے ہوئے فوجی افسروں کی مدد سے ثور (سوشلسٹ) انقلاب تھا جس کے پیچھے روسی کمیونزم کی پیدا کردہ پرچم اور خلق کی حقیر اقلیتی جماعتیں تھیں۔ افغان مجاہدین جو افغانستان میں بڑی بھاری مسلم اکثریت کی نمائندگی کرتے تھے' نے ترکئی اور اس کے بعد حفیظ اللہ امین کے خلاف ہی علم بغاوت اٹھالیا تھا۔ وہ مسلم افغانستان میں کمیونسٹ نظام کے تسلط کے خلاف تھے۔ روسی افواج ببرک کارمل کو لے کر ڈیڑھ سال بعد اس لئے کابل میں داخل ہوئیں کہ ترکئی اور امین افغانوں میں کمیونزم مقبول کرانے میں ناکام ہوئے اور ان کی حکومتیں غیر مستحکم رہیں۔ چنانچہ کابل میں کمیونسٹ حکومت کو مستحکم کرنے کی ماسکو کو براہ راست ذمہ داری لینی پڑی اور اس کیلئے روسی افواج کی سرپرستی اور مدد کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس طرح روسی افواج کے انخلاء کا مسئلہ ظہور پذیر ہوا۔ لیکن جہاں تک افغان مجاہدین کے جہاد کا تعلق ہے وہ کمیونسٹ حکومتوں کے خلاف 78ء سے ہی شروع ہو گیا تھا البتہ روسی افواج کی آمد پر ان کا مشن سنگین تر ہو گیا۔ نہ صرف انہیں میدان جنگ میں اترنا پڑا بلکہ لکھو کھا افغانوں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ تو آپ دیکھیں

Marfat.com

گے کہ افغان مجاہدین کے نقطہ نظر سے کابل میں کمیونسٹ حکومت کا قیام' وہ ترکئی کی ہو یا امین کی' کارمل یا نجیب کی' بنیادی مسئلہ ہے اور جب تک وہ حکومت ختم نہیں ہوتی' مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

اب بے شک پاکستان نے کابل میں ثور انقلاب کی حکومتوں کے ادل بدل کا تب کہ نوٹس لیا جب روسی سنگینوں کے جلو میں ببرک کارمل کا ظہور ہوا اور پاکستان نے بجا طور پر یہ مؤقف اختیار کیا کہ روسی فوجوں کا افغانستان پر قبضہ کھلی جارحیت ہے اور نہ صرف کابل میں ماسکو کی قائم کردہ حکومت ناقابل تسلیم ہے بلکہ اس جارحیت کا فوری انخلاء ہونا چاہئے' تو منطقی طور پر جب جنیوا مذاکرات کا عمل شروع ہوا تو اولین مسئلہ روسی افواج کا انخلاء ہی ہو سکتا تھا۔ فوجوں کے دسمبر 79ء میں دخول سے پہلے کا 78ء میں ثور انقلاب ان مذاکرات کا موضوع نہ بن سکتا تھا۔ گویہ بات بالکل واضح تھی کہ اگر روسی افواج کا انخلاء ہو جائے تو ان کی قائم کردہ کمیونسٹ حکومت بھی گر جائے گی اور میدان افغان مجاہدین کے لئے صاف ہو جائے گا پاکستان کے نقطہء نگاہ سے دوسرا اہم مسئلہ تیس لاکھ سے اوپر افغان مہاجرین کی مراجعت وطن تھی جو اسی صورت میں ممکن تھی کہ ایک طرف روسی افواج افغانستان سے نکلیں تو دوسری طرف کابل میں ایسی جمہوری حکومت قائم ہو جس پر مہاجرین کو اعتماد ہو۔ امریکہ اور روس کا مذاکرات سے براہ راست تعلق نہ تھا' وہ صرف مذاکرات کے نتائج کے ضامن بن کر سامنے آئے' اور امریکہ تو اس سودے میں محض روس کے اصرار پر داخل ہوا کہ جب ماسکو نے دیکھا کہ فوجی طور پر افغانستان پر قابو پانا ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہا ہے اور افغان مجاہدین کی مزاحمتی طاقت جس کی پشت پر امریکی اسلحہ کی امداد ہے' روسی پیش قدمی کے آڑے آ رہی ہے تو اس نے واشنگٹن کو اس امر پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ اگر روس افغانستان سے نکل جائے تو اس ملک کے اندرونی معاملات میں خارجی مداخلت نہ ہو گی یعنی افغان مجاہدین کو امریکی اسلحہ کی فراہمی بند ہو جائے گی۔ کچھ لیت و لعل کے بعد جب امریکہ کو یقین ہو گیا (گو ابھی واپسی کی تاریخ کا تعین نہ ہوا) کہ روس افغانستان سے نکلنے کو تیار ہے تو وہ معاہدہ جنیوا کا ضامن بننے پر راضی ہو گیا۔

سو بظاہر پاکستان اور افغان مجاہدین کے موقف میں فرق نظر آتا ہے کہ جہاں افغان مجاہدین کابل میں ترکئی' امین' ببرک کارمل اور نجیب اللہ کی حکومتوں کے خلاف اس لئے نبرد آزما تھے کہ یہ حکومتیں مسلمان افغانستان پر کمیونسٹ نظام کے تسلط کے درپے تھیں اور اس کشمکش میں روسی فوجوں کا داخلہ اور قبضہ ان کی دشواریوں میں اضافے کا درجہ رکھتا تھا نا کہ ان کے جہاد کی نوعیت میں کوئی جوہری تبدیلی کا باعث تھا۔ وہاں پاکستان کی سفارتی کوششوں کا سلسلہ وہدف روسی افواج کے انخلاء تک محدود تھا لیکن جیسا کہ میں نے کہا یہ تمیز و تناز کا ظاہری فرق تھا ورنہ دونوں کا مقصود ایک تھا۔ گو افغان مجاہدین کا جہاد پاکستان کے عملی اقدام سے پہلے شروع ہوا تھا لیکن وہ مقصودیوں ایک اور مشترک تھا کہ اگر افغان مجاہدین کابل کی کٹھ پتلی حکومتوں کو بدلنا چاہتے تھے تو پاکستان کی بھی یہ ضرورت تھی کہ کابل میں ایسی حکومت قائم ہو جو ایک طرف افغان

Marfat.com

مہاجرین کی معتمد ہواور دوسری طرف پاکستان سے اسلامی برادرانہ راوبط قائم کرنے کی اہل ہواور ہمیں افغان مجاہدین کے علاوہ اس مقصد کے حصول کا کوئی اور مؤثر عامل نظر نہ آتا تھا۔ جن تصوّرات کی روشنی میں صدر ضیاء الحق نے تن تنہا ایک سچے ' کھرے ' بے لوث مجاہد کی طرح روس سے ٹکر لینے کی ٹھانی تھی ' وہ بہت عالی تھے۔ ان کے سامنے دو چیزیں تھیں ایک تو یہ کہ اگر افغانستان روس کے قبضے میں آ گیا تو پھر پاکستان کی بھی خیر نہیں ' آج نہیں تو کل روس کا قدم پاکستان پر پڑے گا جس سے شرق اوسط کا نقشہ بدل جائے گا اسی لئے صدر محترم نے بار بار کہا کہ افغان مجاہدین افغانستان کی نہیں پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دوسری حقیقت یہ تھی کہ شروع دن سے پاکستان اور افغانستان میں وہ تعلقات پیدا نہ ہوئے تھے۔ جو دو مسلم ہمسایہ ملکوں کے شایان شان ہوں۔ جبکہ جغرافیائی ' تہذیبی ' مذہبی اور نسلی و لسانی بنا پر دو ملکوں کو ایک مٹھی کی طرح اکٹھا ہونا چاہیے تھا۔ اس تاریخی پس منظر کی وجوہات کچھ بھی ہوں لیکن یہ ایک تلخ حقیقت تھی جو کانٹے کی طرح دل میں پھنسی ہوئی تھی لیکن افغانستان میں بزور شمشیر روسی کیمونسٹ نظام کا تسلّط اسلام اور اسلامیان افغانستان کے لئے ایک گھمبیر چیلنج بن گیا کہ اس کے مقابلے کے لئے ایسے مجاہدین عناصر کا ابھرنا لابدی ہو گیا جو اعلائے کلمتہ اللہ کو مقصد حیات گردانتے تھے اور جن کی نظروں میں مسلمانوں میں جغرافیائی ' نسلی ' لسانی اختلافات ہیچ تھے اور جو حقیقی معنوں میں جمال الدین افغانی کے اتحاد اسلام کے پیام کے علمبردار تھے۔ چالیس سالہ ظاہر شاہی دور ( جس میں افغان حکومت نے پاکستان کی اقوام متحدہ کی رکنیت کے خلاف ووٹ دیا تھا ) جو نیمے دروں نیمے بروں سیکولر اور قبائلی نظام کا امتزاج تھا اور اسلامی عصبیت سے عاری تھا کہ سرکاری افغانستان پاکستان کے خلاف پختونستان کا پراپیگنڈا کراتا اور ہندوستان کو گلے سے لگاتا تھا اس سے ملک میں روسی اثر و رسوخ کے نفوذ کا راستہ ہموار کیا۔ اس دور کی سنگلاخ زمین سے کیمونسٹ نظام کے تسلّط کے خلاف اسی خمیر کی ایسی عظیم الشان تحریک اٹھی جس خمیر سے تحریک پاکستان اٹھی تھی۔ یہ ایک خیرہ کن منظر تھا جس کے دور رس مؤثرات صدر ضیاء الحق نے فوراً بھانپ لئے۔

افغان مجاہدین کی امداد سے روسی افواج کی یورش کا مقابلہ ہوتا تھا تو ان کی کامیابی سے افغانستان میں ایک ایسی اسلامی حکومت کے قیام کا امکان پیدا ہوتا تھا جس سے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات گہرے ہوتے اور باہمد گر وہ علاقے میں ایک مستحکم قلعے کی صورت نظر آتے۔ پاکستانی قوم کے لئے صدر ضیاء الحق کی آواز پر لبیک کہنا فطری تھا کہ کیا یہی برِ صغیر کی اس مسلمان قوم کا حصہ نہ تھا جس نے دور افتادہ ترکوں کے لئے ایسی خطہ گیر تحریک خلافت چلائی۔ جس کی اس سے پہلے ہندوستان میں نظیر نہ ملتی تھی۔ تحریک خلافت کا سارا زور مسلمانان ترکی کے لئے جذبہ اخوت و ہمدردی پر مبنی تھا حالانکہ اس کا سیاسی ہدف مبہم تھا۔ بے چارے مسلمان انگریزوں کے غلام تھے اور وہ بین الاقوامی سیاست میں کیا اثر رکھ سکتے تھے ' لیکن یہ اس تحریک کا صدقہ ہے کہ آج تک ترک مسلمانان پاکستان سے غیر معمولی تعلق خاطر محسوس

Marfat.com

کرتے ہیں مگر اب تو صورت ہی دوسری تھی ۔ پاکستان آزاد ملک ہے اور افغانستان ہمسایہ ملک ہے اور اگر افتاد پڑتی ہے تو ہم پاکستان میں اس سے ہرگز غیر متاثر نہیں رہ سکتے ۔ افغانستان پر روسی قبضہ پاکستان پر جارحیت کے مترادف ہے اس لئے صدر ضیاء الحق اور پاکستانیوں کو افغان مجاہدین اور مہاجرین کی مدد پر کھڑا کرنا بالکل مشکل نہ تھا۔ افغان مجاہدین کے ہاتھوں روسی افواج کو شکست سے جارحیت کا ادبار افغانستان سے ہی نہیں اٹھتا بلکہ وہ پاکستان کے لئے بھی اطمینان کا سانس فراہم کرتا ہے نیز کابل میں افغان مجاہدین کے توسط سے جو اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے اور افغانستان و پاکستان کو یک جان دو قالب بناتی ہے ۔ اس سے اردگرد کی طاقتوں کو بھی کان ہوتے اور علاقے میں امن کا سامان پیدا ہوتا کہ اس پیش رفت میں قوموں کی خود ارادیت کے اصول کے قیام کا راز مضمر ہوتا ۔ اس پختہ ہم نظریاتی و ہم خیالی کی بنیاد پر دونوں ملک خودداری اور خود اعتمادی سے اپنے دور حاضرہ کے مسائل کا سامنا کر سکتے ہیں اور عالمی برادری میں اپنے لئے ایک مقام بنا سکتے ہیں ۔ یہ تھے تصورات جن پر صدر ضیاء الحق کی پامردانہ اور آزاد اسلامی حمیت کی خارجہ حکمت عملی کی بنا پڑی ۔

جس کامیابی سے یہ حکمت عملی چلائی گئی اس کا اثر و نفوذ نزدو دور محسوس ہوا ۔ افغان مجاہدین نے بے مثال قربانیاں دیں تو بے مثال فتوحات بھی حاصل کیں ایک سپر پاور کا علی الاعلان اپنے مقبوضہ ملک سے مراجعت پر مجبور ہو جانا معمولی کارنامہ نہیں تاریخ میں ایسا کم ہی ہوا ہے لیکن

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات

افغان مجاہدین کی کامیابیوں اور پاکستانیوں کے بے بہا ایثار کا نتیجہ کیا نکلا؟ جنیوا مذاکرات کا آخری فیصلہ کن دور ان تصورات کی روشنی میں منعقد ہوتا نظر نہیں آتا ۔ جن تصورات کے صدقے وہ اس مرحلے تک پہنچا تھا ۔ بے شک اب صاحبزادہ یعقوب خان وزیر خارجہ نہ رہے تھے ۔ اور وہ شامل مذاکرات نہ تھے اور ان کی جگہ وزیر مملکت زین نورانی نے لے لی تھی لیکن مذاکرات کا سماں یوں اتنا بدل گیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب مسئلہ ہی کچھ اور در پیش ہے جس کے حل کے لئے نئے تصورات کی ضرورت ہے ۔ یہ تصورات اس درجہ اشخاص سے متشخص ہوتے ہیں ۔ کہ اشخاص کے بدلنے سے تصورات کی ہیئت ہی بدل جاتی ہے ۔ اس دور مذاکرات سے صاحبزادہ یعقوب خاں ہی غائب نہ تھے بلکہ پاکستان کے دو مطالبات بھی غائب تھے ۔ ایک مطالبہ تو عبوری حکومت کا قیام تھا اور اسی حکومت کو فوری طور پر برسر کار لانے کے لئے دوسرا مطالبہ تھا کہ نجیب حکومت فوراً بدل جائے تا کہ صدر ضیاء الحق کے اعلان کے مطابق پاکستان معاہدہ جنیوا پر حکومت کے ساتھ دستخط کرنے کی خفت نہ اٹھائے ۔ اب جہاں عبوری حکومت کا مطالبہ معاہدے پر دستخطوں سے ڈی لنک ( Delink ) کر دیا گیا وہاں نجیب حکومت کے وزیر خارجہ کے آمنے سامنے بیٹھ کر معاہدہ پر دستخط کر دیئے گئے ۔ یعنی مذاکرات تو بالواسطہ تھے لیکن دستخط بلاواسطہ

Marfat.com

کئے۔ ایں چہ بوالعجبی است! پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا' اب ہم ایسی غیر حقیقت پسندانہ فضامیں داخل ہوتے ہیں' جس کا اصول و حصول سے کوئی تعلق نہیں۔ اولاً ہم عبوری حکومت کو معاہدے سے الگ کر دیتے ہیں حالانکہ پچاس لاکھ سے اوپر پاکستان وایران سے افغان مہاجرین کی واپسی وطن کا اس پر دارومدار ہے لیکن سمٹری (امریکہ اور روس کا اپنے اپنے حلیفوں کو فراہمی اسلحہ یا بندش اسلحہ کا معاملہ) پر زور دار مؤقف اختیار کر لیتے ہیں کہ جب تک اسے نہیں مانا جاتا۔ پاکستان معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا۔ لطف تو یہ ہے کہ پاکستان میں مسئلہ افغانستان کے ضمن میں اس چڑیا موسوم سمٹری کا کبھی ذکر نہ سنا گیا تھا اور اس پر کبھی پبلک میں کوئی بحث و مباحثہ نہیں ہوا تھا۔ سمٹری خالصتاً امریکی ایجاد و اصطلاح ہے اور وہ مارچ کے اواخر واشنگٹن میں امریکی روسی وزرائے خارجہ کی ملاقات کے بعد زبان زد عام ہوئی تھی۔

سچی بات تو یہ ہے کہ جہاں تک امریکی انتظامیہ کا تعلق ہے وہ روس کے قطعی ہم خیال ہو گئی تھی کہ روسی افواج کے انخلاء پر عبوری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں اور جب عبوری حکومت پر تائید کے لئے زین نورانی مسٹر شلز سے ملنے واشنگٹن گئے تھے تو اپنا سا منہ لے کر واپس آ گئے تھے کہ سیکرٹری آف سٹیٹ نے ان سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ یہ تو بھلا ہو امریکی سینٹ کا کہ اس نے 77 مثبت ووٹوں سے انتظامیہ کو متنبہ کیا کہ وہ افغان مجاہدین کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے اور پاکستان پر معاہدے پر دستخطوں کے لئے دباؤ نہ ڈالے کہ مسٹر شلز نے مسٹر شیورڈ ناڈزے سے سمٹری کا سوال اٹھایا۔ افغان مجاہدین کو فراہمی اسلحہ کا تو مطالبہ کیا (حالانکہ معاہدے میں روسی افواج کے انخلاء کے بعد امریکہ پر مجاہدین کو فراہمی اسلحہ کی بندش) لیکن عبوری حکومت کا سوال ٹرخا گئے اور کہا کہ وہ مسٹر کارڈوویز اپنی ذاتی حیثیت میں طے کروائیں گے۔ اب ہم ہیں کہ عبوری حکومت کے لئے تو مسٹر کارڈوویز کی نجی دلالی پر قانع ہو گئے لیکن سمٹری پر اڑ گئے جو نہ صرف امریکی اختراع تھی بلکہ بیکار تھی کہ معاہدے کی رو سے جس پر ہم افغانستان سے دستخط کرنے والے تھے' پاکستان پر افغانستان کے معاملات میں عدم مداخلت کا اس حد تک اطلاق ہوتا تھا کہ مجاہدین ہمارے ملک کی سرزمین سے نجیب حکومت کے خلاف آواز نہ اٹھا سکتے تھے۔ سمٹری کا معاملہ بھی عجیب تھا ایک وقت تو روس نے اس کی اتنی شدید مخالفت کی کہ مسٹر شیورڈ ناڈزے نے صوفیہ میں یہاں تک کہہ دیا کہ ہمیں امریکہ کو ضامن بنانے کی ضرورت نہیں ہم براہ راست پاکستان سے عدم مداخلت کا معاہدہ کر لیں گے کہ آخر کار امریکی اسلحہ نے اسی ملک کے راستے افغانستان پہنچنا ہے (اس بیان پر میں نے فوراً لکھا تھا کہ ہمیں ماسکو کی پیشکش مذاکرات قبول کر لینی چاہئے اور اس سے براہ راست عبوری حکومت کے قیام کے لئے بات کرنی چاہئے) لیکن ان سپر پاورز کے پینتروں کا پتہ نہیں لگتا ——— کہ وہ ہر روز نئی شان بان میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ماسکو نے ایک دو روز بعد ہی سمٹری کا امریکی مطالبہ مان لیا لیکن یہ مطالبہ تبھی مانا گیا جب پاکستان نے اسے منوائے بغیر معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا

Marfat.com

تھا۔ مطالبہ امریکہ نے کیا تھا لیکن وہ پاکستان کے زور پر مطالبہ کر رہا تھا ورنہ اگر پاکستان معاہدے پر دستخط کرنے کو تیار ہوتا (جیساکہ شیوارڈناڈزے چاہتا تھا) تو امریکہ کچھ نہ کر سکتا اور سمٹری دھری کی دھری رہ جاتی۔ سوال یہ ہے کہ ہم نے سمٹری پر اتنا کیوں زور دیا خصوصاً جب ہمیں اس سے کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ یعنی ہم امریکی اسلحہ وصول تو کر سکتے تھے لیکن معاہدے کے تحت عدم مداخلت کے اصول کے مطابق اسے افغان مجاہدین کو پہنچا نہ سکتے تھے تو ان کا کسی اوجڑی کیمپ میں ذخیرہ کرنے کا فائدہ؟ اس کے برعکس اگر ہم کابل میں عبوری حکومت پر اصرار کرتے اور اس کے لئے معاہدے پر دستخطوں کے ضمن میں سمٹری منوانے کی لائن پر اپنی کلیدی پوزیشن استعمال کرتے تو ماسکو سے کچھ ٹھوس معاملہ کر سکتے۔ موجودہ وطیرے سے تو یہی بات الم نشرح ہوئی کہ ہم نے سب کچھ امریکہ کے کہنے پر کیا۔ اس موضوع میں تو پاکستان صاف امریکہ کا خیمہ بردار نظر آیا اور خود امریکی اخباروں نے لکھا کہ پاکستان نے دباؤ کے تحت دستخط کئے۔

خارجہ پالیسی ٹھیٹھ قومی مفاد کو تقویت دینے کے اقدامات پر مبنی ہوتی ہے اور حالات کے مطابق اس کے اہداف بدلتے رہتے ہیں۔ اس میں مسلسل تحرک کا عمل جاری رہتا ہے۔ اگر آپ پچھلے چند ہفتوں کی امریکی روسی ڈپلومیسی کا گراف بنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان کے داؤ پیچ اور چال ڈھال میں دن بدن فرق پڑا۔ مسٹر گورباچوف نے واشنگٹن سربراہی کانفرنس کے موقع پر ایک سال کے اندر اندر اپنی افواج واپس بلانے کے عندیہ کا اظہار کیا تو مسٹر شلز نے فوراً فرنٹ لوڈنگ Front loading کا فارمولا پیش کر دیا۔ افواج کی آدھی تعداد کا انخلاء پہلے تین ماہ میں ہونا چاہئے جس کا پہلے کوئی ذکر اذکار نہ تھا۔ ۸ فروری کے اعلان انخلاء میں مسٹر گورباچوف نے مسٹر شلز کا مطالبہ تو تسلیم کر لیا لیکن ساتھ ۱۵ مارچ تک دستخطوں کی شرط لگا دی۔ سمٹری کا معاملہ اٹھایا گیا کہ دونوں سپر پاورز اپنے اپنے حلیفوں کو فراہمی اسلحہ بند کر دیں تو روس نہ مانا۔ مسٹر شلز نے تین ماہ کے التواء کی تجویز سامنے رکھی تو ماسکو نے اس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔ بعد امریکہ و پاکستان نے براہ راست معاہدہ کرنے کی دھمکی دی لیکن پھر خبر آئی کہ دونوں میں سمجھوتہ ہو گیا اور سمجھوتہ یہ ہوا کہ دونوں اپنی اپنی پارٹیوں کو فراہمی اسلحہ جاری رکھیں گے۔ بعد میں سننے میں آیا کہ دونوں فریقین فراہمی اسلحہ بند کرنے پر رضامند ہونے والے ہیں۔ ان تمام پیش رفتوں اور حرکات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خارجہ پالیسی کے تقاضے، خصوصاً جب جھگڑوں کو مصالحت کی میز پر طے کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو کس قدر کٹھن ہو سکتے ہیں اور ایسے مذاکرات میں ملک کی نمائندگی کا بوجھ اٹھانے والے حضرات کو کس قدر چاق و چوبند، زود فہم اور تیز نگاہ ہونا چاہئے اور اس اعصابی و نفسیاتی جنگ لڑنے کے لئے کس قدر مضبوط اعصاب، قلب مطمئنہ اور سخت موقف کا مالک ہونا چاہئے۔ قائداعظم (جنھوں نے مذاکرات سے ذریعے پاکستان حاصل کیا) نے فرمایا مفاہمت کی حد ہوتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہم نے جنیوا مذاکرات کی

Marfat.com

کھیل برابری کی سطح پر نہیں کھیلی۔ اوّل تو مشاورتی عمل سے ہم نے اپنے پتے مخالف پارٹی کو دکھلا دیئے۔ اگر ہم معاہدے پر دستخط کرنے پر تیار ہی ہو گئے تو سودے بازی کیا ہوتی! دوسرے کو کیا پڑی تھی کہ وہ خواہ مخواہ آپ کو مراعات دینے کو مائل ہوتا۔ پھر ہم نے دستاویزات کے تیار ہونے کے بہانے (اغلباً امریکہ کی شہہ پر) مسٹر گورباچوف کی مقرر کردہ پندرہ مارچ کی تاریخ تو گذار دی لیکن ساتھ ہی عبوری حکومت کا مطالبہ بھی چھوڑ دیا اور پھر سخت مؤقف لیا تو کس پر؟ سمٹری پر جو قطعاً ہمارا مسئلہ تھا ہی نہیں اور ہمارے نمائندے نے کہنا شروع کر دیا کہ جب تک سمٹری پر سمجھوتہ نہیں ہوتا پاکستان معاہدے پر دستخط نہ کرے گا۔ ہماری غیر حقیقت پسندی یہیں ختم ہو جاتی۔ معاہدے پر دستخط تو کئے نجیب حکومت کے وزیر خارجہ کے ساتھ، لیکن اعلان کر دیا کہ پاکستان اس حکومت کو تسلیم نہیں کرتا۔ وزیر مملکت زین نورانی بصد احتجاج وزیر خارجہ عبدالوکیل سے ہاتھ نہ ملائیں لیکن اس معاہدے نے افغانستان میں عدم مداخلت کے بارے میں پاکستان کو توکڑی شرائط کا پابند کر دیا' پھر کہا جارہا ہے کہ سمٹری کے تحت آمدہ امریکی اسلحہ مجاہدین کو پہنچایا جاسکتا ہے کہ پابندی تو کرائے کے سپاہیوں Mercenaries پر لاگو ہوتی ہے نا کہ مجاہدین پر، لیکن یو این کی شقیں جہاں سے اصطلاح لی گئی ہے کرائے کے سپاہیوں اور مجاہدوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھتیں۔ اب بھی مغربی جرائد مجاہدین کو گوریلوں اور باغیوں کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ اس استدلال سے مترشح ہوتا ہے کہ ہم خارجہ پالیسی کے اِدق معاملات کو کن کن توہمات پر محمول کرنے کے خوگر ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ہم اس وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ کیا ہوا اگر ہم نے عبوری حکومت کا مطالبہ ترک کر دیا' نجیب حکومت آج نہیں تو کل گرنے والی ہے۔ پھر کابل میں مجاہدین کی حکومت ہوگی۔ اب اس مفروضے کے دو پہلو ہیں۔ چونکہ ان خوش فہموں کے ذہنوں میں بھی نجیب حکومت کا زوال روسی افواج کے انخلاء سے پہلے نہیں ہو سکتا تو درمیانی نو مہینے کا انتظار تو برحق ہے' اس کے بعد نجیب حکومت کو ڈھانے میں کتنا وقت لگتا ہے وہ قیاسی معاملہ ہے۔ بہرحال ہم اس الیے پر راضی برضائے مولیٰ نظر آتے ہیں کہ حکومت کے قیام کے ضمن میں مزید افغان خون بہے گا۔ کیا حقیقت پسند' صلح اور معاہدہ کرانے والے ایسے خون آشام باب کی گنجائش رہنے دیتے؟ کیا انسانی حقوق کے پاسداروں کو بھی یہ خیال نہ آیا کہ خون ناحق بچانا کتنا ضروری ہے؟ معاہدہ جنیوا معاہدہ امن ہے یا طبلِ جنگ! دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس تاثر کی کمی نہیں کہ جہاں ماسکو اپنی افواج کو واپس بلانے پر مجبور ہو گیا حتیٰ کہ روسی زعماء نے ایک وقت یہ تک کہا کہ معاہدہ ہو یا نہ ہو روسی فوجیں افغانستان سے نکل جائیں گی۔ وہاں وہ اس امر کا بھی پورا انتظام کرتا کہ نجیب حکومت اپنے پاؤں پر کھڑی رہ سکے۔ یہ 21ء کے معاہدہ دوستی کے حوالے سے کابل کو فراہمی اسلحہ پر اصرار اسی انتظام کے تحت تھا جو سمٹری کے سمجھوتے پر ختم ہوا اور جس کے تحت مجاہدین کو اسلحہ ملے نہ ملے' نجیب حکومت کو اسلحہ ملتا رہے گا کہ ماسکو اور کابل کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں۔ ویسے بھی کابل کو اسلحہ کی کمی نہ

Marfat.com

ہوگی کہ روسی افواج اپنے سازو سامان کا بوجھ کابلی افواج پر ہی لاد کر جائیں گی۔ اپنی جگہ ماسکو کابل حکومت کی قوتِ مزاحمت سے کافی مطمئن ہے چنانچہ ایک نائب روسی وزیر خارجہ (پرامی کوف) نے واشنگٹن میں امریکی حکام کو بتلایا کہ 79ء میں روس نے افغانستان کے حالات کے متعلق فاش غلطی کی تھی لیکن اس وقت امریکہ افغانستان کے حالات کے متعلق فاش غلطی کر رہا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ نجیب حکومت ٹک اور ٹھہر نہ سکے گی۔

لندن گارڈین کے نامہ نگار کے مطابق کابل کے مغربی سفارتی حلقوں میں پی ڈی پی اے حکومت کی پہلے سے کہیں زیادہ قدر و منزلت ہے اور اسے یہ قدر و منزلت معاہدہ جنیوا کے طفیل حاصل ہوئی ہے کہ وہ اب ایک تسلیم شدہ مملکت ہے (ایسا اثر ہوا ہی ہوگا کہ پاکستان کے بائیں بازو والے معاہدے سے بہت خوش ہیں اور ولی خان تو اس پر عملدر آمد کرنے کے لئے ملک گیر مہم چلانے کا عزم رکھتے ہیں) نامہ نگار نے یہ بھی کہا کہ فرانسیسی حلقے تو معاہدہ جنیوا کے مؤثرات سے اتنے خائف ہیں کہ وہ اسے چھوٹے ( Mini ) یالٹا (دوسری جنگ عظیم کے بعد معاہدہ یالٹا کے ذریعے بڑی طاقتوں کے اثر و رسوخ کے دائروں پر سمجھوتہ ہوا تھا) کا نام دے رہے ہیں جس کے ذریعے ریگن انتظامیہ نے افغانستان کو روس کے حوالے کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ نے معاہدہ جنیوا کو افغان مجاہدین اور پاکستان کے نقطہ نظر سے دیکھا ہی نہیں۔ اس نے اسے شرق و غرب کے درمیان تعلقات استوار کرنے کا ایک آلہ کار سمجھا۔ واشنگٹن کو اس سے زیادہ کسی چیز سے غرض نہ تھی کہ روسی افواج افغانستان سے نکل جائیں تاکہ وہاں سے وہ خلیج کے لئے خطرہ نہ بن سکیں کیونکہ جیسا کہ صدر ریگن نے اپنی حالیہ مذکورہ بالا تقریر میں کہا کہ روس نے پاکستان اور ایران کی سرحدوں کے قریب ہوائی اڈے بنائے ہیں جو آبنائے ہرمز پر ہوائی حملہ کرنے کے کام آ سکتے ہیں۔ اور جب مسٹر گورباچوف کے اعلان انخلاء سے وہ خطرہ ٹل گیا اور مغرب کی تیل پر اجارہ داری مداخلت کے اندیشے سے محفوظ ہو گئی تو واشنگٹن کو اس سے واسطہ نہ رہا کہ کابل میں کیا ہوتا ہے اور افغان مجاہدین پر کیا بیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کابل میں میلے کا سماں ہے۔ معاہدہ جنیوا کے گن گائے جا رہے ہیں اس پر خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ ادھر "صدر نجیب اللہ" صدر ریگن سے مخاطب ہو کر افغانستان کے امریکہ سے تعلقات کو بہتر بنانے کا خواہاں ہو رہے ہیں ادھر انہیں وزیر اعظم راجیو کی طرف سے دہلی آنے کا دعوت نامہ آ رہا ہے اور وہ کابل میں اعلان کر رہے ہیں کہ روسی مشیر بدستور وہیں مقیم رہیں گے نیز مجاہدین سے نمٹنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ تو جیسا کہ امریکی محاورہ ہے نجیب کے لئے The party is not over ابھی اقتدار کی شام جوان ہے آپ ذرا سوچیں تو امریکہ نے بظاہر افغان مجاہدین اور پاکستان کی مدد کر کے افغانستان میں اپنا الو سیدھا کیا ہے کہ ان کے توسط سے روسی افواج کو تو نکلوا دیا لیکن انہیں اس سے مزید خون

Marfat.com

خرابے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ امریکہ اور روس کے تعلقات میں صرف اسی بنا پر گرمجوشی آئی کہ روسی افواج کے انخلاء سے خلیج کے متعلق مغربی خدشات کافور ہوگئے اور درمیانی میزائلوں پر معاہدے کے بعد دور مار کرنے والے میزائلوں میں کٹوتی کا مسئلہ بھی حل کے تحت آ گیا بلکہ اس بنا پر بھی آپس میں ہم خیالی و اختلاف بڑھا کہ کابل میں اسلامی حکومت قائم نہ ہوئی۔ دونوں "بنیاد پرستوں" سے الرجک ہیں۔ روس تو الرجک ہوگا کہ اس کا اپنا کمیونسٹ نظام ہے جس کے تسلط و نفاذ کے لئے اس نے افغانستان میں فوجیں بھیجیں لیکن امریکہ اسی لئے الرجک نہیں کہ اس کا ایرانی اسلامی انقلاب سے پالا پڑا بلکہ اس لئے بھی کہ دنیائے اسلام سے انتقام اور انقلاب کے بارود کی بو آتی ہے فلسطین میں اسرائیل کا خنجر گھونپنے کے عواقب میں اسے کل کوئی حادثہ نہیں کہ اب سعودی عرب جیسی معتدل مملکتوں کے امریکہ سے تعلقات خوشگوار نہیں رہے اور ان میں روس کی طرف سے جھکاؤ بڑھ رہا ہے۔ درحقیقت امریکہ کسی مسلم ملک کے حقیقی طور پر طاقتور بننے کا روادار نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے وہ پاکستان کو ایٹمی طاقت بنتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لئے امریکہ نے روس پر عبوری حکومت بنانے کے لئے زور نہیں دیا کہ ایسی کوشش سے ایک اسلامی حکومت ہی برآمد ہوسکتی ہے۔

معاہدہ جنیوا کا یہ تو معجزہ ہے کہ بین الاقوامی طور پر ایک سپر پاور نے اپنی بہت بڑی فوج ایک چھوٹے ملک سے نکالنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے لیکن اس معجزے کا دوسرا پہلو بھی ہے کہ اس طرح روس افغان مجاہدین کے ہاتھوں اپنی شکست فاش پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا اور اس پردہ پوشی کا بین ثبوت یہ ہے کہ معجزہ کرنے والے مجاہدین یعنی روسی افواج کو شکست دینے والے مجاہدین اس کمیونسٹ نظام حکومت کو اب تک نہ ہلا سکتے جس کے خلاف انہوں نے 78ء میں علم جہاد بلند کیا تھا۔ اس قبیل کی حکومت ہنوز قائم ہے۔ عبوری حکومت کے قیام میں امریکہ کی سرد مہری کا وطیرہ تو اس کے نظریاتی سیاسی محرکات کی بنا پر قابل فہم ہوسکتا ہے لیکن اس معاملے میں پاکستان کیوں ڈھیلا پڑ گیا؟ سوال یہ ہے کہ جب وزیراعظم نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جو اقدام لیں گے قوم و ملک کے بہترین مفاد Supreme Interest. میں ہوگا اور اس مفاد کی واشگاف نشاندہی ہوئی تھی کہ افغان مہاجرین کی خاطر کابل میں عبوری حکومت کا قیام اشد ضروری ہے تو پھر وزیر مملکت زین نورانی (جن کے بیان کے مطابق وہ لمحہ بہ لمحہ جنیوا میں وزیراعظم سے ہدایات وصول کرتے تھے) نے معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے عبوری حکومت کی شرط کیوں ترک کی؟ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں معاہدہ جنیوا کو بروئے کار لانے میں پاکستان ایسی کلیدی پوزیشن پر متمکن تھا کہ اس کے دستخطوں کے بغیر نہ امریکہ کچھ کر سکتا نہ روس۔ صورتحال یہ تھی کہ بظاہر تو روسی افواج کے انخلاء کے لئے پاکستان اور افغان مجاہدین کا مطالبہ تھا لیکن درحقیقت یہ امریکہ اور روس کی ناقابل گریز ضرورت تھی کہ جہاں امریکہ اپنے خلیجی مفادات کی خاطر روسی افواج کا انخلاء چاہتا تھا وہاں خود روس کے اندرونی معروضی حالات

Marfat.com

کا تقاضا تھا کہ فوری طور پر اس کی فوجیں افغانستان سے نکل جائیں یعنی انخلاء کے معاملے میں امریکہ اور روس پاکستان اور مجاہدین سے پیچھے نہیں' دو قدم آگے تھے اور ماسکو تو بار بار کہہ چکا تھا کہ معاہدہ ہو یا نہ ہو روسی فوجیں افغانستان سے نکل جائیں گی' تو پوچھنا یہ ہے۔۔۔ اور یہ ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں سے یہ سوال پوچھے۔۔۔ کہ ہمارے نمائندوں اور سفارت کاروں نے اس صورت حال سے کیوں فائدہ نہ اٹھایا؟ امریکی روسی حاجتوں کو کیوں ایکس پلائٹ نہ کیا؟ وہ کیوں عبوری حکومت پر اڑے؟

کیا اس طرز عمل کی یہ وجہ تھی کہ ہم پارٹیوں کے درمیان صحیح توازن Equation کو سمجھ نہ پائے تھے کہ کس پر انخلاء کا زیادہ دباؤ ہے یا اس کی وجہ ہماری سادہ لوحی تھی کہ ایک طرف تو ہم امریکہ کے اس دلاسے سے بہل گئے کہ نجیب حکومت چند دنوں کی مہمان ہے تو فکر کیوں اور دوسری طرف مسٹر کارڈوویز کے ذاتی مشن کے لالی پاپ سے شیریں دہن ہو گئے کہ وہ بقول وزیر مملکت خارجہ چھ ہفتوں کے اندر اندر کابل میں ایک نئی نویلی عبوری حکومت برآمد کر دیں گے۔ دونوں میں سے وجہ کچھ ہو' ہم ایک قاتل غلطی کے مرتکب ہوئے اور ہم اس کے مکافات سے بچ نہیں سکتے۔ جہاں ایک عبوری حکومت کے قیام سے نہ صرف افغان مجاہدین کا کمیونسٹ حکومت کے تسلط کے خلاف جہاد کامیاب انجام کو پہنچتا اور ایک اسلامی حکومت قائم ہوتی وہاں پاکستان کی کوششیں اور قربانیاں رنگ لاتیں اور اسے افغانستان میں ایک ہم نظر و ہم فکر برادرانہ ہمسایہ ملک ملتا جس سے مل کر وہ اس علاقے میں انتم الاعلون کا پرچم لہراتے۔ کاش ہمارے نمائندوں میں زیادہ دوررس دروں اور فراست ایقان ہوتی اور وہ ذرا ثابت قدمی' ہمت اور ضد کا رویہ اختیار کرتے اور اقبال کے اس حیات انگیز نکتے کو پیش نظر رکھتے کہ۔

اس دور میں سب مٹ جائیں گے باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی ضد پر ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

تو اس مرحلے سے فتح و کامران گذر جانا چنداں مشکل نہ تھا لیکن ہمارے تو اس ممکن مطالبے پر سمٹری' جو سراسر امریکی سیاست کا داؤ تھا اور اس پر ہمارا شور و غل مچانا تماشا نظر آتا تھا۔ نتیجہ ہمارے پاس کیا رہ گیا۔ افغان مہاجرین کی بے وطنی کہ وہ کابل میں ایک قابل اعتماد حکومت بننے تک اپنے ملک واپس نہیں جا سکتے اور افغان مجاہدین کہ ان کے لئے جہاد و جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں اور خدا جانے یہ امتحان کتنی دیر جاری رہے اور دریں اثناء نامعلوم کون کون سے ارکان و عوامل افغانستان کے پراگندہ حالات میں در آئیں۔ دہلی دخل در معقولات کے لئے بے چین ہے تو ماسکو نے پہلے ہی پاکستان کو یاد دہانی کرا دی ہے کہ وہ معاہدے کی تعمیل میں اپنے علاقے کو ان سازشی اور باغی عناصر سے خالی کروائے جو افغانستان کے خلاف مصروف پیکار ہیں اور یہ تو ابتدائے عشق ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

Marfat.com

یہ ترقی معکوس کیوں ہوئی؟ کیا شروع زمانے کے تصوّرات و محرکات ماند پڑ گئے اور اواخر زمانے کی حکمت عملیاں ان تصوّرات و محرکات کی روشنی سے مستنیز نہیں رہیں؟ بے شک تیس لاکھ سے اوپر افغان مہاجرین کا سال بسال زیادہ بوجھ محسوس کیا گیا' کابل ماسکو کی طرف سے بمباری' بم بلاسٹ نے سینکڑوں معصوم لوگوں کی جانوں کا شکار نہ کیا' تباہی نہ مچائی بلکہ ملک گیر دہشت پھیلائی اور روسی لابی کے ایجنٹوں نے پروپیگنڈہ کیا کہ یہ سب کچھ افغان مہاجرین کی موجودگی کی وجہ سے ہو رہا ہے اور اسی پراپیگنڈہ نے ڈرگ مافیا کا تصوّر ابھارا جس سے افغانوں کو ملوث کیا گیا۔ ایک طرف گنجان بوری بازار کے بیچوں بیچ بم پھٹے اور درجنوں شہری زخمی ہوں اور مارے جائیں اور دوسری طرف سہراب گوٹھ افغان بستی کو جرائم پیشہ لوگوں نے نشے کا اڈہ بنایا ہوا ہو تو یقیناً عوامی رائے افغانوں کے خلاف اٹھے گی لیکن ہماری تصوّراتی گراوٹ کا معاملہ اتنا سیدھا سادا نہیں ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں خود اپنی قومی ہیئت اجتماعیہ کا بھی تجزیہ کرنا ہوگا۔ پاکستان میں برصغیر کی مسلم قومیّت کا وہ حصہ بستا ہے جنھوں نے ہزار میل دور واقع ترکی کے عثمانیوں کی آزمائش کا اتنا دکھ محسوس کیا کہ خلافت جیسی عظیم الشان تحریک چلا دی اور قربانی اس حد تک دی جو کسی تحریک نے نہیں مانگی یعنی ہجرت اور ہزاروں مسلمان اونے پونے ہندوؤں کے ہاتھ اپنی جائیدادیں بیچ کر سوئے افغانستان روانہ ہوگئے۔ دوسرے مسلم ملک کے مسلمانوں کے لئے قربانی کی ایسی کوئی نظیر نہ ملے گی۔ پھر یہی مسلم قومیت کے جذبے کا صدقہ تھا کہ جس نے کل برصغیر کے مسلمانوں کو تحریک پاکستان کے علمبرداروں کی شکل بنیان مرصوص کے قالب میں ڈھال دیا اور یہ عالمی سیاست کی واحد مثال ہے کہ پاکستان کی تخلیق مسلم قوم کے وجود کی کوکھ سے ہوئی جو پہلے ہی موجود تھی۔ یعنی قومیت ملک سے اول اور اولیٰ تھی لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ مسلم قومیّت کہاں گئی؟ آج مسلم قومیت سے پیدا شدہ پاکستان میں مسلم قوم جیسی کوئی چیز نہیں بستی۔ یہاں علاقے بستے ہیں یا علاقائی قومیت کا چرچا ہے۔ یہی نہیں کہ مسلم قوم کے مسکن سے پاکستان علاقائی قومیّتوں کا مسکن بن گیا ہے بلکہ المیہ یہ ہے کہ ان علاقائی قومیّتوں کو ایک دوسرے سے کوئی جذباتی علاقہ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ کراچی میں جہاں مہاجروں کے علاوہ ہر صوبے کے لوگ اکھٹے ہوگئے' نہ صرف مہاجر قومیّت تولد ہوئی ہے بلکہ بستی بستی محلے محلے کے لوگوں نے زبان اور نسل کے نام پر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹی ہیں اور ظلم تو یہ ہے کہ مسلم قومیت کی یہ بوٹی بوٹی اس زمانے میں بطور خاص ہوئی جب پچھلے سالوں اسلام اور نفاذ نظام اسلام کا نعرہ معراج پر تھا۔ ہماری ذہنی پستی کے اس دردناک پس منظر میں بیچارے وطن بدر افغانون کو کون اپناتا ہے! مجھے معاہدہ جنیوا دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل میں ہمارے کردار پر اس ذہنیت کا گہرا اثر پڑا ہے۔ اسی ذہنیت کے اثر میں پچھلے جنیوا مذاکرات کے دوران ہماری حکمت عملی کی تبدیلی کی کنہ ہے کہ یہ نہ دیکھو کہ افغان مہاجرین کا کیا ہوگا' عبوری حکومت ہو نہ ہوا نہیں بہرحال ملک سے کوچ کرنا ہوگا اور اگر افغان مجاہدین کو نجیب حکومت سے نبرد

Marfat.com

آزماہونا ہے تو یہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ہم اس میں کیا دخل دے سکتے ہیں کہ پاکستان تو افغانستان میں عدم مداخلت کا پابند ہے اور سمٹری جس پر ہم نے اتنا واویلا کیا تھا چل نہ پائے گی کہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی جس سے روس آتش بگولہ ہوگا اور ہم ماسکو کے غصے کی تاب نہیں لا سکتے کہ اب تو ہم روسیوں سے تعلقات بہتر کرنا چاہتے اور ان سے محبت کی پینگیں بڑھانا چاہتے ہیں۔

اسی طرح مسٹر کارڈوویز کا عبوری حکومت کا مشن حباب ثابت ہوگا اور کسی نزاعی سیاست میں صحیح وسالم نہ رہ سکے گا کیونکہ افغان مجاہدین کسی قیمت پر نجیب کی کمیونسٹ پارٹی سے شراکت پر رضامند نہ ہوں گے اور جب تک وہ کابل پر قابض رہتا ہے وہ کسی طور غیر کی بالادستی قبول نہیں کرے گا البتہ وہ ظاہر شاہ کو کسی عبوری حکومت کا سرپرست ماننے کو تیار ہوگا اور ظاہر شاہ نجیب کو ہی قبول نہ ہوں گے وہ ماسکو اور واشنگٹن کو بھی قبول ہوں گے اور چونکہ مسٹر کارڈوویز ایسی ہی عبوری حکومت بنانے کے حق میں ہیں (وہ پہلے ہی اس ضمن میں اپنی تھیوری پیش کر چکے ہیں کہ حکومت جماعتوں کے نمائندوں کی بجائے آزاد افراد پر مشتمل ہو) شاید اسی لئے پاکستان میں سرکاری میڈیا نے ظاہر شاہ کی حمایت میں رائے زنی شروع کر دی ہے اور پچھلے دنوں ایک مقبول عام ذہنی آزمائش کے پروگرام میں کمپیئر نے ایک سوال 'جس کا صحیح جواب نہ دیا جا سکا تھا' بتایا کہ 76 فیصدی افغان مہاجرین ظاہر شاہ کی کابل مراجعت کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ تو پتہ نہیں کہ کمپیئر اس دوٹوک نتیجے پر کیسے پہنچے لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوا کہ حکومتی حلقوں میں ہوا کس رخ چل رہی ہے۔

حق یہ ہے کہ معاہدہ جنیوا کے نتائج سے صدر ضیاء الحق کا وہ خواب پورا نہ ہوا جس کی تعبیر میں روسی افواج کا انخلاء ہی بروئے کار نہ آنا تھا بلکہ کابل میں افغان مجاہدین کی اسلامی حکومت بھی قائم ہونی تھی جو اسلام کو سینے سے لگاتی اور افغانستان و پاکستان کے قلبی وسیاسی الحاق سے مسلمانوں کے تمکن فی الارض کی وہ چٹان اٹھتی جس پر اسلام دشمن تحریکیں پاش پاش ہو جاتیں۔ اب تو مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ ہم نے آہستہ آہستہ قدم بقدم پاکستان اور افغانستان میں اسی ذہنی بُعد کی خلیج کی طرف پلٹنا کھسکنا شروع کر دیا ہے جو بدقسمتی اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے آٹھ دس سال پہلے دو برادر اسلامی ملکوں میں حائل تھی اور جسے بفضل تعالیٰ (کیونکہ وہی دلوں میں محبت ڈالتا ہے) افغان مجاہدین اور مہاجرین نے پاٹ دیا تھا۔ معاہدہ جنیوا پاکستان کی کشمیر اور مشرقی پاکستان سے محرومیوں کے سلسلے کی ایک اور کڑی ہے جس کے خطرناک مؤثرات پر ہم تبھی قابو پا سکیں گے جب ہم اسی سپرٹ کو از سرنو تازہ کریں جس نے ہمارے اندر نہتے افغان مجاہدین کی تن من دھن مدد اور حملہ آور سپر پاور روس کی مجاہدانہ مزاحمت کا جذبہ اور تصور اجاگر کیا تھا۔ فی

Marfat.com

البوقت اس سپرٹ کے احیاء کا ایک ہی عملی اور مؤثر طریقہ ہے اور یہ کہ جونہی افغان مجاہدین اپنی عبوری حکومت افغانستان کے اپنے 80 فیصدی مقبوضہ علاقے کے کسی حصے میں قائم کرلیں پاکستان فوراً اسے تسلیم کرنے کا اعلان کردے۔ اس ضمن میں پاکستان کی پیش قدمی سے نہ صرف دوسرے مجاہدین دوست ممالک اسے تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں گے بلکہ موجودہ حالات میں منجمد سمٹری کا بھی جواز نکل آئے گا کہ پھر پاکستان امریکہ سے آمدہ اسلحہ کسی باغی ( Mercenary ) گروہ کو نہ فراہم کرے گا جس سے معاہدہ جنیوا کی خلاف ورزی کا احتمال ہو بلکہ ایک باقاعدہ تسلیم شدہ حکومت کو منتقل کر رہا ہو گا۔

Marfat.com

# کابل میں اسلامی حکومت کی سیاسی اہمیت

افغانستان میں اسلام پرست عناصر' افغان مجاہدین کا روسی قبضے کے خلاف علم مزاحمت بلند کرنا کوئی حادثاتی امر نہ تھا بلکہ اس کی ٹھوس معروضی وجوہات تھیں کہ روسی حملے کی نوعیت محض سامراجی نہ تھی کہ روس اپنی سلطنت میں مزید علاقے اور رقبے کا اضافہ کرنا چاہتا تھا (وہ پہلے ہی دنیا کے وسیع ترین حصہ ارض پر محیط ہے) بلکہ اس کا اصل مقصود اپنے نظریاتی تفوق کا نقش قائم کرنا تھا کہ وہ ملک پر اسلامی نظام کی جگہ مارکسٹ کمیونسٹ نظام مسلط کرنا چاہتا تھا' روسی افواج کے داخلے کے جواز میں ماسکو نے بیان دیا تھا کہ وہ اس طرح اپنی جنوبی سرحدوں کو خارجی خطرے سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ اب اس بیان کا یہ ہرگز مطلب نہ ہو سکتا تھا کہ اسے اپنی ماوراء جنوبی جہت یعنی پاکستان سے کوئی فوجی خطرہ لاحق تھا۔ ایک سپر پاور جسے جدید ترین اسلحی سازو سامان کے علاوہ دنیا کی عددی اعتبار سے سب سے بڑی فوج حاصل ہو' اسے ایک چھوٹے ترقی پذیر ملک سے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا اس بیان کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا تھا کہ وہ جنوب میں اپنی وسط ایشیائی مسلم ریاستوں کو پاکستان اور ایران کی نوخیز اسلامی تحریکوں کے اثر و نفوذ سے الگ تھلگ اور مامون کرنا چاہتا تھا کہ بالآخر نظریات حدود بالا سے ہوتے ہیں اور جیسا کہ انگریزی کہاوت ہے خیالات کے پاؤں ہوتے ہیں اور وہ ناقابل بندش ہوتے ہیں۔ اس روسی مقصود کی روشنی میں اسلامی افغانستان پر قبضہ اس کا اولین اقدام ہی گردانا جا سکتا تھا کہ اسی پالیسی کا منطقی تقاضا تھا کہ روس کا اگلا ہدف اسلامی پاکستان ہو جہاں سے وہ بحیرہ عرب کے گرم پانیوں تک پہنچنے کی دیرینہ اور تاریخی خواہش بھی پوری کر سکے' نیز اس کی سلطنت کی سرحدیں ایک اور مسلم دشمن اور سوویت نواز ملک' ہندوستان کی سرحدوں سے جا ملیں' اس

Marfat.com

روسی منصوبے کے پیش نظر افغانستان میں وہی فعال عناصر روسی افواج کی مزاحمت کے لئے کھڑے ہو سکتے تھے جو نہ صرف روایتی طور پر آزادی کے متوالے تھے بلکہ جو اسلام اور اسلامی تہذیب واقدار کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگانے کو تیار تھے۔ چنانچہ افغان مجاہدین کا جہاد اسی دن شروع ہو گیا تھا جب روسی انگیخت اور روس ٹرینڈ فوجیوں کی مدد سے 87ء میں نام نہاد ثور' سوشلسٹ انقلاب رونما ہوا تھا۔ چنانچہ افغان مجاہدین کی جانفروش تحریک کا مقصد افغانستان کو روسی قبضے سے آزاد کرانے کی کوششوں تک محدود نہ تھا' وہ براہ راست پاکستان کی سالمیّت کے دفاع سے بھی مبسوط تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صدر ضیاء الحق نے افغانستان میں روسی افواج کے دخول کے فوراً بعد افغان مجاہدین کی ہر قسم کی اعانت کا واشگاف اعلان کیا۔ ببرک کارمل کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اس حقیقت کا ببانگ دہل اظہار کیا کہ افغان مجاہدین افغانستان کی آزادی کے لئے ہی نہیں بلکہ پاکستان کی آزادی کے لئے بھی لڑ رہے ہیں اور انہوں نے جہاں افغان مجاہدین کے جہاد کو برقرار رکھنے کا عہد کیا' وہاں تیس لاکھ سے اوپر افغان مہاجرین کی میزبانی کا بھی بیڑا اٹھایا اور عزم بالجزم اب تک اسی مؤقف پر قائم ہیں۔ اس پس منظر میں جب بفضل تعالیٰ افغان مجاہدین روس کی افواج غفیر کو ملک سے نکالنے میں کامران و کامیاب ہو رہے ہیں' کابل میں ان کے سوا کسی اور حکومت کا حق حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہی افغانستان کا اسلامی کردار بحال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

لیکن افغان مجاہدین کی راہ میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو معاہدہ جنیوا عبوری حکومت کے قیام کی شرط سے عاری ہے بے شک ماسکو اور واشنگٹن کی طرف سے غیر سرکاری اور غیر تحریری طور پر مسٹر کارڈوویز کو افغان دھڑوں سے مذاکرات کے ذریعے ایک مخلوط حکومت بنانے کا کام سپرد کیا گیا ہے لیکن مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی کہ جیسا کہ میں بار بار عرض کر چکا ہوں' اس مشن کو سرانجام پہنچانے کے لئے مسٹر کارڈوویز کے پاس کوئی ایسی اتھارٹی نہیں کہ وہ اپنے فیصلے کو مختلف دھڑوں سے منوا سکیں' پھر اس سفارشی ہدایت نامے میں اس ناقابل تردید حقیقت کا انکار مضمر ہے کہ روسی افواج کے انخلاء کے اصل ہیرو افغان مجاہدین ہیں جن کی تحویل میں نہ صرف ملک کا اسّی فیصد علاقہ ہے بلکہ جنھیں ملک کی اکثریت کی حمایت حاصل ہے کہ ان ساٹھ سترلاکھ مہاجرین کے علاوہ جو پاکستان ایران اور دیگر ممالک میں ہجرت کے دن گذار رہے ہیں۔

خود نجیب حکومت کے 20 فیصدی علاقے کے لوگ (کیونکہ ان میں بہت کم کمیونسٹ ہیں) بھی افغان مجاہدین کے تحت ایک اسلامی حکومت کے قیام کے منتظر ہیں' حکومت کے قیام میں افغان مجاہدین کے حق اولیٰ کے انکار کے پیچھے کیا محرکات کار فرما تھے؟ روسی تو افغان مجاہدین کے خلاف ہوں گے کہ انہوں نے افغان مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھائی ہے اور گو روسیوں نے معاہدہ جنیوا کے توسّط سے اپنی

Marfat.com

شکست پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ افغانستان میں اپنے اثر ورسوخ کے قیام کی خواہش سے ہرگز دستبردار نہیں ہوئے اور اس کے استحکام کے لئے بہرنوع نجیب حکومت کی پوزیشن کو مستحکم کرنے کے جتن کر رہے ہیں بلکہ خبریں گرم ہیں کہ اگر نجیب کابل پر افغان مجاہدین کی یلغار کی تاب نہ لا سکا تو روس کی سرحدوں سے ملحق شمالی صوبوں پر مشتمل علاقے میں مزار شریف کو صدر مقام کا درجہ دے کر ایک نئی مملکت کی داغ بیل ڈال دی جائے گی جو نہ صرف کمیونسٹ ہوگی بلکہ شاید سویت سلطنت کا "اٹوٹ انگ" بھی بنا دی جائے۔ ان ارادوں کے حاملان مسٹر کارڈووِیز کو ایک مخلوط یا وسیع البنیاد حکومت بنانے کی اسی شرط راہ ہموار کرنے میں مدد کر سکتے ہیں کہ افغانستان میں نجیب عامل اوّل کا کردار ادا کر سکے' اسی بنا پر نجیب اس درجہ خود اعتمادی سے سرشار ہے کہ ظاہر شاہ کو حکومت میں شمولیت کی دعوت دیتے ہوئے بھی اس نے اپنی دہلی پریس کانفرنس میں دو ٹوک کہا کہ شاہ کو اس کے تحت کام کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے لوئی جرگہ سے سات سالہ منتخب صدارت کے عہدے کو ہرگز نہ چھوڑے گا۔ ماسکو کا تو ایسی عبوری حکومت کے خلاف ہونا سمجھ آتا ہے جس میں جنگ کے خاتمے کے نتیجے میں افغان مجاہدین کو بالادستی حاصل ہونا قدرتی اور لازمی ہے، لیکن امریکہ کا رویّہ سمجھنا دشوار ہے۔ ایک طرف وہ افغان مجاہدین کا حامی ہے انہیں اسلحہ فراہم کرتا رہا ہے معاہدے کے بعد بھی سمٹری پر مُصر ہوا اور اسے روس سے منوایا اور اب بھی افغان مجاہدین کو لڑائی جاری رکھنے کی تلقین کر رہا ہے اور ایسے اشارے دے رہا ہے کہ اگر افغان مجاہدین افغانستان میں اپنے علاقے میں حکومت چلانے کی ذمہ داری اٹھانے کے اہل ثابت ہوں' تو ان کی نامزد کردہ عبوری حکومت کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہے' مگر دوسری طرف اس نے جنیوا مذاکرات میں کابل میں عبوری حکومت کے معاملے پر سخت سرد مہری کا اظہار کیا' حالانکہ یہ یقینی امر تھا کہ اگر واشنگٹن عبوری حکومت پر اصرار کرتا تو ماسکو اسے بھی اسی طرح شیر مادر کی طرح پی لیتا جس طرح اس نے سمٹری کے مطالبے پر سر تسلیم خم کر دیا تھا اور اگر ایسا ہو جاتا یعنی عبوری حکومت کے قیام پر اتفاق وا جماع ہو جاتا تو نہ فراہمی اسلحہ کے لئے سمٹری کی ضرورت پڑتی اور نہ جنگ جاری رہنے کی نوبت آتی۔ تو سوال یہ ہے کہ امریکہ نے ایسا منفی طرز عمل کیوں اختیار کیا؟ جواب میں یہی امریکی خدشہ نظر آتا ہے کہ اس صورت میں یعنی عبوری حکومت کے قیام کی صورت میں' افغان مجاہدین کے زیر سایہ ایک اسلامی حکومت معرض وجود میں آجاتی اور امریکہ بنیاد پرستوں سے الرجک ہے' وہ افغانستان میں ایک اور ایران نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ امریکہ کے اس خوف کو روسیوں نے خوب ایکس پلائٹ کیا اور عبوری حکومت کے قیام کے خلاف امریکی تائید حاصل کر لی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف روسی افواج کے انخلاء کے بعد افغانستان میں امن وامان کے امکانات معدوم ہوئے اور خانہ جنگی کا دروازہ کھلا بلکہ امریکنوں نے افغان مجاہدین کا اعتماد کھویا اور ان کے حق میں اپنی ساری محنت اکارت کی۔ ویسے بھی انسانی حقوق کے علم برداروں کو یہ نہیں بھاتا کہ وہ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے مواقع پیدا

Marfat.com

کریں (کیا بارہ لاکھ افغان شہیدوں کا خون کافی نہیں!) خصوصاً جبکہ وہ افغان مجاہدین کو اپنے حلیفوں میں شمار کرتے ہوں۔

امریکی زعماء اور دانشوروں کے لئے دو سوچنے کی باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسلامی ملکوں میں جو احیائے اسلام کی تحریک چلی ہوئی ہے وہ کسی کے روکنے سے رک نہیں سکتی' خواہ اس کی مخالف غیر مسلم طاقتیں ہوں یا مغرب زدہ مسلمان۔ اس لئے اگر مغرب روسی کیمونزم سے بقائے باہمی کا رشتہ قائم کر سکتا ہے تو اسے اسلام سے گذارہ کرنے کے لئے بھی کوئی سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ یہاں یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ احیائے اسلام ہے کیا؟ تحریک احیائے اسلام اسلامی ملکوں میں اقدار اسلام کی تہذیبی و تمدنی بالادستی قائم کرنے کے علاوہ اسلامی قوانین کا نفاذ ہے۔ ان قوانین کی وہی نوعیت ہے جو کسی سیکولر سٹیٹ میں زندگی کے مختلف امور پر قوانین کی ہوتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ جہاں اسلامی قوانین مذہب سے اخذ کئے جاتے ہیں وہاں غیر اسلامی ملکوں میں انہیں قانون ساز ادارے مرتب کرتے ہیں اور اسلامی ملکوں میں حکومتیں شریعت (اسلامی قوانین) کی پابندی کی اس لئے مکلف ہیں کہ غیر اسلامی مذاہب کے مخالف' مذہب اسلام نہ صرف عبادات کے خطوط کھینچتا ہے بلکہ وہ کلی زندگی کے لائحہ پر بھی حاوی ہے اور اس کے متعلق ہی قانونی ہدایات دیتا ہے۔ ان قوانین کی ترجمانی میں تو فروعی فرق ہو سکتا ہے اور اسی لئے مسلمانوں میں کئی مکاتب فکر موجود ہیں لیکن ان کے اتباع میں بنیاد پرستی اور غیر بنیاد پرستی کی بنا پر کوئی فرق نہیں۔ ان کے اتباع میں سب مسلمان ایک ہیں۔ یعنی اسلامی قوانین تمام مسلمانوں پر لاگو ہیں خواہ وہ کسی مشرب سے تعلق رکھتا ہو۔ اس توضیح کی روشنی میں بنیاد پرست اور غیر بنیاد پرست مسلمان معاشرے کی نشاندہی عبث اور مہمل ہے۔ امریکہ اور مغرب کو اس بات کا بھی خیال کرنا چاہئے کہ جس طرح وہ اپنے آپ کو اپنے ملک کا قانون بنانے کا مجاز سمجھتے ہیں اور خود ان کے اپنے حلقے میں ایک ملک کا قانون دوسرے ملک کے قانون سے مختلف ہے۔ یہاں تک کہ ان کی جمہوریت بھی مختلف الظواہر ہے۔ اور اس ادارتی اختلاف کا احترام کرتے ہیں' اسی طرح دوسرے ملکوں اور مسلمان ملکوں کو بھی اس ضمن میں حق خود ارادیت حاصل ہونا چاہئے۔

کابل میں افغان مجاہدین کی اسلامی حکومت روس کی کیمونسٹ حکومت سے تو یقیناً مختلف بلکہ متضاد ہوگی لیکن پاکستان کی اسلامی حکومت سے مختلف نہیں ہو سکتی' اور اگر پاکستان امریکہ کا دوست ہو سکتا ہے تو کابل میں افغان مجاہدین کی اسلامی حکومت امریکہ کی کیوں دوست نہیں ہو سکتی؟ دوسرے اور سب سے بڑھ کر واشنگٹن کو یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ اگر اسے ایران کے اسلامی انقلاب کا تلخ تجربہ ہوا ہے تو اس کا پس منظر مختلف تھا اور حقیقتاً اس کی نوعیت مذہبی نہ تھی بلکہ سیاسی تھی۔ کیونکہ امریکہ شاہ ایران کا

Marfat.com

حلیف تھا لیکن افغانستان میں تو معاملہ بالکل برعکس ہے یہاں تو امریکہ افغان مجاہدین کا معاون ومدد گار و حلیف ہے ان کی اسلامی حکومت امریکہ کے پہلو میں کیونکر کانٹا بن سکتی تھی۔ افسوس کہ واشنگٹن نے ماسکو سے لین دین کی خاطر غیر حقیقت پسندانہ مؤقف اختیار کیا اور بنیاد پرستوں کے خلاف عصبیت کی لہر میں ماسکو کے جھانسے میں آگیا' اور مذاکرات جنیوا میں عبوری حکومت کا معاملہ طے نہ ہونے کی وجہ سے امریکہ' افغان مجاہدین اور پاکستان کے سامنے غیر یقینی کا باب کھل گیا اور خدا جانے اس کے بد مؤثرات پر قابو پایا جا سکے یا نہ پایا جا سکے۔

اب صورتحال یہ ہے کہ جہاں امریکہ نے عبوری حکومت کا معاملہ ٹھکانے نہ لگا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری کہ افغان مجاہدین کو اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے از سرنو میدان میں اترنا پڑ رہا ہے' وہاں حالات کی غیر یقینی کا فائدہ اٹھا کر نہ صرف روس افغانستان کو تقسیم کرنے کی حد تک نجیب حکومت کو قائم کرنے پر ڈٹا ہوا ہے بلکہ ہندوستان کو مداخلت کی شہ دے رہا ہے' دونوں کا مقصد نجیب حکومت کو مضبوط کرنا ہے' نجیب حکومت سے اگر روس کو یہ فائدہ ہے کہ افغانستان میں روسی کمیونسٹ اثرورسوخ رائج رہتا ہے تو ہندوستان کو اس سے یہ فائدہ ہے کہ کابل میں پاکستان دشمن راج نافذ رہتا ہے اور وہ افغانستان سے مل کر وہی ہندو دوست اور پاک کش حکمت عملی چلوا سکتا ہے جس پر پچھلے چالیس سال کابل گامزن رہا چنانچہ نجیب نے دہلی سے ڈیورنڈ لائن سے انکاری ہونے کا اعلان کیا' آپ شوق سے ماسکو سے محبت کی پینگیں بڑھائیں' میں خود روس سے پاکستان کے بہتر تعلقات کا قائل اور نقیب ہوں لیکن حقائق سے قطع نظر نہ کیجئے۔ آپ لاکھ ماسکو کے واری جائیں۔ (اور ہمارے غیر مدبر سیاسین کو ریشہ خطمی ہونے میں دیر نہیں لگتی) لیکن اس بات کو نہ بھولئے کہ روس اور ہندوستان میں بوجوہ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پچھلے ساڑھے آٹھ سال ہندوستان کی زبان سے روس کے قبضہ افغانستان کے خلاف ایک حرف تنقید نہ نکلا اور اب جب افغان مجاہدین نے روسی افواج کو پسپائی پر مجبور کر دیا تو ماسکو کے اشارے پر وہ روس کی کٹھ پتلی حکومت کی مدد کو نکل کھڑا ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر ہندوستان اس جہت میں نجیب حکومت کو مستحکم کرنے کے بہانے کوئی اقدام کرے تو اسے ماسکو کی حمایت وسرپرستی حاصل ہوگی۔ مثلاً اگر وہ کسی سری لنکا جیسے معاہدے پر کابل حکومت کی عسکری امداد کرنے کا ارادہ کرے تو روس کی طرف سے اس کی کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ روس کو تو اپنی داخلی وخارجی مجبوریوں (روسی اقتصادیات کی تعمیر نو کے تقاضے اور امریکہ سے خوشگوار تعلقات کی ضرورت کے دباؤ) کے سبب افغانستان چھوڑے بن چارہ نہ رہا اور اس طرح اس نے سامراجیت سطح پر ایک قسم کی رجعت پسندانہ یا مراجعت پسندانہ حکمت عملی اپنائی' لیکن ہندوستان قطعاً مختلف موڈ میں ہے' وہ توسیع پسندی کی ڈگر پر چل نکلا ہے کہ اسے ابھی اپنی طاقت کا لوہا منوانا

Marfat.com

ہے اور وہ اپنا مقصد اسی طرح پا سکتا ہے کہ علاقے کے ملکوں پر اپنا سکہ جما کر سپر پاورز کے حلقے میں داخل ہونے کی سند حاصل کرے اور سچی بات ہے کہ روس ہندوستان کو اس کے نصب العین حاصل کرانے میں پوری پوری مدد کر رہا ہے۔ اربوں کھربوں ڈالرز کی مالیت کے سستے داموں ماڈرن روسی اسلحہ کی فراہمی کا ہندوستان کی افواج کو دنیا میں روس ' چین ' امریکہ کے بعد چوتھے درجے پر فائز کرانے میں کچھ کم ہاتھ نہیں ہے ' روس کی عطا کردہ نیوکلیئر ائی سیکموں نے ہندوستان کی بحری قوت میں اتنا اضافہ کر دیا ہے کہ وہ بحر ہند کو اپنی قومی تحویل میں لینے کا خواب دیکھنے لگا ہے اور اس کی پہنچ کے اثرات آسٹریلیا اور انڈونیشیا تک محسوس کرنے لگے ہیں ' ساتھ ہی ساتھ اس کی ٹیکنو لاجیکل اور نیوکلیر آئی ترقی نے بلا شبہ اسے انتہائی ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے ' ہندوستان کا وسیع ولق ودق علاقہ اور اس کی بہت بڑی آبادی ملک کو فطری طور پر عظمت کا طویل وعرض عطا کرتی ہے لیکن ہندوستان کو جو اضافی اور خصوصی فائدہ حاصل ہو رہا ہے بدستور حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اسے دونوں سپر پاورز کی سرپرستی ملی ہے۔ دونوں سپر پاورز نے ہندوستان کو وسیع پیمانے پر مالی صنعتی ' ٹیکنیکی اور اسلحی امداد دی تو انہوں نے ملک کی سالمیت کی ضمانت بھی دی ' جہاں امریکہ نے اپنے حلیف پاکستان کی شکست وریخت روکنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی تک نہ اٹھائی (روس تو ہندوستان سے پاکستان سالمیت کے خلاف سازش میں شریک تھا) اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا ' وہاں وہ ہندوستان کے حصے بخرے ہونے کا روادار نہیں ہو سکتا خواہ ہزاروں علیحدگی پسند اور ملک توڑ تحریکیں اٹھیں۔ دونوں سپر پاورز ہندوستان کو مضبوط متحد دیکھنا چاہتی ہیں اور اسے چین کے خلاف طاقتور بنانا چاہتی ہیں۔

ہندوستان کی بڑائی (رقبے ' آبادی ' مادّی ترقی اور سیاسی لحاظ سے) نہ تعجب انگیز ہے اور نہ سزاوار استرداد ' لیکن پاکستان کو ہندوستان کی سرشت کے دو خصائص پر اعتراض ہے کہ وہ اس کے لئے باعث تشویش وخطرہ بنے رہے ہیں اور جب تک وہاں زمین شکن ذھنی انقلاب نہ آجائے بنے رہیں گے۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کے مطمح نگاہ اور انداز عمل (نیز تاریخی واقعات) سے احساس بلکہ گہرا احساس ہوتا ہے کہ وہ دل سے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا ' اس نے کشمیر پر قبضہ کیا حالانکہ وہ مسلم ریاست پاکستان کا جزو لاینفک تھی ' تقسیم کے جس اصول نے پنجاب ' بنگال ' آسام کا بٹوارہ کروایا اور ان صوبوں کو مسلم اور غیر مسلم علاقوں میں الگ کیا ' اس اصول کا اطلاق کشمیر پر بھی ہونا چاہیے تھا لیکن ہندوستان نے ریاست پر غاصبانہ قبضہ ہی نہ کیا بلکہ پاکستان پر اس قبضے کی بنا پر جنگیں مسلّط کیں)۔ پھر مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے صوبے کو ملک سے الگ کیا ' مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر مسز اندرا گاندھی نے جو بیان دیا وہ ہندو قوم کے اندرونی خیالات کا مظہر تھا۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کا

Marfat.com

دو قومی نظریہ باطل تھا۔ گویا اسی اصول کا صاف انکار تھا جس کی رو سے برصغیر کی تقسیم ہوئی تھی اور اس وقت سیاچین، جو پنڈت نہرو کے بیان کے مطابق بھی (جو کشمیر کو ہتھیا چکے تھے) پاکستان حدود میں شامل تھا ہندوستان کا "اٹوٹ انگ" قرار دیا جا رہا ہے' غرضیکہ پاک و ہند کے چالیس سالہ تعلقات میں کوئی لمحہ چین کا نہیں گذرا اور اس کی کنہ میں سوائے اس کے کوئی چیز نہیں کہ ہندوستان پاکستان کی تخلیق کو ماننے کو تیار نہیں' اس پر مستزاد (جس پر پاکستان کو اعتراض ہے) ہندوستان کی حدُود الارض کے ساتھ حرص وہوس مرتبہ ہے۔ وہ بڑے ممالک کے زمرے میں شامل ہونا چاہتا اور اس مقصد کے حصول کے لئے ایک پنتھ دو کاج کی پالیسی پر چل رہا ہے کہ ایک طرف ارد گرد کے چھوٹے ملکوں کو اپنے تابع کرو اور دوسری طرف انہی ممالک کی سرداری کی بنا پر اپنے سپر پاور کے مرتبے کی دکان سجاؤ' سمندر سے دور اور ہندوستان کی ہمسائیگی کے محاصرے میں بسنے والی مملکتیں' سکم' بھوٹان اور پھر نیپال تو جغرافیے کے رحم و کرم پر ہونے کی بنا پر دہلی کے حاشیہ نشیں بننے پر مجبور تھے لیکن ہندوستان نے جو نئی لائن سری لنکا میں اپنی افواج کو وہاں بھیجنے اور ملک کی خود مختاری کو پامال کرنے کی اختیار کی ہے' وہ سخت خطرناک ہے۔ بظاہر افواج سری لنکا سے معاہدے کے تحت بھیجی گئی ہیں (اس معاہدہ کی غیر مساویانہ نوعیت اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے جو کمال عالم بے بسی میں صدر جے وردھنے نے معاہدے کے معاً بعد دیا کہ ان کے حلیفوں نے سری لنکا کو ہندوستان کے غلبے کے لئے تنہا چھوڑ دیا) تاکہ وہ ان ہندوستان نژاد تامل باغیوں پر قابو پا سکیں جنھیں ہندوستان سالہا سال بغاوت پر اکساتا رہا ہے۔ گویا اصول یہ ٹھہرا کہ جس کسی ہمسائے اور علاقائی ملک میں وہاں کے بستے ہوئے ہندوستانیوں کا کوئی مسئلہ کھڑا ہو (ایسے ملکوں کی زد سے خلیج کی امارات کے ملک بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیئے جا سکتے) تو اس مسئلے کا فیصلہ بجائے اس ملک کے حکومت کرے' وہ ہندوستان کی تحویل میں آئے گا اور اسے فیصل کرنے کے لئے فوج بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔ اب ہوا یہ ہے کہ تین ہزار فوجیوں کی پہلی کھیپ سے (جو اس ادعا سے بھیجی گئی تھی کہ معاملہ ہفتے عشرے کے اندر طے ہو جائے گا) آج سری لنکا میں ہندوستانی فوجیوں کی نفری ستر (70) ہزار سے اوپر پہنچ چکی ہے اور حالات بد سے بدتر ہو رہے ہیں۔ جتنا قتل وغارت تاملوں کے ہاتھوں (اور مسلمان ان کا خاص نشانہ ہیں ہندوستانی افواج کی موجودگی میں ہو رہا ہے پہلے کبھی نہ ہوا تھا' سوال یہ ہے کہ ہندوستانی افواج اپنے بھائی بند تاملوں کو اس معاہدے پر کیوں رضامند نہ کر سکیں جو دہلی حکومت نے سری لنکا سے کیا تھا؟ اس ناکامی کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ مسئلے کو حل کرنا مقصد ہی نہ تھا' اصل مقصود تو درجہ بدرجہ قدم بقدم' تاملوں پر قابو پانے کے بہانے' اپنی فوج کی نفری کو بڑھانا اور ان کے مشن کو طول دینا تھا تا آنکہ سری لنکا ہندوستان کا ذیلی ملک بن کر رہ جائے چنانچہ اب سری لنکا کی بندرگاہوں میں غیر ملکی جہازوں کا دخول ہندوستان کے نمائندے کی اجازت سے ہوتا ہے اس طریقے سے ہندوستان اپنی بالادستی کا جال پورے جنوب مشرقی ایشیا

Marfat.com

کے ملکوں پر پھینکنا چاہتا ہے جس پیش رفت کا بالآخر اثر مسلم مغرب ایشیا (مشرق وسطیٰ) پر پڑنا لازمی ہے۔

پھر یہی خطرناک امر نہیں کہ ہندوستان نے استعماریت کا یہ نیا لبادہ اوڑھا ہے بلکہ خطرناک تر امر یہ ہے کہ بڑی طاقتوں امریکہ اور روس نے ہندوستان کے طریق عمل کو امن کے نام پر سراہا' جب مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے ہندوستان نے پاکستان کو توڑا تب مشرق و مغرب نے اس کے عمل سے کوئی تعرض نہ کیا اور اب وہ سری لنکا کو ہضم کر رہا ہے تو انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ہندوستان کی جوع الارض اور حرص وہوس مرتبہ کی تسکین کی راہ میں اگر کوئی علاقائی ملک حائل ہے تو وہ پاکستان ہے اور ہندوستان کی شروع سے یہ پالیسی رہی ہے کہ اگر یہ ملک تشکیل پا ہی گیا ہے تو اسے ہر طرح کچلنے کی کوشش کی جائے۔ قائداعظمؒ کے کرم خوردہ پاکستان کو مزید کاٹنے پھاڑنے کے عمل کی سان پر چڑھایا جائے کیونکہ موجودہ دور میں رقبے کی وسعت اور آبادی کی افزونی ملک کی عظمت کے عوامل میں داخل ہیں اور پاکستان کو اسی طرح ان عوامل سے محروم کیا جائے جس طرح مغربی استعمار پسندوں نے مشرق وسطیٰ کے خطۂ عظیم کو اس طرح چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں کانٹ چھانٹ کر رکھ دیا کہ دنیائے عرب قلیل قومیتوں میں بٹ کر اپاہج ہو گئی۔ چنانچہ پہلے نہرو اور ماؤنٹ بیٹن نے ریاست جموں کشمیر کو پاکستان سے کاٹا پھر اپنے مقابلے میں پاکستان کے سائز کو مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے مزید کم کیا۔ جنوب میں اس بساط کو بچھانے کے ساتھ ساتھ ہندوستان نے روس اور افغانستان سے تعلقات استوار کئے اور ان دو ملکوں نے ہندوستان سے یوں دوستی کا اظہار کیا کہ اگر خروشچیف نے سری نگر آ کر کشمیر کو ہندوستان کا اٹوٹ انگ" قرار دیا (خود روسی سلطنت بھی ایسے ہی غیر روسی "اٹوٹ انگوں" پر مشتمل ہے) تو کابل نے مسلسل پختونستان کی رٹ لگائے رکھی۔ اس طرح ہندوستان نے پاکستان کے گرد ایک گھیراؤ ڈالا جس کے اندر وہ اس سے نمٹنا چاہتا تھا۔ افغانستان پر روسی قبضے کے بعد پاکستان کے خلاف یہ گھیراؤ اور تنگ اور کڑا ہو گیا۔ ہندوستان کی پاک دشمن حکمت عملی کی روشنی میں یہ پیش رفت دہلی کے لئے بہت سازگار تھی کہ افغانستان میں روسی فوجوں کی موجودگی کا دباؤ پاکستان پر پڑنا لازمی تھا' اور اسی لئے اس نے افغانستان پر روسی حملے کی مذمت کرنے کی بجائے عملاً اس کا خیر مقدم کیا کہ کھلے بندوں اس کے جواز میں استدلال کیا' دہلی کے حساب کتاب میں اب پاکستان سے حساب چکانے اور اسے زیر دام لانے کا وقت آ گیا تھا۔ اس کی توقع کے مطابق روسی فوجیں افغانستان کو اپنی کمیونسٹ دبوچ میں جکڑ لیں گی جس کے نتیجے میں پاکستان دو عسکری پنجوں (مغربی سرحد پر روسی افواج) میں پھنس کر رہ جائے گا اور اس سے علاقے میں ہندوستان کی سربراہی با آسانی منوالی جا سکے گی لیکن جو چیز ہندوستان کے حکمت بازوں کے خواب وخیال میں نہ آئی تھی اور جس کے لئے انہوں نے اپنے حساب کتاب میں کوئی گنجائش نہ رکھی تھی' وہ افغان مجاہدین کی ساڑھے آٹھ سالہ مزاحمت کا معجزہ اور پاکستان کی افغان مجاہدین کی ہمہ جہت مدد نیز تیس لاکھ سے اوپر افغان

Marfat.com

مہاجرین کی میزبانی کے بار گراں اٹھانے کی استعداد تھی۔ افغان مجاہدین کے جوش جہاد و عمل پیہم اور پاکستان کی قوت برداشت و قربانی نے ناقابل شکست روسی افواج کو میدان جنگ سے نکال بھگایا اور ماسکو کے بصد ہزار بے تابی مذاکرات جنیوا کے ذریعے مسئلہ افغانستان کے سیاسی حل کی سبیل نکالی اور انخلاء کا اعلان کر دیا' اس طرح روس ہی کابل سے مراجعت پر مجبور نہ ہوا بلکہ ہندوستان کی بساط سیاست بھی الٹ گئی۔

پچھلے چالیس سالوں میں ہندوستان کے ہاتھوں کابل نے پاکستان کے گھیراؤ میں بھرپور حصہ لیا۔ ظاہر شاہ' داؤد خان' ترکئی اور حفیظ اللہ امین اور روسی قبضے کے بعد ببرک کارمل اور نجیب اللہ پاکستان کے خلاف ہندوستان کے حلیف رہے۔ اسی دوران جہاں ہندوستان نے طاقت پکڑی اور وہ دنیا کے چوٹی کے آٹھ دس ملکوں میں شمار ہونے لگا اور ادعا سے گذر کر وہ اپنی علاقائی سربراہی مرتبے کا لوہا منوانے کے لئے عملاً اقدام لینے لگا یعنی سری لنکا سے معاہدہ دوستی کے کھچے خطوط پر دوسرے ممالک کو چلنے کی ترغیب دینے لگا (اس نے پاکستان کو بھی اسی قسم کے معاہدہ دوستی کی پیشکش کی جرأت کر پائی) ہاں اسی دوران پاکستان بتدریج کمزور ہوتا گیا اسکا سائز چھوٹا ہوا اس کے اندرونی حالات خلفشار پذیر ہوئے اور اس کا چانک افغانستان میں ایک سپر پاور سے آمنا سامنا ہو گیا۔

اس صورتحال میں ظاہر ہے کہ پاکستان کے خلاف ہندوستان کے جاہ وجلال میں کتنے گنا اضافہ ہو گیا ہوگا (کیا راجیو کا صدر ضیاء الحق کو یکایک دہلی بلاوہ کسی مغل شہنشاہ کے حکم نامے سے کم ہیبت انگیز تھا!) ہندوستان کا ٹرمپ کارڈ کابل تھا خصوصاً جبکہ وہ روس کی تحویل میں تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف مغربی سرحد گرم رکھ سکتا تھا۔ کابل ہندوستان کی پاکستان کے گرد گھیراؤ کی سکیم میں کونے کا پتھر تھا۔ ہندوستان کے لئے پاکستان کو اپنے سامنے سرنگوں کرنے کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دہلی کا اپنی سکیم کے کونے کے پتھر کابل پر تصرف لازمی تھا جبتک دہلی کو کابل پر تصرف حاصل تھا' ہندوستان پاکستان کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار کر سکتا تھا اور اسے تادیبی کارروائیوں کی دھمکیاں دے سکتا تھا اور پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے اس کا یہی معمول تھا اور نہ صرف اس کے زعماء پاکستان کو زبانی کلامی جلی کٹی سناتے رہے بلکہ اس کی مشرقی سرحدوں پر اپنی افواج کا ہنگامی اجتماع بلاتے رہے' لیکن روسی افواج کے انخلاء کے اعلان نے حالات کی کایا پلٹ کر رکھ دی کہ روس کی واپسی کے بعد نجیب اللہ حکومت عام غیر یقینی سے دوچار ہو گئی' جس کا مطلب ہے کہ روسیوں کی وطن مراجعت کے بعد ہندوستان کی پاک کش حکمت عملی کے کونے کا پتھر ہل گیا' کابل کا ان کے ہاتھ میں رہنا یقینی ہی نہیں رہا' بلکہ سخت مشکوک ہو گیا' اور نہ صرف یہ کہ کابل کے ہندوستان کے آلہ کار رہنے کے امکانات مخدوش ہو رہے ہیں بلکہ ستم بالائے ستم' یہ خطرہ لگ گیا کہ افغان مجاہدین کی یورشوں کے طفیل کہیں وہ پاکستان کا حلیف نہ بن جائے! فی الوقت دہلی اسی شش وپنج میں

Marfat.com

ہے اور ساڑھے آٹھ سال کی مسئلہ افغانستان سے بے نیازی کے بعد ہاتھ پاؤں مار رہا ہے کہ اسے زیر عمل ڈرامے میں کوئی ایسا کردار مل جائے کہ وہ کابل میں اپنا پیر جما کر رکھ سکے' لیکن دہلی کو کیا کردار مل سکتا ہے جبکہ اس نے عالمی رائے کے علی الرغم مسئلہ افغانستان کے حل میں کوئی حصہ ہی نہیں لیا' مگر وہ کابل کے بغیر رہ نہیں سکتا کہ اس کی شمولیت و حمایت بن دہلی کا محاصرہ پاکستان ٹوٹ جاتا ہے اور اس کا علاقائی سربراہی کا خواب تشنہ رہ جاتا ہے' اور چونکہ دہلی کا نہ افغان مجاہدین سے کوئی واسطہ ہے اور نہ وہ ان کے اسلامی مقاصد کا ہم نوا و مؤید ہے' اس کے سامنے ایک ہی کردار رہ گیا اور وہ نجیب حکومت کو مستحکم کرنے کا کردار ہے۔ اس کردار کے دو فوائد ہیں۔ ایک تو اس سے ماسکو سے ہمرکابی ملتی ہے۔ دوسرے نجیب کی کامیابی سے پاکستان کا گھیراؤ قائم رہتا ہے۔ تو دہلی کی نجیب نوازی اسی قدر پاک دشمن جذبے کی رہین منت ہے جتنی وہ ماسکو کی خواہشات کی آئینہ دار ہے' نجیب کو دہلی بلانے کا مقصد اس کی حکومت کو قانونی بین الاقوامی مرتبہ دلوانا تھا' اسے اسلحی و دیگر امداد کے وعدے اس کی حکومت کی افغان مجاہدین کے خلاف پیٹھ ٹھونکنے کے مترادف تھے' یہ بھی غیر ممکن نہیں کہ راجیو اور نجیب کے درمیان کسی خفیہ معاہدہ دوستی کا خاکہ تیار ہوا ہو جو ہندوستان کو کابل حکومت کی عسکری امداد کا پابند بنا دے تو جہاں روسی فوجی نکلیں وہاں ہندی سپاہی ان کی جگہ سنبھال لیں اور کابل کے اردگرد حفاظت کا حصار کھڑا کر دیں تاکہ نجیب مسند اقتدار پر متمکن رہے' میں کوئی قیاسی خدشات بیان نہیں کر رہا' میں نہایت سنجیدگی سے بڑے سنگین حالات کا جائزہ لے رہا ہوں' جو نکتہ سمجھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ دہلی کی پاکستان کے بارے میں تمام جیو پولیٹیکل یعنی سیاسی جغرافیائی پالیسیوں کی تکمیل کا دارومدار کابل سے تعلقات پر ہے۔ کابل سے قریبی تعلقات کا قیام دہلی کی پاکستان پالیسی کا کھونٹا ہے۔ وہ ان تعلقات کو کسی طور پر معرض خطر میں ڈالنے کو تیار نہیں' وہ ان کے قیام کے لئے ہر قیمت ادا کرنے کو مستعد ہے' ہر کچھ کر گذر جانے پر کمربستہ ہے' اس لئے ہمیں اس امر کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار رکھنا چاہئے کہ دہلی اور کابل کے درمیان اس قسم کا سمجھوتہ ہو گیا ہو جس کی رو سے سری لنکا کی مثال پر ہندوستان افغانستان میں اپنی فوجیں اتار دے اور افغان مجاہدین کو ان کی منزل مقصود سے دور رکھنے میں نہ صرف روس ٹرینڈ کابلی فوجی مصروف کار ہوں بلکہ ان کی پشت پر ہندوستانی فوجی بھی برسرپیکار ہوں' اگر کچھ اس قسم کی صورت بنی تو روس کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے وہ خود نجیب حکومت کو قائم رکھنے کا خواہاں ہے۔

امریکہ کو ضرور اعتراض ہو گا لیکن وہ کیا کر سکے گا' ایک تو اس نے پہلے ہی اپنی کوتاہ بینی سے معاہدہ جنیوا کے ذریعے عبوری حکومت بنانے کا مؤقف کھو دیا اور افغانستان کو ایک بہت بڑے بحران سے دوبدو کر دیا۔ دوسرے اس نے سری لنکا میں ہندوستان کے اقدام کو اپنی آشیرباد دے کر اس کا جارحانہ حوصلہ بڑھایا اور ایک ایسی روایت قائم کروائی جس سے علاقے کے تمام چھوٹے ملکوں کو گزند پہنچ سکتی ہے' سو

Marfat.com

جب افغان عوام کو قبول عبوری حکومت کی غیر موجودگی اور سمٹری کے اجراء سے جنگ یقینی ہی ہو گئی تو پھر مداخلت کا میدان کھل گیا اور نا معلوم اس میں کون کون گھسے! اور انہیں مداخلت سے باز رکھ ہی کون سکتا ہے! جارحیت کے حوض میں سب ننگے ہیں۔ جو حقیقت اس غور و فکر سے ابھرتی ہے وہ یہ کہ موجودہ حالات میں بہر صورت پاکستان کو مہیب ذمہ داری کا سنگ گراں اٹھانا پڑے گا۔ افغانستان میں خانہ جنگی افغان مہاجرین کی واپسی کے لئے سدراہ ثابت ہوگی۔ سمٹری کا اجراء پاکستان کو مشکل میں ڈال سکتا ہے۔ کہ اگر وہ افغان مجاہدین کو (ان کی عارضی حکومت کو تسلیم کئے بغیر) امریکی اسلحہ فراہم کرتا ہے تو معاہدہ جنیوا کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو وہ افغان مجاہدین کو اسلحی طور پر کمزور کرنے کا الزام اپنے سر لیتا ہے۔ ہندوستان کی ممکنہ مداخلت کی صورتیں پاکستان کے لئے حالات سنگین تر شکل اختیار کر جائیں گے کہ اس کے لئے اس جنگ سے الگ رہنا جس طرح کہ وہ اب تک روسی افواج کی موجودگی میں الگ رہا ہے، مشکل ہو جائے گا کہ ہندوستانی فوج کے سارے نجیب حکومت کے بدستور قائم رہنے کا مطلب ہے کہ کابل کی چالیس سالہ پاک دشمن پالیسی جاری رہے گی اور وہ ہندوستان کے ڈالے ہوئے گھیراؤ میں پھنسا رہے گا جبکہ پاکستان کی بقا اور استحکام کا یہ ناقابل گریز اور اشد تقاضا ہے کہ یہ گھیراؤ ٹوٹے جس کے بروئے کار آنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اسے کابل میں ایک اسلامی اور پاکستان دوست حکومت نصیب ہو جو صرف افغان مجاہدین فراہم کر سکتے ہیں۔ کابل میں اسلامی حکومت قائم ہونے سے نہ صرف ہندوستان کا پاک دشمن گھیراؤ ٹوٹتا ہے بلکہ افغان دوستی کی بنا پر اس کا سائز بھی بڑا ہوتا ہے کہ پاکستان افغانستان اتحاد اس علاقے میں ایک سنگلاخ قلعے کی مضبوطی اختیار کر سکتا ہے جس سے ہندوستان کے سامنے دوسرے چھوٹے ملکوں کی خود مختارانہ حیثیت بھی بحال ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس پیش رفت سے پاکستان کی سالمیت محفوظ و مصون ہو سکتی ہے۔ تو آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کابل میں حکومت کی نوعیت سے پاکستان کے مستقبل کے لئے کس قدر گھمبیر مسائل و معاملات منسلک ہیں۔ کابل میں اسلامی حکومت کا قیام افغانستان میں اسلام کی بالادستی کا ممکن ہی نہیں بلکہ پاکستان کی نشوونما و قسمت سے بھی وابستہ ہے۔ اسلامی حکومت کا قیام مذہبی ہی نہیں بلکہ پاکستان افغانستان کے لئے دور رس سیاسی موثرات کا بھی حامل ہے، لہٰذا اگر کابل روس اور ہندوستان کی حمایت اور امداد سے نجیب اللہ حکومت کی سپردگی میں رہا تو نہ صرف پاکستان کی ساڑھے آٹھ سالہ قربانیاں رائیگاں جائیں گی بلکہ اس کا پاکستان کے وجود پر تباہ کن اثر مرتب ہو گا۔ آج پاکستان یونہی تاریخ کے فیصلہ کن موڑ پر کھڑا ہے جیسے افغانستان اس پس منظر میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ روسی افواج کے انخلاء کے بعد افغانستان میں کشمکش نے اگر ایک طرف افغان مجاہدین اور نجیب حکومت کے درمیان جنگ کا میدان گرم کر دیا ہے تو دوسری طرف پاکستان ہندوستان تقابل کو کٹھن بنا دیا ہے کہ اگر پاکستان یہ محسوس کرتا ہے اس کی مسئلہ افغانستان کے حل کے

Marfat.com

لئے طویل جدوجہد اسے ملک کی تقدیر سے وابستہ کرتی ہے تو ہندوستان بھی چالیس سال کابل کی ہر حکومت سے وابستہ رہا ہے اور اس کی پالیسیوں کو پاکستان کے خلاف متاثر کرتا رہا ہے۔

اس لئے اگر پاکستان افغان میدان میں ڈٹے رہنے کو اپنا استحقاق سمجھتا ہے تو ہندوستان بھی اس میدان کو چھوڑنے والا نہیں اور یہ محض خوش فہمی اور خام خیالی ہے کہ دہلی کا اس معاملے میں کوئی کردار نہیں' بے شک عمل کی بناپر تو اسے افغانستان میں مداخلت کا حق حاصل نہیں لیکن اس امر کا امکان کہ کابل میں اسکی جگہ پاکستان کو مل سکتی ہے 'اس کے لئے سوہان روح اور شرارت کا تازیانہ ہے اور اسے ہر اقدام پر بھڑکانے کو کافی ہے۔ ہماری راہ پُر خطر ہے اور روس کے لئے خوشدلانہ جذبات کے اظہار سے یہ خطرات ٹل نہیں سکتے کہ جس طرح عرصہ دراز میں ہندوستان نے کریملن کے دل میں گھر کر لیا ہے وہ مقام پاکستان کی دسترس سے باہر ہے اور اگر افغانستان میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مسابقت کی دوڑ لگ گئی تو ہمیں کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ روس کس کی طرفداری کرے گا۔ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَہ ان معروضات کی روشنی میں ہماری یہ غلطی کس قدر فاش اور نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہم نے بروقت معاہدہ جنیوا پر دستخط کرنے سے پہلے عبوری حکومت کے قیام پر اصرار کیوں نہ کیا۔ موجودہ اور آئندہ پیدا ہونے والے تمام خطرات کا منبع یہ خلاء عبوری حکومت کا مطالبہ ترک کرنے سے عالم ظہور میں آیا۔
جوں جوں روسی افواج کے انخلاء کی تاریخ کی صبح طلوع ہونے کے قریب آرہی ہے (دم تحریر مئی کی گیارہ تاریخ ہے) ایک گھمسان کے تصادم کے آثار ہویدا ہو رہے ہیں۔ بے شک مجاہدین کی عارضی حکومت بن چکی ہے اور مجاہدین کمانڈر یکے بعد دیگرے کابل روسی فوجیوں کی ترک کردہ چوکیوں پر اپنا پرچم لہرا رہے' نیز بعد از وقت امریکی زعماء مجاہدین کی حکومت کو تسلیم کرنے کا عندیہ دے رہے ہیں لیکن افغانستان کا مطلع قطعی صاف نہیں ہے اور آج سے روسیوں کے انخلاء کے اختتام تک کوئی بھی غیر معمولی واقعہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور مجاہدین کی پیش قدمی رک سکتی ہے' یعنی حق بحق دار رسید ہونے کا مقصود فوت ہو سکتا ہے' لیکن اگر ان تمام موانعات کے باوجود مجاہدین اپنی منزل پالیتے ہیں تو اس کا کریڈٹ معاہدہ جنیوا کے مصنفین کو نہیں دیا جا سکتا کہ انہوں نے تو معاملات کو غیر یقینی بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی کہ شکست کے بعد روسیوں نے جانا ہی جانا تھا اور رُوسی وزیر خارجہ نے جنیوا مذاکرات کے ایک مرحلے پر حتمی طور پر کہا تھا کہ معاہدے پر دستخط ہوں نہ ہوں' روس اپنی فوجوں کو افغانستان سے نکال لے گا' اور اگر انہوں نے ایسا کر لیا ہوتا یا انہیں ایسا کرنے دیا جاتا (اور ان کے پاس ایسا کرنے کے سوا چارہ نہ تھا) تو انخلاء کا منطقی نتیجہ مجاہدین کی فتح اور بلا مشروط اسلامی حکومت کا قیام ہوتا کیونکہ دراصل اس ظالم و مظلوم کی خونی کشاکش میں پارٹیاں ہی دو تھیں' جارح روسی اور مزاحمت کنندگان مجاہدین' مفتوح افواج کی پسپائی پر فاتح مجاہدین کی حکومت سازی ان کے حق فتح کا لازمہ تھا' یہی زمانے کا دستور ہے اور یہی تاریخ میں ہوتا آیا ہے لیکن

Marfat.com

مجاہدین کی فتح مبین کی سیدھی سادھی حقیقت کو دھندلا یا اور الجھایا گیا کہ امریکہ معاملات کے رخ کو اپنے مفادات کی سمت میں موڑنے پر تلا ہوا تھا' وہ افغانستان کی قیمت پر روس سے معاملہ کرنا چاہتا تھا اس کی شکست کی پردہ پوشی کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتا تھا اور ہماری یہ حالت تھی کہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنے ہوئے تھے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم نے صدر ضیاء کے مجاہدانہ ' پامردانہ مؤقف سے راہ انحراف اختیار کر لی تھی۔

Marfat.com

Marfat.com

# پاکستان مجاہدین کی مدد نہیں کرے گا؟

مندرجہ بالا شہ سرخی ایک انگریزی اخبار مورخہ 18 ر مئی بدھ وار (عیدالفطر) کی لیڈ سٹوری کی زینت بنی۔ اس کے تحت جو خبر پی پی آئی کو منسوب ہے اس اطلاع کی مظہر ہے کہ وزیر مملکت برائے امور خارجہ زین نورانی نے (جو ایک خیر سگالی کا وفد لے کر ماسکو پہنچے ہوئے تھے) روسی وزیر خارجہ نے ایڈورڈ شیورڈ زناڈزے کو ایک ملاقات کے دوران (جو دو گھنٹے تک جاری رہی) افغانستان پر معاہدہ جنیوا کی پابندی پر پاکستان کے مصمم ارادے کی یقین دہانی کرائی اور کہا کہ پاکستان نہ افغان مجاہدین کو ٹریننگ دے رہا ہے اور نہ وہ افغان مجاہدین کو فراہمی اسلحہ کا (ظاہر ہے زیر سرپرستی فراہمی اسلحہ کا) ذریعہ 'رستہ' بننے کا خواہش مند ہے۔ مزید بر آں پاکستان افغانستان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر سختی سے معاہدے پر عمل پیرا رہے گا۔ خبر میں یہ بھی نوید دی گئی کہ نورانی اور شیورڈ زناڈزے نے اس امر پر اتفاق رائے کا اظہار کیا کہ معاہدہ جنیوا پاکستان اور روس کے درمیان افزونی تعلقات کے لئے اہم موثر ثابت ہوگا۔ واپسی پر وزیر مملکت نے اس خبر کی توثیق میں کہا کہ سوویت یونین کے نزدیک دونوں ملکوں میں تعلقات کے مستقبل کا دارومدار معاہدہ جنیوا کے تقاضوں کی تسکین واتمام پر ہے 'روس کے مؤقف کی' کہ ظاہر ہے کہ اس سے جہاں نجیب حکومت کو تقویت واستحکام ملتا ہے وہاں افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی منزل مقصود سے محروم رہتی ہے۔

اب پاکستان کو اپنے قومی مفادات کے تحفظ واستواری میں ہر اقدام اور ہر پالیسی جائز اور روا ہے۔ انہی ٹھوس قومی مفادات کی روشنی میں صدر ضیاء الحق نے افغان مجاہدین کو اپنانے اور انہیں ہر نوع کی امداد

Marfat.com

پہنچانے کی پالیسی اختیار کی تھی کہ وہ افغانستان میں اپنی آزادی وبقا کے علاوہ پاکستان کی سالمیت کی بھی جنگ لڑ رہے تھے اور یہ اسی دور اندیش اور محکم پالیسی کا نتیجہ ہے کہ آج وہی سفاک روسی حملہ آور فوجی (انہوں نے بارہ لاکھ افغان شہید' تین لاکھ افغان اپاہج اور ستر لاکھ افغان وطن بدر کئے ) جو افغانستان پر قبضہ کرنے اور اس کے باشندوں کو بزور شمشیر کمیونسٹ بنانے آئے تھے' دم دبا کر کارواں در کارواں واپس جا رہے ہیں بلکہ افغان مجاہدین کی فوجی مداخلت سے تحفظ کے لئے یو این کا واسطہ ڈال رہے ہیں۔ تلک الایام ندرو لھا بین الناس۔ غالباً قومی مفادات کی روشنی میں ہی موجودہ وزیر مملکت برائے امور خارجہ نے اب افغان مجاہدین سے قطع تعلق کا اظہار کیا ہو گا لیکن پوچھنا یہ ہے کہ اگر پاکستان افغان مجاہدین کو فراہمئ اسلحہ کا روادار نہیں ہے اور اس کے لئے ذریعہ اور واسطہ بننے کو تیار نہیں ہے تو زین نورانی صاحب نے مذاکرات جنیوا کے دوران عبوری حکومت کے اہم ترین معاملے کو معاہدے پر دستخطوں سے ڈی لنک ( Delinked ) یعنی الگ کر کے سمٹری پر اتنا سخت اور غیر مفاہمتانہ مؤقف کیوں اختیار کیا تھا کہ جب تک امریکہ اور روس میں اس معاملے پر مفاہمت نہیں ہوتی وہ معاہدے پر دستخط کرنے کو تیار نہ ہوں گے؟ چنانچہ اسی جھگڑے کی وجہ سے دستخطوں پر کئی دنوں کی دیر ہو گئی۔

سمٹری کا مفہوم صاف تھا کہ اگر روس نجیب حکومت کو فراہمی اسلحہ کرتا رہتا ہے تو ایک برابر کے ضامن کی حیثیت سے امریکہ کو بھی حق ہے کہ وہ افغان مجاہدین کو اسلحہ کی فراہمی جاری رکھے۔ اصلاً پہلے امریکہ نے روس کو منفی سمٹری کی پیشکش کی تھی کہ دونوں پارٹیاں اپنے اپنے حلیفوں کو اسلحہ دینا بند کر دیں ( یہ معاہدہ جنیوا کے مطابق بھی ہوتا جس کی رو سے امریکہ کو روسی افواج نے انخلاء کی تاریخ سے ساٹھ دنوں کے اندر افغان مجاہدین کو فراہمی اسلحہ بند کر دینی تھی ) لیکن ماسکو کے انکار پر واشنگٹن نے مثبت سمٹری کی متبادل تجویز پیش کر دی اور بالآخر اسی پر فیصلہ ہوا کہ دونوں فریق امریکہ اور روس اپنے اپنے حلیفوں کو فراہمی اسلحہ کے مجاز ہوں گے۔ جب تک امریکہ اور روس کے درمیان یہ فیصلہ نہ ہوا' زین نورانی صاحب نے اپنا قلم مضبوطی سے اپنی جیب کے اندر تھامے رکھا اور معاہدے کا مسودہ بے دستخط مسٹر کارڈوویز کی الماری میں بند رہا لیکن جونہی واشنگٹن ماسکو میں ایک فارمولا طے پا گیا زین نورانی صاحب بھی دستخطوں پر راضی ہو گئے اور 14 اپریل کو چاروں پارٹیوں (امریکہ' روس' پاکستان اور نجیب کابل حکومت ) نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی موجودگی میں ایک دوسرے کے روبرو دستخط کر دیئے یعنی کہ چھ سال کے بالواسطہ مذاکرات جنیوا بلاواسطہ راضی نامے پر مختتم ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ امریکہ نے تو بطور ضامن برابری کی سطح پر دوسرے ضامن' روس سے افغان مجاہدین کو فراہمی اسلحہ کے لئے سمٹری کے حق کا مطالبہ کیا لیکن پاکستان نے اس امریکی روسی جھگڑے میں اپنی ٹانگ کیوں اڑائی کہ اس کے فیصلے سے اپنے دستخط مشروط کر دیئے؟ ظاہر ہے کہ زین نورانی صاحب نے اس مسئلے کو پاکستان کے لئے اتنا اہم اس لئے بنایا

Marfat.com

کہ انہیں اس مقصد سے بدرجہ غایت دلچسپی تھی کہ نجیب حکومت کے مقابلے میں جسے روسی اسلحہ ملتا رہے گا' افغان مجاہدین کو بھی امریکی فراہمی اسلحہ کا سامان وجواز قائم رہے اور وہ نسبتاً نہتے اور کمزور نہ ہو جائیں۔ اب یہ بھی ظاہر ہے کہ افغان مجاہدین کو فراہمی اسلحہ پاکستان کے ذریعے اور راستے ہی ہو سکتا ہے' اسی لئے معاہدہ جنیوا پر دستخط ہوتے ہی تبصرات شروع ہو گئے تھے کہ معاہدے کی عدم مداخلت کی تائید اور سمٹری کے اجراء میں کیا جوڑ ہے۔ بہرحال ایک بات صاف ہے کہ پاکستان نے معاہدے پر تبھی دستخط کئے جب سمٹری کا مسئلہ طے ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ عدم مداخلت پر معاہدے کے باوجود پاکستان افغان مجاہدین کی فراہمی اسلحہ سے ہاتھ نہ اٹھانا چاہتا تھا۔

حقیقتاً جنیوا مذاکرات کے جس مرحلے پر پاکستان کو اصلی زک پہنچی وہ عبوری حکومت کے مطالبے کو ترک کرنے پر تھی۔ اگر عبوری حکومت کا مطالبہ منوالیا جاتا (اور اس معاملے میں اگر پاکستان کو ماسکو کی مخالفت کا سامنا تھا تو واشنگٹن کی فریب دہی کا سامنا تھا) تو افغان مجاہدین منطقاً بآسانی اور فطری طور پر برسر حکومت آجاتے کہ کمیونسٹ غداروں کے متبادل اسلامی اقدار کے علمبردار ہی ہو سکتے تھے اور جس طرح روز بروز امریکی روسی چالوں کے چکر میں فیصلوں کی تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سپرپاورز کے پاس اپنی حکمت عملیوں کے لئے صداقت و حقیقت' ایقان و ایمان جیسی شے کی متاع عنقا ہے' ایسے اصول بے پیندے کے سیاسی سماں میں اگر حکومت پاکستان سے کچھ فہم اور کچھ دم خم کا مظاہرہ ہوتا اور وہ اپنے عبوری حکومت کے مؤقف پر اڑی رہتی تو واشنگٹن اور ماسکو زیادہ دیر تک اس کی مزاحمت نہ کر پاتے کہ دونوں طاقتیں اپنے اپنے مفادات کی خاطر معاہدہ جنیوا بروئے کار لانے پر تلی ہوئی تھیں اور یہ معاہدہ پاکستان کے دستخطوں کے بغیر بروئے کار نہ آسکتا تھا۔ گویا کہ معاہدہ جنیوا کی تکمیل میں پاکستان کلیدی کردار کا مالک تھا' افسوس کہ جہاں ہم نے اپنی کلیدی پوزیشن کا ادراک نہ کیا جو ہم تھیں اپنا بیٹھ و بدنتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے نمائندوں نے پاکستان کو فوری طور پر کابل میں ایک دوست اسلامی حکومت سے ہی محروم نہ کیا جس سے واقعی معجزہ رونما ہو جاتا بلکہ انہی نے افغانستان میں مزید خون خرابے کا دروازہ کھول دیا۔ عبوری حکومت سے اتر کر ہم سمٹری پر آگئے۔ سمٹری سے نہ کابل میں تبدیلی حکومت ہوتی جو روسی افواج کے انخلاء کو صحیح معنوں میں مکمل کرتی اور خانہ جنگی کی پیش بندی کرتی۔ اس سے صرف دو ذیلی نتائج مرتب ہوتے' ایک یہ کہ نجیب حکومت بھی افغان دھڑوں میں ایک دھڑا متصور ہوتی اور اس کی غیر نمائندہ حیثیت اجاگر ہو جاتی اور دوسرے یہ کہ افغان مجاہدین کو امریکی اسلحہ ملتا رہتا جو معاہدہ جنیوا کے مطابق بند ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن اب اگر زین نورانی صاحب روسی وزیر خارجہ کو یہ یقین دہانی کرا آئے ہیں کہ پاکستان افغان مجاہدین کو اسلحہ کی ترسیل کا رستہ نہ بنے گا تو اس کا مطلب ہے کہ عبوری حکومت کے بعد سمٹری بھی زائل ہوئی تو جناب پھر سمٹری پر اتنا اصرار کیوں تھا کہ قلم در جیب بند آپ سمٹری کے مسئلے

Marfat.com

کے حل تک معاہدہ جنیوا پر دستخطوں سے انکار کر رہے تھے! اگر پالیسی نے انہی خطوط پر چلنا تھا جو آپ کھینچ رہے ہیں اور ہماری خارجہ حکمت عملی کا مقصد وحید ماسکو سے دوستی کو پروان چڑھانا تھا تو چپکے سے جنرل سیکرٹری گورباچوف کی مقرر کردہ 15 ر مارچ کی تاریخ کو معاہدے پر دستخط کر دیتے اور ان کی ڈھیروں خیر سگالی کماتے۔ یہ یک ماہی سسپنس کا ڈرامہ رچانے کی کیا تک تھی جس سے تضیع اوقات کے ساتھ قومی دولت کا بھی ضیاع ہوا۔

بے شک ہمیں روس سے تعلقات بہتر کرنے کی ضرورت ہے' لیکن ایک تو یہ تعلقات امریکہ سے روابط کو کمزور کرنے کے متقاضی نہیں ہوسکتے کہ اس سے ہماری خارجہ پالیسی غیر توازن ہو جائے گی دوسرے ان تعلقات کی خاطر افغان مجاہدین سے لاتعلقی اختیار کرنا قومی خودکشی کے مترادف ہو گا بلکہ میں کہوں گا کہ ہمارے علاقے کے موجودہ سیاسی جغرافیائی حالات کے موضوع میں افغان مجاہدین سے تعلقات اپنے ہمارے خارجی سلسلہ تعلقات کی ترجیحات میں ترجیح اولیٰ کے سزاوار ہیں لیکن ان تعلّقات کی حساس نوعیت کا درک حاصل کرنے کے لئے جس ذہنیت' ذہانت اور فطانت کی ضرورت ہے وہ ماسکو سے وزیر مملکت کے بیان سے مترشح نہیں ہوتی۔

Marfat.com

# جونیجو صاحب کا جانا ناگزیر ہو گیا تھا

مجھے نہ محمد خان جونیجو صاحب کے جانے کا تعجب ہے نہ افسوس ' تعجب اس لئے کہ میں نے جنگ مورخہ 5 ر مارچ کو ہی برملا طور پر لکھ دیا تھا کہ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق اور سابق وزیر اعظم محمد خاں جونیجو میں مسئلہ افغانستان کے حل کے بارے میں شدید اختلافات رونما ہو چکے ہیں اور مجھے مسئلے کی سنگینی سے پیش نظر صاف نظر آ رہا تھا کہ

ع دل کا جانا ٹھہر گیا صبح گیا کہ شام گیا

افسوس اس لئے نہیں ہے کہ وہ ملک و قوم کا بہت کچھ نقصان کر کے گئے ہیں اور میرے خیال میں پاکستان میں جمہوریت کے احیاء کو زک پہنچا کر گئے ہیں۔ میں پہلے نقصانات کا ذکر کروں یا جمہوریت کشی کا؟ چلو پہلے جمہوریت کا ذکر کرتے ہیں۔ اب دنیا کو معلوم تھا کہ 85ء میں عام انتخابات غیر جماعتی بنیاد پر ہوئے ہیں ' مرکزی قومی اسمبلی کے ڈھائی سو کے قریب ارکان اپنی اپنی انفرادی کوششوں کے نتیجے میں منتخب ہوئے ہیں ' کوئی رکن اکثریتی یا اقلیتی پارٹی کو جتوا کر اسمبلی میں نہیں لایا چنانچہ کسی جماعتی حکومت کے بننے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ اس طرح جونیجو صاحب بذات خویش ضرور سندھڑی سے منتخب ہو کر قومی اسمبلی کے رکن بنے تھے لیکن وہ کسی بڑی پارٹی کے سربراہ نہ تھے کہ وزارت عظمیٰ کا قرعہ فال انہی کے نام کرنا تھا۔ جونیجو صاحب وزیر اعظم بنے تو صدر ضیاء الحق کی نامزدگی پر جو انہوں نے اپنی ذاتی صوابدید سے کی لیکن جونہی صدر مملکت نے جونیجو صاحب کو وزیر اعظم نامزد کیا۔ پورے ہاؤس نے ان کی نامزدگی پر صاد کر دیا۔ اس طرح جونیجو صاحب متفقہ طور پر وزیر اعظم بن گئے۔ اس صورت میں جونیجو صاحب تو یقیناً منتخب تھے

Marfat.com

لیکن ان کی وزارت عظمیٰ نامزد تھی لیکن انہوں نے شروع دن سے اپنی حکومت کو "منتخب حکومت" اور اپنے آپ کو منتخب وزیر اعظم کے لقب سے ملقب کر دیا۔ اب یہ عمل جمہوری روایات سے مطابقت نہ رکھتا تھا کیونکہ ان کی حکومت کو جمہوری تصورات کا آئینہ دار قرار دیا جاسکتا تھا۔ اس کے بعد اگلا جمہوریت کش مرحلہ تب شروع ہوا جب انہوں نے پیر پگارہ سے مسلم لیگ کی صدارت لے لی اور اسے اپنے لئے "باقاعدہ" بنانے کیلئے مسلم لیگ کے ڈھانچے کو توڑ کر رکھ دیا اور ایسایوں ہوا کہ چونکہ پرانی مسلم لیگ کونسل سے منتخب ہونا یقینی نہ تھا پارلیمینٹ کے اراکین پر مشتمل نئی کونسل بنائی گئی جس نے انہیں صدر بنا دیا۔ نہ صرف وہ مسلم لیگی حکومتی پارٹی میں شامل تھے بلکہ قانوناً اس پارٹی کی رکنیت برقرار رکھنے کے مکلف تھے اور نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کی صورت حال سے دوچار تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ پارلیمینٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی چار دیواریوں تک محدود ہو کر رہ گئی اور ہزاروں لاکھوں جدی پشتی وفادار مسلم لیگی یوسف بے کارواں ہو کر رہ گئے۔ پھر جونیجو صاحب نے ارکان اسمبلی کو پچاس لاکھ فی کس بجٹے کی عدیم النظیر مثال قائم کی (صدر ضیاء الحق نے بھی کرپشن کے عنوان تلے اپنی تقریر میں اس کا ذکر کیا ہے) بظاہر یہ بجٹہ رکن کے حلقہ انتخاب میں اس کی مرضی کے ترقیاتی کام کیلئے مقرر ہوا لیکن اوّل تو اب تک تین سال بعد جب ارکان ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ روپے لے چکے ہیں ہاؤس کے سامنے کوئی رپورٹ پیش نہیں کی گئی کہ انہوں نے ان خطیر رقوم کو رفاہ عام کے کس کس کام پر لگایا۔

مجھے پچھلے دنوں سیالکوٹ کے قصبے ظفروال جانے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا وہاں انٹرمیڈیٹ کالج کی کلاسیں "جیل" میں لگتی ہیں کیونکہ کالج کے لئے کوئی بلڈنگ نہیں بنائی گئی حالانکہ اس علاقے کے دو بھائی مختلف اسمبلیوں کے رکن رہے ہیں یعنی ایک ہی خاندان کو ستراسی لاکھ سالانہ وصول ہوتے رہے اور ان کے لئے مل کر یا علیحدہ ایک قصبے کے کالج کیلئے عمارت کا بنانا چنداں مشکل نہ ہوتا تو اگر ان حضرات کو اپنے مرکزی اور صوبائی حلقہ انتخاب میں ایسی بنیادی ضرورت کی تسکین کی اہمیت محسوس نہیں تو میں کیسے باور کرلوں کہ دوسرے ارکان بہت زیادہ حسّاس ثابت ہوئے ہوں گے؟ بہر حال یہ اپنی نوعیت کی واحد بخشش ہے جو جونیجو صاحب نے قومی اسمبلی کے ارکان کیلئے روا رکھی اور اس طرح نو مسلم لیگی ارکان پر اپنا کنٹرول قائم رکھا۔ چونکہ زیادہ تر یہ پیسہ تعمیر کے لئے دیا گیا سکول، ہسپتال، سڑک وغیرہ یہ کام بجائے خویش کرپشن سے پیوست ہے کہ کوئی ٹھیکیدار کمیشن کے بغیر کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا لیکن اس میں کرپشن کا ایک اور بھی بدتر پہلو یہ ہے کہ اگر یہ ارکان اپنے اپنے ڈیڑھ کروڑ یا اس کا کچھ حصہ پبلک کاموں کے مصرف میں لے آئے ہوں تو انتخابات میں انہیں اپنے حریفوں پر یقیناً برتری حاصل ہوگی کہ وہ اپنے کام کا کریڈٹ لے سکیں گے جبکہ ان کے حریفوں کے پاس اپنے رائے دہندوں کو اس قسم کی کسی "خدمت" کا سرمایہ پیش کرنے کو نہ ہوگا۔ بالفاظ دیگر ہر رکن اسمبلی کے لئے اپنے مخالف یا مخالفین پر صریح فوقیت حاصل

Marfat.com

کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ کیا اسے سیاسی کرپشن کا نام دینا غلط ہوگا؟ پھر ستم ظریفی یہ ہے کہ جہاں پالاپوس ارکان کو جا رہا ہے دعویٰ جماعتی سیاست کا ہے! میں نے اپنے کالموں میں تواتر سے اس بھتے کے نکتے کو اٹھایا لیکن کسی نے اس پر توجہ نہ دی۔ میں نے جنرل مجید ملک سے جو کرپشن کے خلاف بہت بڑھ چڑھ کے بول رہے تھے یہی دوٹوک سوال پوچھا لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جونیجو دور میں حکومت کا کوئی محکمہ نہیں جسے پاک سمجھا جائے جب ایوان نیابت ہی سرچشمہ سوء عملی و سوء فکری بن جائے تو ملک اس سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ میری ہاؤ ہو کا ایک ہی مسکت جواب ملا کہ میرے خلاف اسمبلی میں تحریک استحقاق اٹھائی گئی اور بااتفاق رائے پاس ہو گئی۔

مجھے حسرت ہی رہی کہ مجھے ایوان کے سامنے جوابدہی کیلئے بلایا جائے اور میں قوم کے نمائندوں سے دوبدو پوچھوں کہ

ع خودی کی موت ہو جس سے وہ سروری کیا ہے

پھر آپ کو پچھلے سال کا بجٹ تو یاد ہوگا دنیا کی پارلیمنٹوں کی کارروائیوں میں یہ پہلی اور واحد مثال ہوگی جب ہماری قومی اسمبلی میں ایک ہفتے کے اندر وزیر خزانہ کا پیش کردہ بجٹ وزیراعظم کے ہاتھوں یکسر الٹ پلٹ ہو گیا اور مجال ہے جو کسی کو شرمندگی ہو (ہمارے یہاں یہ بھی تو نہیں کہ دستور کے خلاف دونوں بجٹوں کو پیش کرنے سے پہلے صدر مملکت کی منظوری نہ حاصل کی گئی) نہ حکومت کو خیال آیا کہ وہ مستعفی ہو جائے نہ وزیر خزانہ کو کہ تارک دنیا نہیں تو تارک سیاست ہو جائیں۔ وزیراعظم وزیر خزانہ سمیت سب وزراء حکومت میں ہی موجود رہے (مجھے یاد ہے کہ برطانیہ کے ایک وزیر خزانہ نے محض اس بات پر استعفیٰ دے دیا کہ ان کے گھر سے نکلنے اور پارلیمنٹ تک پہنچنے کے دوران شام کے اخبار والوں نے ایک ٹیکس کا راز افشا کر دیا تھا جو وہ لگانے والے تھے) اب جمہوریتوں میں بجٹوں پر حکومتیں قائم ہوتی ہیں اور گرتی ہیں اور کسی حکومت کے بجٹ میں ایسا بحران آ جائے جیسا پچھلے سال ہمارے بجٹ پر آیا (اور جس کے مہلک مؤثرات سے ملک اس حد تک ماؤف ہوا کہ اگلے بجٹ کا خیال آتے ہی دم گھٹنے لگتا ہے کہ یہ اربوں کھربوں کا خسارہ کس طرح پورا کیا جائے گا) تو پھر انتخابات لازم ہو جاتے ہیں لیکن ہمارے حکومتی حلقوں میں ڈھٹائی کا یہ عالم تھا کہ وزیراعظم جونیجو نے اس قومی سانحے کو ملک میں کار انقلاب برپا کرنے کا سنہری موقع جانا اور اعلان کیا کہ افسروں کے لئے (ہاں ہاں جرنیلوں کیلئے بھی انہوں نے زور سے کہا) تمام بڑی گاڑیاں بند، اب سب کے لئے محدود یا چھوٹی گاڑیاں ہوں گی۔ ملک میں کار انقلاب سے پیدل یا بس رکشا سوار عوام پھولے نہ سمائے اور جونیجو صاحب کی خوب جے جیکار ہوئی درآنحالیکہ سوا ڈیڑھ سو بڑی کاروں کے گراؤنڈ یا گیراج کر دینے سے (کیونکہ ان میں بچت بہت کم) قوم کا لائف سٹائل نہ بدل گیا۔ سڑکوں پر مرسیڈیز اور دوسری بڑی گاڑیوں کی (جو تجار، ساہوکار، صنعتکار، زمیندار اور وڈیرا یا سمگلر

Marfat.com

لٹیرا استعمال کرتا ہے) کی کھینچ پچ جاری رہی اور ان کی قیمتوں میں پراپیگنڈے کے اثر سے کمی آئی اور چھوٹی گاڑی سوزوکی کی قیمت طلب بڑھ گئی۔ مارا گیا سفید پوش جسے اس گاڑی کو خریدنے کے لئے پچیس تیس ہزار کا ہرجانہ و جرمانہ لگ گیا۔ پچھلا سال جس اقتصادی زبوں حالی میں گزرا ہے اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ جہاں ڈاکٹر محبوب الحق سرکاری طور پر اعلان جاری کرتے رہے کہ چالیس پچاس ساٹھ بلین روپے ہر سال کارپوریشنوں میں حکام کی نذر ہو جاتے ہیں وہاں روپے کی قیمت ڈاکٹر صاحب کے حساب کتاب کی تیز رفتاری کے ساتھ گرتی رہی۔ اب جہاں تنخواہ دی ہے (کیونکہ انڈیکسیشن کا سسٹم ختم کر دیا گیا ہے) وہاں چیزوں کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں مگر جونیجو صاحب کو اقتصادیات سے شناسائی نہ تھی۔ وہ اے۔جی قاضی جانیں یا ڈاکٹر محبوب الحق اور زیادہ تر اے۔جی قاضی جن پر جونیجو صاحب کو پورا اعتماد تھا اور جن کے طفیل بقول صدر محترم ہم "نیم دیوالیہ" حالت کو پہنچ چکے ہیں۔ جونیجو صاحب تو سیاست کے آدمی تھے اور وہ سیاست کی طرف لگے رہے اور انہوں نے بڑے زبردست نعرے لگائے۔ ایک تو پانچ نکاتی اصلاحات کا پروگرام (خدا جانے وہ کتنے لوگوں کی سمجھ میں آیا پہلے عوام چھ نکاتی پروگرام سنتے آئے ہیں لیکن وہ نتیجہ نکلنے کے بعد ہی سمجھ آیا) پھر ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے مارشل لاء اٹھایا۔ یہ دعویٰ بھی اتنا ہی بے بنیاد تھا جتنا منتخب حکومت کا دعویٰ کہ جس طرح جونیجو صاحب کو صدر ضیاء الحق نے وزیراعظم نامزد کیا تھا اسی طرح مارشل لاء اٹھانے کی طاقت صرف چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یعنی صدر ضیاء الحق کو حاصل تھی۔ وہی مارشل لاء اٹھا سکتے تھے اور انہوں نے ہی مارشل لاء اٹھایا، لیکن جونیجو صاحب پورے تین سال اپنے کارناموں میں اسی شاہکار کا ذکر دہراتے رہے کہ انہوں نے ملک سے مارشل لاء اٹھایا جونیجو صاحب کی سیاست کھلی کچہریوں اور درباروں تک ہی محدود رہی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں مسلم لیگ تو پہلے ہی جونیجو صاحب کو صدر بنانے کی ریاضت میں مجروح و اپاہج ہو گئی تھی اور جو روح اس میں رہ گئی تھی وہ دوسری پارٹیوں کے طالع آزماؤں سے جوڑ توڑ کی نذر ہو گئی۔ عوام سے اس کا رابطہ نہ ہوا اور اس کا منظر میں نے خود پندرہ ہزار کی آبادی کے قصبہ ظفروال میں دیکھا جہاں تمام کے تمام نوجوان مقرروں نے حکومت کے لتے لئے اور محض اس وجہ سے کہ کوئی لیگی ترجمان ان تک نہ پہنچا تھا۔ میں ان نوجوانوں کے اخلاص سے اس لئے متاثر ہوا کہ جب میں نے ان کے نکات کی توضیح کی تو انہوں نے میرے نقطہ نگاہ کو ماننے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔

یہ بات تو ماننی پڑے گی کہ صدر ضیاء الحق نے مسٹر محمد خان جونیجو کو بڑے خلوص سے وزیراعظم نامزد کیا، ان کی نامزدگی میں کچھ سندھ کا خیال تھا، کچھ جونیجو صاحب کی ذاتی شرافت پیش نظر تھی اور کچھ پیر پگارا کا دخل تھا بعد میں ان کے دخل نے صدر اور وزیراعظم کے تعلقات کو مکدر کرنے میں کچھ کم کردار ادا نہ کیا

Marfat.com

کہ وہ چوہے اور بلی کی تمثیلوں میں باتیں کرنے لگے لیکن صدر موصوف کے ہاتھ بندھے نہ تھے کہ جونیجو صاحب کو نامزد کرنے پر مجبور تھے' اُن کے سامنے کئی متبادل نام تھے اور بلوچستان کے ظفراللہ خان جمالی بہت طاقت ور اور پُرامید امیدوار تھے۔ نہ صرف انہیں صدر نے نامزد کیا بلکہ صدر کی ایماء پر ہی ہاؤس نے ان کی نامزدگی پر مہر تصدیق ثبت کی' اسی دستور کے تحت کہاں بھٹو اور فضل الٰہی کا جوڑ تھا کہ مؤخرالذکر صدر کا قدم وزیراعظم کے قدم سے آگے نہ بڑھ سکتا تھا اور کہاں اسی دستور میں تھوڑی سی ترمیم نے جونیجو صاحب کو صدر مملکت سے ذیلی پوزیشن پر لا کھڑا کیا' اب حقیقت یہ ہے کہ دستور میں آٹھویں ترمیم سے ضرور کچھ فرق پڑا ہے کہ اس نے صدر کو چودھری فضل الٰہی کی بے حیثیتی سے اٹھا کر ہندوستان کے نارمل صدر کی حیثیت پر متمکن کر دیا ہے کہ وہ بھی پارلیمینٹ کو توڑنے کا اختیار رکھتا ہے ورنہ جونیجو صاحب کی پوزیشن کسی ہندوستانی وزیراعظم سے کم تر نہ تھی' جونیجو صاحب کی پوزیشن اس لئے کمزور نہ تھی کہ وہ صدر کے ہاتھوں نامزد ہوئے تھے (ہندوستان انگلستان میں پارلیمانی جمہوریتوں میں سربراہ مملکت ہی وزیراعظم کو نامزد کرتا ہے اور ملکہ برطانیہ نے بٹلر کی بجائے انتھی ایڈن کو نامزد کر دیا حالانکہ بٹلر سینئر وزیر تھے اور عرصے سے وزارت عظمیٰ کے امیدوار تھے۔ جونیجو صاحب کی اصل کمزوری یہ تھی کہ وہ اسمبلی میں کسی بڑی اکثریتی پارٹی کو جیتا کر نہ لائے تھے جیسے کہ بھٹو صاحب لائے تھے اور اس کی وجہ صاف تھی کہ 85ء کی اسمبلی کے انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر منعقد ہوئے تھے۔ ان حالات میں مسٹر جونیجو کی پوزیشن معمول کے وزیراعظم کی نہ ہو سکتی تھی پھر بھی انہیں پورے ہاؤس کا اعتماد حاصل تھا اور بشرطیکہ ہاؤس غیر جماعتی رہتا جس پر اکثر ارکان مصر تھے اور اس طرح ان کے اختیارات دنیا کے کسی وزیراعظم سے کم نہ تھے۔ جونیجو صاحب اس صورت حال کی لہروں کے رخ کے خلاف تیرنے پر تل گئے اور مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی بنا کر اس کے صدر بن گئے' یہ قومی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی بننے کا نتیجہ تھا کہ ہاؤس میں حزب اختلاف نے جنم لیا اور اس طرح غالباً جونیجو صاحب واحد وزیراعظم ہیں جنھوں نے اپنے خلاف حزب اختلاف کو کھڑا کرنے کا کرتمہ سرانجام دیا' سوال ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے محرکات نفسیاتی ہیں' وہ صدر ضیاءالحق کے تابع وزیراعظم نہ بننا چاہتے تھے' وہ صدر ضیاءالحق کے ہاتھوں اپنی نامزدگی کا دھبہ دھونا چاہتے تھے کیونکہ جب انہیں قانون اور پچاس لاکھ بھتے میں جکڑی ہوئی مسلم لیگ پارٹی ہاتھ آگئی تو وہ اس کے ذریعے جو چاہے قومی اسمبلی سے کروا سکتے تھے اور اس طرح وہ صدر کے برابر بلکہ ان سے اونچے مقام پر ایستادہ ہو گئے اور پھر انہوں نے انتظامیہ کو یوں چلانا شروع کر دیا کہ بقول صدر ان کی حیثیت ایک ایسے واعظ کی ہو کر رہ گئی جس کی چیخ و پکار صدا بصحرا ثابت ہو (اور اسی صورت حال پر پیرپگارا کا تبصرہ تھا کہ چوہا بلی سے زیادہ طاقتور ہو گیا ہے) میرے خیال میں اگر معاملہ انتظامیہ تک رہتا تو صدر مملکت زیادہ جزبز نہ ہوتے لیکن معاملہ اس سے آگے بڑھا۔

Marfat.com

صدر ضیاء الحق کے دور حکومت کا سب سے بڑا معرکہ (جو تاریخ کی کتابوں میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا اہم اور فیصلہ کن موڑ شمار ہو گا) افغانستان کا مسئلہ تھا' جس مجاہدانہ پامردی' ثابت قدمی اور عزم و حوصلے سے صدر موصوف نے افغانستان پر روس کے حملے کے خلاف پاکستان میں محاذ قائم کیا' اس کی نظیر ملنا محال ہے' مسلم افغانستان کو الحاد کی یورش سے بچانے کیلئے انہوں نے تن من دھن کی بازی لگادی اور ساڑھے آٹھ سال کے اس جہاد عظمیٰ میں ان کے پائے استقلال میں ذراسی لرزش نہ آئی تا آنکہ روسی سپر پاور کو اپنے قدم پیچھے ہٹانے پڑے اور آفرین ہے پاکستانی قوم کو کہ صدر کے فیصلے پر وہ افغان مجاہدین کی مدد پر ڈٹی رہی' یہ ممولے اور شہباز کی لڑائی تھی جس میں اقبالؒ کی دعا کا اثر شامل حال تھا' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بار گاہ میں التجا کی تھی کہ مسلمانوں کو ایمان وایقان کی ایسی نا قابل مزاحمت قوت عطا کر کہ

ع لڑا دے ممولے کو شہباز سے

کا نقشہ کھچ جائے' چونکہ یہ جہاد صدر ضیاء الحق کی دور رس مومنانہ فراست سے پیدا حکمت عملی کا ثمرہ تھا اور افواج پاکستان کی کمان سے مختص تھا' اس معاملے کو جمہوری حکومت کے نفاذ کے بعد بھی صدر محترم کے ہاتھوں میں رہنا چاہئے تھا لیکن جونیجو صاحب کو یہ بھی برداشت نہ تھا کہ صدر ضیاء الحق کی اتنی کامیابی سے چلائی ہوئی پالیسی کا کریڈٹ انہیں جائے چنانچہ جونیجو صاحب نے عین وسط دریا (Mid stream) صدر محترم کے با اعتماد قابل اور تجربہ کار وزیر خارجہ صاحب زادہ یعقوب خاں کو بدل دیا اور امور خارجہ کا محکمہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا' اگر جونیجو صاحب صدر محترم کی پالیسی کے نشیب و فراز کو سمجھ لیتے اور اسی پالیسی پر گامزن رہتے تو بھی ملک کا زیادہ نقصان نہ ہوتا' لیکن نہ صرف انہوں نے امور خارجہ کو عالمی معاملات سے شناسائی نہ رکھنے والے وزیر مملکت کو سونپ دیا بلکہ ایسے اقدامات کئے جن سے صدر کی پالیسی ڈس کریڈٹ ( Discredit ) ہو یعنی غلط ثابت ہو بلکہ صدر رائے عامہ سے الگ تھلگ اور تنہا ہو کر رہ جائیں۔ انہوں نے پارلیمانی اور غیر پارلیمانی سلسلہ مشاورت سے ایک طرف اس امر کا مظاہرہ کرنا چاہا کہ صدر مملکت کا اب مسئلہ افغانستان کے سلجھانے میں کوئی ہاتھ اور حصہ نہیں رہا' وہاں روسیوں کو یہ پیغام پہنچایا کہ پاکستان کیسا بھی معاہدہ جنیوا ہو' اس پر دستخط کرنے کو تیار ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روسی ہمیں کسی قسم کی مراعات دینے سے انکاری ہو گئے اور اس طرح کابل میں عبوری حکومت سے تو ہم محروم ہو ہی گئے لیکن سمٹری کی بلا بھی ہم نے مول لے لی' اگر صدر بیچ میں آڑے نہ آتے تو جونیجو حکومت 14 ر مارچ کی روسی مقرر کردہ تاریخ کو ہی دستخط کر دیتی' یہ ہماری عجلت تھی کہ ابھی انخلاء کا عمل پورا نہ ہوا تھا اور مسٹر کارڈووِیز نے کابل میں نئی حکومت بنانے کا مشن بھی نہ سنبھالا تھا کہ ہم نے وزیر مملکت کی زیر قیادت ایک خیر سگالی

Marfat.com

مشن ماسکو بھیج دیا' اس سے کیا ملا۔

ہم اسی بات سے خوش ہو گئے کہ روس نے معاہدے پر دستخط کر دیئے ہیں حالانکہ روس کے مقابلے میں ہماری پوزیشن بدرجہا زیادہ بھاری و مستحکم تھی کہ افغان مجاہدین نے روسی افواج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا' بالادستی تھی تو ہماری تھی لیکن جیسے ہم نے جلد بازی اور دون ہمتی سے عبوری حکومت کھوئی' اسی طرح ہم نے اپنی بالادستی کو زیردستی میں تبدیل کر دیا کہ زین نورانی ماسکو میں وعدہ کر آئے کہ ہم پاکستان سے افغان مجاہدین کو کوئی امداد فراہم نہ کریں گے' تو پھر سمجھئے کہاں گئی جس پر پاکستان اتنا زور دے رہا تھا کہ اگر امریکہ اور روس میں اس پر کوئی مفاہمت نہیں ہوتی تو ہم معاہدہ جنیوا پر دستخط نہیں کریں گے؟ زین نورانی کے شیو رڈناڈزے سے وعدے کا یہ اثر ہے کہ ماسکو نے پاکستان پر افغان مجاہدین کی مدد کرنے کے بہانے ہم پر معاہدہ شکنی کے تابڑتوڑ حملے کرنے شروع کر دیئے' جونیجو صاحب کے مسئلہ افغانستان کو اپنی تحویل میں لینے کا یہ نتیجہ نکلا کہ پاکستان جیتی ہوئی بازی ہارتا معلوم دینے لگا۔

میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ افغانستان میں جہاد مسلمانان عالم کی نشاۃ ثانیہ میں ایک اہم اور فیصلہ کن موثر حیثیت رکھتا ہے' اگر کابل میں افغان مجاہدین کے ذریعے ایک اسلامی اور پاکستان دوست حکومت قائم ہو جائے تو پاکستان اور افغانستان علاقے میں ایک سنگلاخ قلعے کی صورت اختیار کر سکتے ہیں [illegible] پاکستان ہندوستان اور کابل میں روسی اثرورسوخ کے محاصرے میں [illegible] عافیت کو خطرات درپیش ہو جائیں گے اور ہمیں جن سے [illegible] چھتی رہتی جس پر جونیجو صاحب نے اس کو توڑ ڈالا تھا افغانستان میں ہندوستان [illegible] حکومت کا قیام یقینی تھا (نجیب حکومت کو کمزور نہ جانئے کہ اس کی روسی اعانت کے علاوہ [illegible] سرحدوں پر خطرے کی نشاندہی کی ہے) ایک [illegible] لئے ہندوستان مشرقی سرحدوں پر چیلنج کر سکتا ہے) جس کا مطلب [illegible] کی تمام جدوجہد و قربانیاں رائیگاں جاتیں [illegible] پاکستان کے دفاع کے نہ [illegible] سکتے تھے [illegible] قوم کے مستقبل [illegible] انہوں نے ڈنکے کی چوٹ کہا ہے کہ وہ مجاہدین کی مدد [illegible] جونیجو حکومت کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اس نے روسی افواج [illegible] اسلامی حکومت بننے کا موقع کھو دیا ورنہ عبوری حکومت کا [illegible] میں پاکستان کا کردار اس قدر کلیدی تھا کہ بالآخر اسلامی حکومت [illegible] ہمارے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتے [illegible]

Marfat.com

افغانستان کی رفاقت کا خواب پورا ہو جاتا' اگر معاہدہ جنیوا کی مرحلہ وار پیش رفت کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو اس وقت افغانستان میں خون خرابہ کا سبب ہماری غلطی ہے تو افغانوں کا خون کس کی گردن پر ہے؟
ضیاء الحق کا عزم مصمم ہے کہ اس کی تلافی کی جائے اور یہی عزم مجھے حکومت کی تبدیلی کا سب سے بڑا محرک نظر آتا ہے۔

Marfat.com

# پس چہ باید کرد

جب آپ مان چکے ہیں (اور یہ بات خود سابق وزیراعظم محمد خان جونیجو نے مانی ہے) کہ صدر ضیاء الحق کا اقدام برخاستگی وزارت دستور کے مطابق تھا' قانونی اور جائز تھا اور اسی لئے مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے اسے سپریم کورٹ میں اٹھانے کی تحریک و تجویز کو مسترد کر دیا تو اس امر کی کہاں گنجائش رہ گئی کہ اس اقدام کو "غیر جمہوری" قرار دیا جائے' صدر مملکت نے اپنے اقدام کی جو وجوہات دی ہیں' ملک میں نظم و ضبط' قانون و امن کی عملداری کا فقدان' کرپشن کا وبائی نفوذ' ملکی اقتصادیت کی نیم دیوالیہ حالت وغیرہ' لیکن جس چیز کا انہوں نے بطور خاص ذکر نہیں کیا لیکن مجھے ان کے اقدام کا اصل محرک نظر آتا ہے وہ قومی اسمبلی اور مسلم لیگ کے پارلیمانی ارکان میں جمہوری روح کی کمیابی ہے کہ جمہوریت اداروں اور دستوروں سے نہیں بلکہ میلان طبع اور پختگی کردار سے پروان چڑھتی ہے' اب کیا جمہوری تاریخ کے کسی دور میں ایسا ہوا ہے (انگریزوں کی قائم کردہ اسمبلیوں میں یا مابعد پاکستانی اسمبلیوں میں) کہ ارکان کو پچاس پچاس لاکھ روپے فی کس سالانہ ترقیاتی وظیفہ دیا جائے؟ جمہوری سیاست کا تعلق تو مقصد سے قومی خدمت کے جذبے اور کسی معاشی معاشرتی پروگرام کے اتباع سے ہوتا ہے اور سیاست سے تعلق رکھنے والے لوگ مالی قربانیاں دینے کو تیار ہوتے ہیں' خود آزادانہ طور پر پیسے خرچ کر کے انتخابات لڑتے ہیں' اپنی پسند کی پارٹیوں کو چندے دیکر ان کے پلیٹ فارم کو عوام میں مضبوط کرتے ہیں' ارکان کو پیسے دینے کی غیر جمہوری رسم جونیجو صاحب نے شروع کی اور صدر صاحب نے اپنے پروگرام میں جن امور کا ذکر فرمایا ہے ان میں کم از کم احتساب پر ضرور عملدرآمد ہونا چاہئے خاص طور پر اس لئے کہ جہاں ان کے پاس اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے وقت کم ہے وہاں انہوں نے اپنے پہلے مارشل لائی دور میں اس ضمن میں

Marfat.com

خاطر خواہ عمل نہیں کیا اور احتساب کا وعدہ ''چھوٹ'' کی بھینٹ چڑھ گیا' حقیقتاً ان پیسوں کی تقسیم نے سیاست کی تذلیل کی اور اسے ڈی گریڈ Degrade کیا اور قوم کے اخلاق پر بہت برا اثر ڈالا' اس سے حکام کو شہ ملی تو عوام کو کھل ملی سب کا ٹارگٹ ( Target ) اور ہدف پیسہ بنانا ہو گیا' واقعی محمود وایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے' پھر جمہوری نقطۂ نگاہ سے ہی جونیجو صاحب نے ایک طرف تو جماعتی سیاست پر اتنا زور دیا کہ قومی اسمبلی کے کردار اور صدر مملکت کی رائے کے علی الرغم مسلم لیگ بنا ڈالی لیکن دوسری طرف اسے ایسا نظر انداز کیا کہ اس کے کریڈٹ دلوانے کی کوئی سبیل نہ نکالی 'اگر مقصود جماعتی سیاست کا احیاء تھا (اور اسی پر جمہوریت قائم ہوتی ہے) تو ترقیاتی کام ارکان کے ذریعے انفرادی طور پر نہ کرایا جاتا' بلکہ جماعت 'مسلم لیگ کے ذریعے کرایا جاتا تاکہ اسے نیک نامی حاصل ہوتی اور سیاست کی جماعتی بنیاد استوار ہوتی اور سب سے اولیٰ' یہ کام حکومت کے ذریعے ہوتا کہ اس کا کریڈٹ مسلم لیگ حکومت کو ملتا' ویسے بھی فی زمانہ جب سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ملکوں میں بھی منصوبہ بندی کا رواج چل گیا ہے' حکومت ہی ایسی منصوبہ بندی کی اہل ہو سکتی ہے جو ضرورت کے مطابق مختلف علاقوں میں بہبود کے کام سرانجام دے' انفرادی طور پر ایسے کاموں میں کرپشن کا عنصر داخل ہونے کے علاوہ افراتفری اور ضیاع کا سماں پیدا ہوا' تو میری دانست میں جونیجو صاحب کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ انہوں نے صدر ضیاء الحق کے لگائے ہوئے جمہوریت کے پودے کو نشوونما کا موقع نہ دیا' ورنہ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو جاتا تو اگلا قدم مکمل جماعتی جمہوریت کی طرف ہی بڑھتا۔

لیکن جو ہو گیا' سو ہو گیا' اب تو مستقبل کی طرف دیکھنا ہے' عجب چیز ہے کہ میں موجودہ صورت حال کو مایوس وہراساں محسوس نہیں کرتا سب سے پہلے تو دستور قائم ہے اور جملہ شہری آزادیاں بحال ہیں بلکہ تین ماہ میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ حکومتوں کا ٹوٹنا اور زمانہ بہ زمانہ انتخابات کا بار بار منعقد ہونا تو جمہوریت کا خاصا ہے' ڈی گال سے پہلے فرانس میں اتنے انتخابات ہوتے تھے کہ کسی حالیہ وزیراعظم کا نام جاننا مشکل ہو جاتا تھا' آجکل یہی عالم اٹلی کا ہے' حکومتیں ادلتی بدلتی رہتی ہیں اور شاید اب تک کم و بیش ہر جماعت کا لیڈر سربراہ حکومت بن چکا ہے تو ہمارے ہاں کونسی قیامت ٹوٹ پڑی جو حکومت کو توڑ ڈالا' بلکہ میں تو کہوں گا کہ حکومت کے تین سوا تین سالہ ثبات سے جو جمود' بودیت اور سیاسی گھٹن پیدا ہو گئی تھی کہ جہاں حکومتی پارٹی مسلم لیگ تعطل کا شکار ہو چکی تھی (ذرا اسمبلی کا ریکارڈ نکال کر دیکھئے کہ کتنی بار اجلاس محض کورم کی نایابی کی وجہ سے ملتوی ہو گیا) اور اپنی اکثریت کے زعم اور افسر شاہی کی مدد سے توقع کے انحصار کی بناء پر فعال ہونے سے معذور ہو گئی وہاں ایم آر ڈی اپنے فکری و نظریاتی تضادات نیز بدنظمی و بے ربطی سے اپاہج و مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ صدر ضیاء الحق کے عمل سے وہ گھٹن کی فضا چھٹ گئی ہے اور سیاست میں ہاچل اور زندگی پیدا ہو گئی ہے۔ اس پیش رفت کا سب سے مستحسن پہلو خود جونیجو صاحب کا باوقار مؤقف

Marfat.com

ہے' انہوں نے بے شک صدر کے اقدام کو "غیر جمہوری" قرار دیا لیکن وہ اس سے آگے ہی نہ بڑھے بلکہ انہوں نے دوسروں کی اشتعالت کے باوجود صدر مملکت سے بھڑنے سے انکار کر دیا' انہوں نے دستوری طریقہ اختیار کیا کہ ہاں انتخاب لڑیں گے اور اپنے حکومتی ریکارڈ پر لڑیں گے' میرے خیال میں اس رویے سے نہ صرف جونیجو صاحب کا قد بڑھا اور انہوں نے اپنے آپ کو واقعی "شریف النفس" ثابت کیا' بلکہ اس سے مثبت سیاست کی راہیں کھلنے کے امکانات پیدا ہوئے' جونیجو صاحب کے مدبرانہ طرز عمل کا ایک فوری نتیجہ تو یہ نکلا (اور اس کا ملکی سیاست پر گہرا اثر پڑے گا) کہ حکومتی مسلم لیگ ہی نہیں حالانکہ اس کے چند اہم ارکان نے صدر ضیاء الحق کی سرپرستی میں صوبوں کا نظم و نسق سنبھالنا قبول کر لیا تھا اور جن کے خلاف پارٹی میں سخت ردعمل تھا' مسلم لیگ کا صحیح و سالم رہنا نیک فال ہے کہ ملک میں وہی ایک پارٹی ہے جسے تحریک پاکستان اور قائداعظمؒ کا واسطہ دے کر راہ راست پر رکھا جانے کی کوشش کی جا سکتی ہے بہرحال تخت اقتدار سے اتر کر اب مسلم لیگ کو کچھ متحرک ہونا پڑے گا' اسی طرح ایم آر ڈی اور دیگر پارٹیوں کو صدر ضیاء الحق کے خلاف سطحی بیانات کی غیر عملی سطح سے اتر کر اب ملک و قوم کے سامنے کچھ مثبت و تعمیری پروگرام پیش کرنا پڑے گا اور انہیں اپنی نشستند و گفتند و برخاستند قسم کی [illegible] صحبتوں سے نکل کر عوامی رائے اور قومی مفاد کے سورج کی روشنی میں اپنے منشورات و تصورات کو جانچنا پرکھنا پڑے گا' اب بزنجو ولی خان کی رائے کافی نہ ہوگی' اب عوام کے ووٹ لینے کیلئے صدر ضیاء کو دشنام سنانے کی بجائے محمد خاں جونیجو اور مسلم لیگ کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو خود اقتدار سے محروم کر دیئے گئے ہیں

؎ انقلابات ہیں زمانے کے

ابھی کل تک یہ نہیں تھا کہ [illegible] اقتدار مسلم لیگ کا مقابلہ ایم آر ڈی سے ہوگا اور [illegible] کہ دونوں جماعتیں اپوزیشن میں کھڑی ہیں اور دونوں اقتدار [illegible] بڑھتے اکٹھے ہو کر انتخابات لڑیں کیونکہ اب محمد خاں جونیجو بھی [illegible] ناراض و نالاں ہیں؟ مجھے ایسی توقع نہیں [illegible] پیر صاحب مسلم لیگ کو ایم آر ڈی میں ضم ہونے [illegible] سے بڑے [illegible] راضی ہوں گے ۔ بقول شخصے ۔

؎ آخری وقت میں [illegible]

جبکہ مسلم لیگ کا ایک نعرہ تھا

؎ مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

نہیں [illegible] مسلم لیگ اور ایم آر ڈی میں [illegible]

Marfat.com

پارٹیوں پر تفوق کی دعویدار تھیں تو وہ جونیجو اور پیر پگارہ کے کیوں "تھلے" لگنے لگیں اور مقابلہ خاصا گرما گرم ہو گا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ صدر ضیاء الحق کا کیا ردعمل ہو گا؟

چونکہ گیند ان کے کورٹ میں ہے 'کھیل کی پہلی چال وہی چلیں گے' دو نکات پر تو صدر ضیاء الحق اپنی چال کی نشاندہی کر چکے ہیں اول یہ کہ انتخابات 90 دن کے اندر ہوں گے دوم 'موجودہ نظام کے تحت وہ جماعتی ہوں گے' میں سمجھتا ہوں کہ صدر محترم کی طرف سے ان نشاندہیوں کی نوعیت محض رسمی واطلاعتی نہ تھی کہ ایک دستوری تقاضا ہے تو دوسرا سابقہ حکومتی جماعت کا فیصلہ۔ میرے خیال میں وہ ان نکات پر قائم رہیں گے' ملک میں ایک وکالتی و سیاسی مکتب فکر ضرور موجود ہے جو حکومت کو توڑنے کے ضمن میں دستور کی زیر حوالہ شق کی یوں ترجمانی کرتا ہے کہ دستور میں تین ماہ کی قید کا صرف یہ مطلب ہے کہ اس دورانئے میں انتخابات کے انعقاد کی تاریخ دے دی جائے گی تاکہ انتخابات منعقد کرا دیئے جائیں گے' لیکن میری رائے میں (اگر اس کا کوئی قانونی جواز ہو بھی تو) خود صدر محترم کے نقطۂ نگاہ سے یہ دستوری موشگافی نقصان رساں ثابت ہو گی' بات یہ ہے اور پاکستان میں ہم اب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ ہر شے استدلال کے احاطے میں نہیں سماجی' معاشرے میں ایک لاشعوری اجماع کا وجود بھی ہوتا ہے جو بحث کی دسترس میں تو نہیں آتا لیکن انسانی محرکات کی تشکیل میں ہمہ وقت کار فرما رہتا ہے' اسی چیز کو انگریزی سماج میں Sense of the house یعنی کسی معاملے پر مجلس کا غیر مبینہ مگر محسوس کردہ فیصلہ قرار دے کر بغیر ووٹ لئے اسے نمٹا دیتے ہیں' اب حقیقت یہ ہے کہ صدر کا اقدام دستوری اور قانونی تسلیم کر لیا گیا ہے' لیکن اس امر سے بھی انکار ناممکن ہے کہ جانبدار سیاسی حلقوں کو چھوڑ کر جو حکومت کے خلاف تھے (خصوصاً اس لئے کہ وہ اسے صدر ضیاء الحق کی حکومت سمجھتے تھے) اور فوری درمیانی انتخابات کا مطالبہ کر رہے تھے' عام لوگوں کی نظروں میں سابق وزیراعظم جونیجو "مظلوم" نظر آتے ہیں اور جس خاموش طریق سے بینظیر بھٹو کے شور و پکار دھمکی اور چیلنج کے خلاف وہ منظر حکومت سے ہٹے ہیں عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ چسپاں ہو رہی ہیں اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ وقت گذرتا گیا اور انتخابات کے آثار نہ دکھائی دیئے تو نہ صرف یہ ہمدردیاں گہری ہوتی جائیں گی اور انتظامیہ کے خلاف جذبات بھڑکنے لگیں گے بلکہ ایک ایسا سمہ بھی آسکتا ہے کہ مسلم لیگ اور ایم آر ڈی مشترکہ محاذ بنالیں۔ حکومت اور عوام میں بعد کسی وقت بھی ملک کے مفادات کو راس نہیں لیکن خاص طور پر اس لمحے جب پاکستان افغانستان میں موت وحیات کی اہمیت کے مسئلے میں الجھا ہوا (اور مجھے یقین ہے کہ صدر محترم اس مسئلے کو مکمل طور پر طے کروانے کو اپنی اوّلین ترجیح قرار دیں گے) یہ تناؤ خطرناک نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس لئے انتخابات کو معینہ تاریخ پر ہو جانا چاہئے' دوسرا معاملہ جماعتی ہے' اس پر بھی کسی ایس و آں کی ضرورت نہیں' اگر پارلیمانی جمہوریت ہی

Marfat.com

پاکستان کا مقدر ٹھہرا تو پھر جس سیاست کی بنیاد مضبوط ہونی چاہئے یعنی ملک میں وسیع و عریض ملک گیر پارٹیاں ابھرنی چاہئیں کہ وہ حکمرانی کا بوجھ اٹھا سکیں اور پارٹیاں تبھی طول و عرض گہرائی و گیرائی پکڑتی ہیں اور سب سے بڑھ کر ذمہ دار بنتی ہیں جب وہ عوام سے وابستہ ہوں' ان کے سامنے جواب دہ ہوں اور پھر انتخابات کے ذریعے ایک دوسرے سے نظائر اور مقبولیت کی بنا پر انتخابی آزمائش سے گزریں حب الوطنی کے سوال پر کوئی قدغن نہیں لگنی چاہئے اور حب الوطن نہ وطن کو توڑنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ خارجی طاقتوں سے پیسہ لینے کی' میرے خیال میں فی الوقت پارٹیوں کے اثرونفوذ کی ایسی صورت ہے کہ شاید کوئی پارٹی فیصلہ کن اکثریت حاصل نہ کر سکے اور بالآخر انہیں صدر مملکت کی رہنمائی کی ضرورت ہو۔

میں یہاں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جو ہمارے ہاں عام طور پر نہیں کہی جاتی اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قابل افراد کے قدردان نہیں ہوتے' جس طرح صاحب زادہ یعقوب خاں کو وزارت خارجہ سے رخصت کیا گیا' وہ واقعی دلخراش واقعہ تھا اور میرا دل مسوس کر رہ گیا۔ ایسے تجربہ کار اور قابل سفارتکار کو آپ محض ذاتی' سیاسی وجوہ پر اتنے نازک موقع پر الگ کر دیتے ہیں جب مسئلہ افغانستان ایسے نقطہ حل کی طرف پہنچ رہا ہے جو پاکستان کی ابدی سرخروی کا باعث ہو اور جسے اس نقطہ پر لانے کیلئے صدر مملکت کے بعد سابق وزیر خارجہ نے اتنی محنت کی جتنی آسمان سے تارے توڑنے میں لگتی ہے اسی طرح میں عرض کرتا ہوں کہ صدر ضیاء الحق کی قدر کیجئے ایسے انمول موتی راہوں پر پڑے نہیں مل جاتے ان کی استعداد خداداد اور عمر بھر کی ریاضت کا پھل ہوتی ہے۔ صدر محترم پاکستان کی واحد شخصیت ہیں جو حقیقی معنوں میں بین الاقوامی اہمیت کے حامل ہیں' ان کا یہ عالمی مرتبہ اور ان کی پاکستان سے بے پناہ لگاؤ و عقیدت' اس ملک اور اس قوم کا اثاثہ ہیں' اس اثاثے کو محض اس لئے ضائع نہ کیجئے کہ مارشل لاء اور صدر ضیاء وہرانے سے آپ کا نام بنتا ہے' بنا کیا چھپتا ہے' کیونکہ صحیح طور پر نام بنانے کیلئے تو جان جوکھوں میں ڈالنی پڑتی ہے' پتا مارنا پڑتا ہے' یہ تو لانا ہے جو نے تیر کا آدمی مشہور ہو بھی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تاریخ کا باب' صفحہ یا سطر بن گیا کہ تاریخ کی پرکھ بڑی کڑی اور ظالم ہے اور وہ بآسانی کسی کو اپنے اندر گھسنے نہیں دیتی' لیکن ضیاء الحق کا اس لئے تاریخ میں نام لکھا جائے گا کہ اس نے مسلم افغانستان کو کمیونسٹ نظام کی گرفت سے بچانے کیلئے (اس امر کا اندازہ کہ یہ گرفت کتنی آہنی' شدید اور مکمل ہوتی ہے وسط ایشیائی مسلم مملکتوں کو دیکھنے سے ہو سکتا ہے کہ وہاں نہ اسلام رہا ہے نہ مسلم تشخص)

کو دجا کمہ کے باد اباد

ایک سپرپاور سے ٹکر لے لی اور اس کی افواج کا منہ موڑ کر رکھ دیا' ایسے مرد حُر کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے تو کس کے عزت و احترام کا مظاہرہ کریں گے؟ اس پورے پس منظر میں میری معروضات کا یہ نچوڑ ہے کہ جہاں ملک و قوم کے مفادات کا تقاضا ہے کہ بروقت جماعتی انتخابات کروائے جائیں وہاں ملک و قوم کی

Marfat.com

بہبود کا یہ بھی تقاضا ہے کہ صدر ضیاء الحق کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے کہ ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

صدر مملکت نے قوم کے سامنے اپنا منشور رکھا ہے ان کی ترجیحات میں مسئلہ افغانستان کے علاوہ اوّلین نمبر پر اسلامائزیشن ( Islamisation ) ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں اتنا کچھ کام ہو چکا ہے کہ اسے سرانجام دینے میں مزید زیادہ وقت نہ لگنا چاہئے' دوسرا نکتہ احتساب کا ہے' اس پر عمل لازمی ہے کہ اسے پہلے ادھورا چھوڑنے سے بڑا گند پڑا تھا' قاضی سسٹم کی ترویج کوئی مسئلہ نہیں جس سے عوام کو سستا انصاف مل سکے' لیکن میں صدر محترم کے منشور میں ایک نکتے کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے قومی وجود کے استحکام کی کوشش کہ اس کے بغیر ملکی سالمیت اور سلامتی کے مقاصد پورے نہ ہو سکیں گے' جس چیز کا میں نے جونیجو صاحب کی سیاسی پبلک زندگی میں خصوصاً خلا محسوس کیا جو ان میں مسلم لیگی اقدار سے خلوص کی کمی تھی۔

ایک بار انہوں نے مجھے کہا کہ میں ان کی تقریر لکھوں ( موقع غالباً یوم آزادی تھا ) تو میں نے ان کے منہ میں صوبائیت اور علاقائیت کے خلاف الفاظ ڈالنے کی کوشش کی۔ میں نے لکھا کہ یہ ملک نہ پنجابیوں کا ہے' نہ سندھیوں کا' نہ بلوچیوں کا' نہ پٹھانوں کا' یہ تو مسلم قوم کا ملک ہے کہ وہ مسلم قومیت کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے' اس لئے اگر کوئی عضو اس ملک کی ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ مسلم قوم ہے۔ میں سمجھتا تھا ( اور میرا یقین ہے کہ مسلم قومیت کا جذباتی تموج ہی ہمارے علاقائی تعصبات کا واحد مداوا ہے ) کہ صدر مسلم لیگ کی زبان پر مسلم قومیت کا نعرہ سجے گا اور وہ اسے لگانے میں قطعاً کوئی باک محسوس نہ کریں گے لیکن میں حیران رہ گیا جب وزیر اعظم کو میری لکھی ہوئی تقریر پسند نہ آئی۔ سوال ہے کہ اگر علاقائیت کے خلاف صدر مسلم لیگ اور وزیر اعظم آواز اٹھانے کو تیار نہ ہو گا تو اور کون ہو گا؟ ملک میں لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ سنگین ہی علاقائیت کی بنا پر ہوا ہے۔ علاقائیت کا زہر ہمارے جسد سیاست کے رگ و پے میں دوڑ گیا ہے اور جب تک اس بیمار کا علاج مسلم قومیت کے تریاق سے نہ ہو گا یہ ملک تباہی کا شکار ہو جائیگا۔ صدر مسلم لیگ اور وزیر اعظم جونیجو نے کراچی میں خانہ جنگی روکنے کا ہر علاج سوچا لیکن مسلم قومیت کا دارو استعمال نہ کیا جبکہ اسی کی شکست و ریخت میں ہمارے قومی خلفشار و زوال کی کنہ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی لیڈر مسلم قومیت کا تو انکاری ہو لیکن ملک کا محافظ بننے کا دعویٰ کرے۔ پچھلے دنوں صدر ضیاء الحق نے اسلام آباد کے ایک سوشیالوجسٹس Sociologists اور دانشوروں کے کنونشن کو خطاب کرتے ہوئے انہیں دعوت دی تھی کہ وہ قومی انتشار کے سبب کا کھوج لگائیں۔ میں کوئی سوشیالوجسٹ یا دانشور نہیں لیکن میری زندگی تحریک پاکستان سے وابستگی میں گزری ہے اور اس لئے میں نے کم از کم تاریخ کی روشنی میں چند

Marfat.com

حقائق کا مشاہدہ کیا ہے۔

اب یہ حقائق کیا ہیں؟ حقائق یہ ہیں کہ مسلمانان برصغیر نے اپنی مسلمانیت کی ایک روایت قائم کی۔ انہوں نے اپنے مذہب کی اقدار کی پاسداری کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کی پیروی و پابندی کو اپنا شعار بنایا۔ اپنے تہذیبی ورثے کو اپنایا اور اپنے لئے ایک مخصوص تمدن کی آبیاری کی اور اپنے لئے برصغیر میں ایک ممتاز و متمیز مقام پیدا کیا۔ ہندوؤں کی گھمبیر و غفیر اکثریت میں محض اپنی تمدنی 'تہذیبی' مذہبی 'لسانی و ثقافتی روایت کے تواتر اور تسلسل کے باعث ایک قومی حیثیت قائم کی اور جہاں اس قومی حیثیت کو زمانہ حکمرانی میں جب وہ بڑی چھوٹی اقلیت میں تھے برقرار رکھا تو اس قومی حیثیت پر دور غلامی میں متمکن رہے حالانکہ وہ دوگونہ عذاب میں مبتلا تھے کہ ایک طرف انگریزی کی حکومتی بالادستی تھی تو دوسری طرف ہندو اکثریت کی بالادستی تھی۔ اس قومی مسلم تشخص کی جڑیں اتنی گہری' مضبوط اور جاندار تھیں کہ جب پچھلی صدی کے اواخر میں انگریزوں نے نمائندہ اداروں کی داغ بیل ڈالنے کیلئے اصلاحات کی پہلی قسط دی تو سرسید کو فوراً یہ واشگاف فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ محسوس نہ ہوا کہ یہ ناقابل تصور امر ہے کہ مسلم اور ہندو اقوام برابری کی سطح پر ایک تخت پر بیٹھ کر ہندوستان پر راج کر سکیں گی۔ یعنی مسلم قومیت کے تقاضے ہندو قومیت سے مختلف تھے اور وہ بلاشبہ کسی مختلف سلوک کے متقاضی تھے۔ اس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ مسلم قومیت مسلمانوں کے برصغیر میں ایک ہزار سالہ قیام کا جوہر ہے۔ اسی لئے قائداعظمؒ نے مسلمانوں کے لئے حق خود اختیاری اور پاکستان کا مطالبہ کیا۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ پاکستان کی تخلیق کے بعد ہم نے مسلم قومیت کی روایت قائم نہ رکھی۔ برصغیر میں تو سینکڑوں سال یہ روایت قائم رہی اور ہماری آزادی اسی کا ثمرہ ہے لیکن پاکستان میں یہ روایت چند سالوں میں نسیاً منسیاً ہوگئی جس کا مطلب یہ ہے کہ روایت قائم نہ رکھی گئی کیونکہ روایتیں بصد کوشش قائم رکھی جاتی ہیں اور وہ از خود میکانکی طور پر قائم نہیں رہتیں۔ قائم رکھنے جانے سے یہ مراد ہوتی ہے کہ قومی قیادت اس فرض کو ادا کرتی ہے۔ وہ روایت کی نگہبانی کرتی ہے۔ ہمارے ہاں ہوا یہ ہے کہ پہلے دن سے قومی قیادت مسلم قومیت کی حفاظت سے سبکدوش ہوگئی۔ یہ سراسر قیادت اور حکومت کا قصور ہے کہ پاکستان میں مسلم قومیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ قوم کا کارواں بکھر اگیا۔

میر کارواں نہیں میں خوئے دلنوازی
ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر سوچئے اور کہئے کب سے

سربراہوں کی نطق معجز بیاں سے مسلم قوم کو اس کے نام سے پکارنے کی عادت جاتی رہی ہے۔ جب کسی فرد کو بھی کچھ عرصہ اس کے نام سے نہ پکارا جائے گا تو خود وہ اپنا نام بھول جائے گا۔ یہ مسلم قوم کے نام کے محو ہو جانے کا نتیجہ ہے کہ پھر دوسری شناختیں پیدا ہوئیں۔ وہ شناختیں علاقائی ہوں' لسانی ہوں'

Marfat.com

برادری و فرقہ واری پر کھڑی ہوں یا نسلی و تہذیبی ہوں اور جب حوالہ بدل جائے تو پھر دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ جب مشن و مقصد میں گراوٹ آجائے تو رشتے ناطے بھی تنگ اور محدود ہو جاتے ہیں۔ تو جب جناب جونیجو نے مسلم قوم کو مخاطب کرنے سے انکار کر دیا تو بالواسطہ انہوں نے کراچی کے علاقائی ' نسلی و لسانی فسادات کو فرو کرنے سے پہلو تہی اختیار کر لی۔ صدر محترم اگر پھر لخت لخت قوم کو یکجا کرنا ہے اور اس کے دانوں کو ایک لڑی میں پرونا ہے تو اسے اس کا حوالہ واپس کر دیجئے ' اسے اس کے مسلم نام سے یاد کیجئے۔

جب آپ کی زبان سے مسلم قوم کو خطاب ہونا شروع ہو جائے گا ' جب ذرائع نشر و اشاعت سے مسلم قوم کا ڈنکا بجنے لگ جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ یہ بکھری ہوئی قوم بشکل وحید نمودار ہو جائے گی۔ دنیا پہلے بھی یہ نظارہ دیکھ چکی ہے۔ قوم کے اذہان و قلوب ' اعمال و کردار کو کسی خاص نظریاتی قالب میں ڈھالنے کے ضمن میں حکومت کس قدر فیصلہ کن رول ادا کرتی ہے ایک گھریلو مثال سے واضح ہو جائے گا۔

صدر ایوب کے دور میں یوم انقلاب منانا شروع ہوا اور یوم آزادی بیک گراؤنڈ میں پھینک دیا گیا۔ اب ۱۴ / اگست کو چھٹی تو ہو جاتی لیکن سڑکیں ویران و سنسان ہو گئیں کہ کوئی تقریب نہ منائی جاتی۔ سالہا سال کی طویل خاموشی میں قوم کی پیدائش کا یہ دن کم و بیش بھلا دیا گیا۔ پھر صدر ضیاء الحق کے زمانے میں اس دن کا زور شور سے احیاء ہوا تو وہی پہلے سالوں کی چہل پہل آگئی۔ یوں قوموں کی یادداشتیں بگڑتی اور بدلتی رہیں اور شخصی و قومی تشخص کا دارومدار یادداشت پر ہے۔ اسی لئے صدر ریگن نے دور حاضرہ کے جدید ترین انقلاب کو انقلاب اطلاعات Revolution of Information کا نام دیا ہے۔ صدر محترم اس نکتے پر غور کریں اور سوچیں کہ بالآخر اسلام نے برّصغیر میں سوائے مسلم قومیت کے اور پیدا کیا کیا ہے؟ مسلم قوم کے وجود میں سارا نظام اسلام سمٹا ہوا ہے۔ ورنہ موجودہ قومی انتشار کی صورت میں آپ لاکھ نظام اسلام کے نفاذ پر زور دیں بلکہ نظام اسلام کا نفاذ کر ڈالیں اس سے پاکستانی قومیت تولد نہ ہو گی۔ اس کے لئے برّصغیر میں مسلمان کی ایک ہزار سالہ نسبت کو آواز دینی پڑے گی کہ اسی نے اسی مسلم قوم کا تشخص پیدا کیا۔ مسلم قوم بنی تو پاکستان بنا ' مسلم قوم بنے گی تو اسلام چالو ہو گا۔

Marfat.com

# ضیاء الحق شہید کے بعد

چونکہ شہید صدر ضیاء الحق کا افغانستان پر موقف دشمنان پاکستان کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی راہ سے اس کانٹے کو ہٹانا ضروری سمجھا لیکن سوال ہے کہ کیا شہید صدر کے ساتھ ان کا مشن بھی ختم ہو گیا؟ بے شک دشمنوں نے پاکستان پر وار تو کاری لگایا لیکن اوّل تو ان کی یہ امیدیں بر نہ آسکیں کہ شہید کے بعد ملک فوراً افراتفری کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ جس حسن و خوبی و سرعت اور دستوری نظم وضبط سے انتقال اقتدار بروئے کار آیا' اس سے نہ صرف امن و امان عامہ بحال رہا بلکہ قومی جمعیت میں استحکام و استواری آئی اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوئی کہ

ع شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

کل تک یہ امر سان و گمان میں نہ آسکتا تھا کہ وہی ضیاء الحق جو مخالف سیاسی جماعتوں کا ہدف تنقید و تشنیع تھا' آج اس کی آخری آرام گاہ مرجع خواص و عوام بن جائے گی' اندرون و بیرون پاکستان کروڑوں فرزندان توحید اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے تو حرمین الشریفین میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ مشرق و مغرب میں اس کے ذکر اور یاد سے اخبار بوجھل ہو جائیں گے اور اقوام متحدہ نیز دنیا بھر کی پارلیمنٹوں میں اس کے لئے تعزیتی قرار دادیں پاس کی جائیں گی اور سب سے بڑھ کر اس کے دم سے تاہنوز ویران فیصل مسجد آباد ہو جائے گی۔ شہید صدر کی میت پر میں نے تحریک پاکستان کے بعد پہلی بار عوام دیکھے۔ وہ عوام نہیں جو شہروں میں بستے ہیں بلکہ وہ عوام جو خاک آلودہ کپڑوں میں ملبوس دور افتادہ دیہاتوں کی زینت ہیں اور کبھی کبھار ہی شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ وہ عوام جو پاکستان کی 95 فیصد آبادی کی

Marfat.com

نمائندگی کرتے ہیں اور قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ عوام کسی ناقابل مزاحمت کشش سے دھرتی کا سینہ پھاڑ کر باہر نکل آئے ہیں اور ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ ضیاء الحق عین مین ان عوام کی تصویر تھا۔ میں اکثر شہید صدر کو کہا کرتا تھا کہ وہ عوام میں جائیں ان سے کھلیں ملیں تو انہیں پتہ چلے گا کہ پاکستان کا انبوہ عظیم ان کا حامی و ہم نوا ہے۔ لیکن جب شہادت نے خواص کی مجلسوں کے قفلوں کو توڑ ڈالا اور بالآخر وہ منظر عام پر آگئے تو عوام نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور اب کوئی شخص۔

ع مرد مومن 'مرد حق 'ضیاء الحق 'ضیاء الحق

کا نعرہ لگائے بن نہیں رہ سکتا۔ جب شہید صدر کی ملک گیر مقبولیت کا یہ عالم ہو تو افغانستان میں ان کا مشن ایک قومی مشن کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ چنانچہ مسند صدارت پر بیٹھتے ہی جناب غلام اسحاق خان نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ شہید صدر کی تمام پالیسیوں خصوصاً افغانستان پالیسی میں سرمو فرق نہ آنے دیں گے پھر اس صدارتی اعلان کی تائید مزید سربراہان افواج نے کی۔ پھر بھی یہ نہ بھولئے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی اسی وزیر خارجہ صاحب زادہ یعقوب خان کے ہاتھوں میں ہے جو شہید صدر کے معتمد خصوصی اور رفیق قریبی تھے۔ سو پاکستان افغان مجاہدین کی حمایت اور افغان مہاجرین کی میزبانی میں شہید صدر کے نقش قدم پر چلتا رہے تا آنکہ کابل میں خالصتاً اسلامی حکومت قائم نہ ہو جائے۔

اس قوی یقین کے اظہار کے باوصف میں ان موانعات کے روڑوں کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ جو افغان مجاہدین اور پاکستان کی راہ میں حائل ہو گئے ہیں۔ پہلے تو یہی کہ شہید صدر کی شخصیت کا کوئی بدل نہیں۔ صدر ضیاء الحق امریکہ کے بہترین دوست تھے اور اس حقیقت کا حیرت انگیز انکشاف صدمے کے اس ردعمل سے ہوا جو امریکی زعما اور ذرائع ابلاغ نے کیا۔ امریکہ میں رہنے والے پاکستانیوں کا کہنا ہے کہ کینیڈی کی موت کے بعد ملک میں اتنا وسیع اور گہرا ماتم کبھی نہیں ہوا' لیکن اس گہری دوستی کے باوجود ملکی معاملات و مفادات میں وہ امریکہ یا کسی اور ملک سے کسی رو رعایت سے کام نہ لیتے تھے 'افغانستان پر روسی جارحیت کے خلاف ڈٹ جانے پر صدر کارٹر کی طرف سے حقیر امداد کی پیشکش آئی تو بلا تامل پی نسٹ (یعنی کچھ نہیں) کہہ کر ٹھکرا دیا۔ جب صدر ریگن نے بھرپور امداد کا بیڑہ اٹھایا تو انہیں دو ٹوک کہنے سے نہ چوکے کہ پاکستان سے نیوکلیئر آئی معاملے اور مارشل لاء کے متعلق کبھی بات نہ کرنا' نتیجہ یہ تھا کہ وہ پاکستان کا کیس نڈر اور بے خوف پیش کرتے تھے اور دوست دشمن ان کے الفاظ کو وزن دیتے تھے۔ ملک کا ایسا ترجمان کہاں سے ملے گا! یہاں مجھے وہی شعر یاد آ رہا ہے جس کا میں نے اپنے پچھلے جون والے مضمون میں ان کی زندگی میں حوالہ دیا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

Marfat.com

موجودہ حکومت کو یہ قباحت بھی لاحق ہے کہ وہ عبوری ہے اور ابھی نئی قومی قیادت کا ابھرنا باقی ہے۔ عبوری دور میں دور رس اور فیصلہ کن اقدامات لینے مشکل ہوتے ہیں۔

تیسرے یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں معاہدہ جنیوا سے پیشتر امریکہ افغانستان کے بارے میں خاصا تیز و تند تھا اور روس کو ترکی بہ ترکی جواب دینے سے جھجکتا تھا اب اس میں وہ تیز طراری نہیں رہی۔ عبوری حکومت کی بجائے سسٹری کا شوشہ امریکہ نے ہی چھوڑا تھا۔ اس سے ماسکو کو تو کچھ فرق نہ پڑتا تھا کہ اسے کابل کو فراہمی اسلحہ کی پوری کھل حاصل تھی لیکن اس سے پاکستان کو یہ توقع بندھی تھی کہ امریکہ بھی افغان مجاہدین کو آلات حرب فراہم کرنے کی کوئی نہ کوئی سبیل ڈھونڈ لے گا' لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آیا البتہ پاکستان روسیوں کی روزافزوں دھمکیوں اور افغان روسی ہوائی حملوں کا نشانہ ضرور بن گیا۔ شہید صدر کے بعد روس کی پاک مخاصمت میں اضافہ ہوا اور نجیب کی کٹھ پتلی حکومت کو اس جسارت کا حوصلہ ملا کہ وہ افغان مجاہدین کے کمانڈروں سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاں شہید صدر نے اپنی زندگی میں ہی افغانستان کا میدان جنگ مار لیا تھا اور سپر پاور روس کو اپنی افواج کے انخلاء پر مجبو کر دیا تھا' وہاں شہادت کے بعد انہوں نے قوم کو اپنے احساس مشن کے لئے ایسے زور سے جھنجھوڑا ہے کہ وہ اب اپنے شہید قائدؒ کے افغانستان میں مقصد عظیم کو بروئے تکمیل لا کر ہی دم لے گی۔ کابل میں افغان مجاہدین کی اسلامی حکومت قائم ہوگی اور انشاءاللہ ضرور قائم ہوگی۔

لیکن یہاں میں ایک احتیاطی تنبیہ ضروری سمجھتا ہوں جس طرح شہید صدر کے جیتے جی ان کے محافظین خصوصی ن کی عوامی مقبولیت کے صحیح طول و عرض کو سمجھنے سے قاصر رہے اور انہیں ہمیشہ محدود مجالسی دائروں سے تخاطب تک محصور رکھتے رہے اسی طرح مجھے ڈر ہے کہ اب شہید صدر کے لئے عوامی جوش و خروش جلسوں اور نعروں میں ہی مستعمل اور تحلیل ہو کر رہ جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شہید صدر کے لئے ابلتے ہوئے عوامی جذبے کو کسی تنظیمی [illegible] ڈھالا جائے تاکہ وہ ان سیاسی عناصر کی سرکوبی کر سکے جو یا تو مسئلہ افغانستان کے اسلامی حل کو ساحقہ [illegible]یت نہیں دیتے یا وہ کابل اور ماسکو کی پذیرا کرتے رہے ہیں اور اغیار کے ہاتھوں میں کھیلنے کو تیار ہیں۔

ایم آر ڈی کی تو شروع سے ہی پالیسی گومگو رہی ہے اور اکثر و بیشتر اس کے زعما کابل حکومت مفاہمت پر زور دیتے رہے ہیں۔ یہ تو جب شہید صدر اپنی ہٹ' پامردی اور قوت ایمانی سے روس کو انخلاء پر مائل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ حضرات مذاکرات جنیوا کو اہمیت دینے اور معاہدہ جنیوا کی قسم کھانے لگے لیکن ان کے موقف کی اصل کمزوری یہ ہے کہ افغانستان کو تو چھوڑیئے' یہ پاکستان کی سالمیت کے بھی قائل نہیں۔ ایم آر ڈی کے اٹانومی فارمولے کے مطابق صوبے اپنی اپنی مسلح افواج رکھنے کے مجاز ہونگے اور ان کے اندرونی جھگڑے و فساد میں وفاقی فوج مداخلت نہ کر سکے گی' نیز وہ خارجی تجارت کرنے کے بھی اہل

Marfat.com

ہونگے جس سے مرکز کوئی متفقہ خارجہ پالیسی نہ مرتب کر سکے گا۔ یہ سراسر چار قومیتوں کا نقشہ ہے جس کا ماخذ و منبع حفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو کے تصورات و نظریات ہیں جو اپنی کنفیڈریشن سکیم کے ذریعے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ اس ملک شکن تحریک کا مقابلہ ضروری ہے کہ یہ وہی سماں پیدا کرنا چاہتی ہے جو پی پی پی نے ایک طرف اور عوامی لیگ نے دوسری طرف 71ء میں پیدا کیا تھا اور جس سے پاکستان دولخت ہوا۔ لیکن یہ مقابلہ محض جذباتی نعروں سے سر نہیں ہو سکتا۔ اس مہلک و موذی تحریک کے لئے شہید صدر ضیاء الحق محاذ کھڑا کرنا ہو گا۔ ایک بات واضح واٹل ہے مسئلہ افغانستان کے مکمل اور تشفی بخش حل کا انحصار پاکستان کی مضبوطی اور پائیداری پر ہے اور اس مقصود کے حصول کے لئے ان تمام جماعتوں اور تحریکوں کا سر کچلنا ہو گا جو ملک کی جڑوں کے کاٹنے کے درپے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com